خطباتِ آزاد

از

مولانا ابوالکلام آزاد

اس مجموعہ کا ہر خطبہ درسِ حیات ہے

اردو کتاب گھر کوچہ فولاد خاں دلی

INDIAN COUNCIL FOR CULTURAL RELATIONS LIBRARY NEW DELHI

ترتیب

خطبۂ اتحاد اسلامی	۵
خطبۂ صدارت مجلس خلافت - آگرہ	۲۸
خطبۂ صدارت بنگال خلافت کانفرنس	۵۵
خطبۂ صدارت جمعیتہ علماء ہند - لاہور	۱۰۷
خطبۂ صدارت جمعیتہ علماء ہند - لاہور	۱۲۴
خطبۂ صدارت آل انڈیا خلافت کانفرنس	۱۷۲

Call No. L823 Cat.....
Acc. No. 9965 Price.....
Shelved . . cked.
A040
AZA
823

مارچ سنہ ۱۹۵۹ء

تعداد ایک ہزار

قیمت تین روپے

(یونین پرنٹنگ پریس دہلی)

خطبہ
اتحاد اسلامی

۲۷ اکتوبر ۱۹۱۴ء

اَللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ط یَا اَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ اَنْ یَّشَاءُ یُذْھِبْکُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ (۲۵)

تحقیق حالِ ما ز نگہ میتواں نمود — لختے بحالِ خویش بسیما نوشتہ ایم

آپ میں سے اکثر حضرات کو معلوم ہے کہ بعض اسباب خاص سے اس عاجز نے عام مجالس کی شرکت قطعاً بند کر دی تھی اور گزشتہ (حذر پور) کی مجلس میں التجا کی تھی کہ آئندہ اس خدمت سے معاف رکھا جاؤں۔ ارکانِ انجمن نے اس کی نسبت ایک خط لکھا تو پہلے تو جی میں آیا کہ معذرت کے ساتھ انکار کر دوں۔ لیکن اس کے بعد سوچا کہ وقت تو وہ آگیا ہے جب گونگے بولنے لگیں، اندھے دیکھنے لگیں، لنگڑے چلنے لگیں اور بہرے سننے لگیں۔ کیونکہ اسلام اپنے ہر پیرو سے اس کے آخری فرض کا طالب اور اُس شے کا خواستگار ہے جس کے بعد اس کے ذمے اور اور کچھ باقی نہ رہے گا۔ اور وہ توحید الٰہی کے حق سے سبکدوش ہو جائے گا۔

تھا کیونکہ آسمانِ ہدایت پر شریعت الٰہی کے گو سینکڑوں ستارے نمودار ہوئے تھے۔ لیکن تاریکی کی آخری شکست کے لئے دنیا کو آفتاب ہی کے طلوع کا انتظار ہوتا ہے۔"

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى (۱۱۹۲)

رات کی قسم جب کہ اس کی تاریکی کائنات کی تمام اشیا کو چھپا دیتی ہے۔ اور روزِ روشن کی قسم جب کہ آفتاب کی تجلی تمام کائنات کو روشن کر دیتی ہے۔ اور دراصل اس خالق کی قسم جس نے تخلیق عالم کے لئے نر اور مادہ کا وسیلہ پیدا کیا۔

اس آفتابِ توحید نے طلوع ہوتے ہی تفریق و انشقاق کی تمام تاریکیوں کو مٹا دیا۔ اس کی روشنی کی فیضان بخشی نے اسود و ابیض اور عرب و عجم کی کوئی تمیز نہ رکھی۔ خدا کی ربوبیت کی طرح اس کی رحمت بھی عام تھی۔ وہ رب العلمین تھا۔ پس ضروری تھا کہ اس کی راہ کی طرف دعوت دینے والا بھی رحمۃ اللعلمین ہو۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۱۸و۹۸)

اے پیغمبر! ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام عالموں کے لئے رحمت قرار دے کر۔

انسان کی یہ سب سے بڑی ضلالت اور خدا فراموشی تھی۔ کہ اس نے رشتۂ خلقت کی وحدت کو بھلا کر زمین کے ٹکڑوں اور خاندان کی تفریقوں پر رشتے قائم کر لئے تھے۔ خدا کی زمین کو جو محبت اور باہمی اتحاد کے لئے تھی۔ قوموں کے باہمی اختلافات۔ نزاعات کا گھر بنا دیا تھا۔ لیکن اسلام دنیا میں پہلی آواز ہے جس نے انسان کی بنائی ہوئی تفریقات پر نہیں بلکہ الٰہی تعید کی وحدت پر ایک عالمگیر اخوت و اتحاد کی دعوت دی اور کہا کہ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔

ترجمہ۔ اے لوگو ہم نے دنیا میں تمہاری خلقت کا وسیلہ مرد اور عورت کا اتحاد رکھا اور نسلوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا۔ اس لئے کہ باہم پہچانے جاؤ

پس جو زبان نہیں بول سکتی اس کو بھی بولنے کی سعی کرنی چاہیئے۔ اور جو قدم نہیں اُٹھ سکتا اس کو بھی چلنے کے لئے اُٹھنا چاہیئے۔

توحید۔ اخوتِ اسلامی و عمومِ رشتۂ دینی

قرآن حکیم نے توحیدِ الٰہی کے داعی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سراج منیر سے ملقب کیا اور ان کے خصائص کریمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ (۳۳-۴۶)۔

اے پیغمبر بے شک ہم نے تم کو شہادت دینے والا۔ بشارت پہنچانے والا۔ ضلالت و خباثت سے خوف دلانے والا۔ راہِ الٰہی کی طرف داعی اور ایک نورانی مشعل بنا کر بھیجا۔ ۱۲

لیکن ایک دوسرے موقع پر آفتاب کو بھی سراج کے لقب سے یاد کیا ہے

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا

اور آسمان میں خدا نے چاند کو بھی بنایا جو ایک نور ہے اور سورج کو بھی بنایا کہ وہ ایک روشن مشعل ہے اس مماثلت اور اشتراکِ تشبیہ سے مقصود یہ تھا کہ اسلام کی دعوت بھی اس آفتابِ مادی کی طرح ایک آفتاب روحانی ہے۔ جب آفتاب نکلتا ہے تو اس کی روشنی اور حرارت میں کوئی تمیز نزدیک و دور۔ اعلےٰ و ادنےٰ۔ سیاہ و سفید، باغ و دشت کی نہیں ہوتی۔ اس کی روشنی بلا تمیز مکان و مقام ہر شے پر چمکتی اور حرارت پذیر وجود کو گرم کرتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال اس آفتابِ دعوتِ الٰہی اور منیر درخشاں سمائے رسالت کی عموم فیضان بخشی کا تھا جو گو سیر سے چلا مگر فاران کی چوٹیوں پر نمودار ہوا۔ جس کی کرنوں میں داہنی جانب شریعت الٰہی کا نور و کتاب مبین تھی۔ مگر بائیں جانب قیامِ عدل میزان کی شمشیر آبدار چمک رہی تھی جس کا طلوع کائنات میں ظلمت کی شکست اور روشنی کی دائمی فیروزمندی

دلوں کو ایک دائمی صلح کے ذریعہ پھر ایک جگہ جمع کر دیا۔ اور ان کے روٹھے ہوئے دلوں کو اس طرح ایک دوسرے سے ملا دیا کہ تمام پچھلے شکوے اور شکایتیں بھول کر ایک دوسرے کے بھائی اور شریک رنج و راحت ہو گئے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا الآیۃ ترجمہ۔ اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر نازل کی گئی۔ جب کہ تم اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ مگر اسلام نے تمہارے دلوں میں محبت و الفت پیدا کر دی۔ اور دشمن کی جگہ ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہو گئے۔

یہ برادری خدا کی قائم کی ہوئی برادری ہے۔ ہر انسان جس نے کلمہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کیا۔ بمجرد اقرار کے اس برادری میں شامل ہو گیا۔ خواہ مصری ہو خواہ انگریز کا وحشی ہو۔ خواہ قسطنطنیہ کا تعلیم یافتہ ترک۔ لیکن اگر وہ مسلم ہے تو اس ایک خاندان توحید کا عضو ہے جس کا گھرانا کسی خاص وطن اور مقام سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ تمام دنیا اس کا وطن اور تمام قومیں اس کی عزیز ہیں۔

دنیا کے تمام رشتے ٹوٹ سکتے ہیں مگر یہ رشتہ کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ ممکن ہے کہ ایک باپ اپنے لڑکے سے روٹھ جائے۔ بعید نہیں کہ ایک ماں اپنی گود سے بچے کو الگ کر دے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کا دشمن ہو جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا کے تمام عہد مودت۔ خون اور نسل کے باندھے ہوئے پیمان وفا و محبت ٹوٹ جائیں۔ مگر جو رشتہ ایک چین کے مسلمان کو افریقہ کے مسلمان سے ایک عرب کے بدو کو تاتار کے چرواہے سے اور ایک ہندوستان کے نو مسلم کو مکہ معظمہ کے صحیح النسب قریشی سے پیوست و یک جان کرتا ہے۔ دنیا میں کوئی طاقت نہیں ہے جو اسے توڑ سکے اور اس زنجیر کو کاٹ سکے جس میں خدا کے ہاتھوں نے انسانوں کے دلوں کو ہمیشہ کے لئے جکڑ دیا ہے۔

پس اے عزیزان ملت! اور اے بقیہ ماتم زدگان قافلہ اسلام!! اگر یہ سچ ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں پیروان اسلام کے سروں پر تلوار چمک رہی ہو تو تعجب ہے

ورنہ در اصل یہ تفریق اور انشعاب کوئی ذریعۂ امتیاز نہیں اور امتیاز اور شرف اسی کے لئے ہے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ متقی ہے۔

پس درحقیقت اسلام کے نزدیک وطن و مقام اور رنگ و زبان کی تفریق کوئی چیز نہیں۔ رنگ اور زبان کی تفریق کو وہ ایک الٰہی نشان ضرور تسلیم کرتا ہے وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ۔ اس کو وہ کسی انسانی تفریق و تقسیم کی حد نہیں قرار دیتا اور انسان کے تمام دنیوی رشتے خود انسان کے بنائے ہوئے ہیں۔ اصلی رشتہ صرف ایک ہے اور وہ وہی ہے جو انسان کو اس خالق اور پروردگار سے متصل کرتا ہے۔ وہ ایک ہے پس اس کے ماننے والوں کو بھی ایک ہی ہونا چاہیئے۔ اگرچہ سمندروں کے طوفان، پہاڑوں کی مرتفع چوٹیوں، زمین کے دور دراز گوشوں اور جنس و نسل کی تفریقوں نے ان کو باہم ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہو۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ (۲۳-۵۵)

بے شک تمہاری جماعت ایک ہی امت ہے اور ہم ایک ہی تمہارے پروردگار ہیں۔

اے برادرانِ ملت! یہی اسلام کی وہ عالمگیر اخوت اور دعوتِ اسلام کی وحدت تھی جس نے زمین کے دور دراز گوشوں کو ایک کر دیا تھا۔ اسلام نے ریگستان حجاز میں ظہور کیا مگر صحرائے افریقہ میں اس کی پکار بلند ہوئی۔ اس کی دعوت کی صدا جبلِ بوقبیس کی گھاٹیوں سے اٹھی مگر دیوارِ چین سے صدائے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی بازگشت گونجی، تاریخ کی نظریں جس وقت دجلہ و فرات کے کنارے پیروانِ اسلام کے نقشِ قدم گن رہی تھیں۔ عین اسی وقت گنگا اور جمنا کے کنارے سیکڑوں ہاتھ تھے جو خدائے واحد کے آگے سربسجود ہونے کے لئے وضو کر رہے تھے۔ یہ تمام دنیا کی مختلف قومیں زمین کے دور دراز گوشوں پر بسنے والی آبادیاں گویا ایک ہی گھر کے عزیز تھے۔ جن کو شیطانِ رجیم کی تفرقہ اندازیوں نے ایک دوسرے سے الگ کر دیا تھا۔ لیکن خدائے رحیم نے ان صدیوں کے بچھڑے ہوئے

جیسے ایک جسم واحد کی، اگر اس کے ایک عضو میں کوئی شکایت پیدا ہوتی ہے تو سارا جسم اس تکلیف میں شریک ہو جاتا ہے اور اسی کے ہم معنی صحیحین کی وہ حدیث ہے جس کو ابو موسیٰ اشعری نے روایت کیا ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا۔

(ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایسا ہے جیسے کسی دیوار کی اینٹ کو ایک اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے) اور فی الحقیقت یہ خصائص مسلم میں سے ایک اولین اور اشرف ترین خصوصیت ہے۔ جس کی طرف قرآن شریف نے اپنے جامع اور مانع الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ

کافروں کے لئے نہایت سخت۔ مگر آپس میں نہایت رحیم اور ہمدرد۔

ان میں جس قدر سختی ہے باطل اور کفر کے لئے اور ان کی جس قدر محبت و الفت ہے حق و صدق اور اسلام و توحید کے لئے۔

فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ یٰٓاَیُّھَا الْمُسْلِمُوْنَ وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ط

جامعہ اسلامیہ یا پانِ اسلام ازم

جب سے اسلام دنیا میں موجود ہے یہ اخوت و وحدت بھی موجود ہے۔ مگر یورپ کا جدید دوسیسۂ شیطانی اس کو کسی مجہول الحال اور حدیث العہد اسلامی اتحاد سیاسی سے تعبیر کرتا ہے اور اس اضغاث احلام کی تعبیر اس کو ایک خون فشاں ہلال کی صورت میں نظر آتی ہے۔ وہ کسی ایسے وقت کے تصور سے اپنے تئیں لرزاں و ترساں ظاہر کرتا ہے جب کہ تمام عالم میں چالیس کروڑ مسلمانوں کی تلواریں یکایک چمک اٹھیں گی۔ عیسائیوں سے ان کے گزشتہ چار سو سال کی مسیحی خوں ریزی کا حساب لیا جائے گا۔ اور خُذُوْہُ فَغُلُّوْہُ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْہُ کے نعروں کے

اگر اس کا زخم ہم اپنے دلوں میں نہ دیکھیں۔ اگر اس آسمان کے نیچے کہیں بھی ایک مسلم پیروِ توحید کی لاش تڑپ رہی ہے تو لعنت ہے اُن سات کروڑ زندگیوں پر جن کے دلوں میں اس کی تڑپ نہ ہو۔ اگر مراکش میں ایک حامیٔ وطن کے حلق بریدہ سے ایک خون کا فوارہ چھوٹ رہا ہے تو ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے منہ سے دل و جگر کے ٹکڑے نہیں گرتے؟ ایران میں اگر وہ گردنیں پھانسی کی رسیوں میں لٹک رہی ہیں جن سے آخری ساعتِ نزع میں اشہدان لاالہ الا اللہ کی آواز نکل رہی تھی تو ہم پر اللہ اور اس کے ملائکہ کی پھٹکار ہو، اگر اپنی گردنوں پر اس کے نشان محسوس نہ کریں۔ اگر اسپ بلقان کے میدانوں میں حافظینِ کلمۂ توحید کے سر اور سینے صلیب پرستوں کی گولیوں سے چھد رہے ہیں تو ہم اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کے رسولؐ کے آگے ملعون ہوں اگر اپنے پہلوؤں کے اندر ایک لمحہ کے لئے بھی راحت اور سکون محسوس کریں۔ میں کہہ رہا ہوں، حالانکہ اسلام کی روح کا ایک ذرہ بھی اس کے پیروؤں میں باقی ہے تو مجھ کو کہنا چاہیئے کہ اگر میدانِ جنگ میں کسی ترک کے تلوے میں ایک کانٹا چبھ جائے تو قسم ہے خدائے اسلام کی کہ کوئی ہندوستان کا مسلمان مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ اس کی چبھن کو تلوے کی جگہ اپنے دل میں محسوس نہ کرے۔ کیونکہ ملتِ اسلام ایک جسمِ واحد ہے اور مسلمان خواہ کہیں ہوں اس کے اعضاء و جوارح ہیں۔ اگر ہاتھ کی انگلی میں کانٹا چبھے تو جب تک اور اعضاء کٹ کر الگ نہ ہو گئے ہوں ممکن نہیں کہ اس کے صدمے سے بے خبر ہیں اور یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں محض اظہارِ مطلب کا زور بیان ہی نہیں ہے بلکہ عین رحمہ ہے اُس حدیثِ مشہور کا جس کو امام احمد و مسلم نے نعمان بن بشیر سے روایت ہے، کہ جناب رسول کریم علیہ صلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا ہے:۔

مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى۔

مسلمانوں کی مثال باہمی مودت و مرحمت اور محبت و ہمدردی میں ایسی ہے

اور بالفاظِ صاف تر یہ کہ دنیا کے جتنے حصے اسلام کے زیر اثر باقی رہ گئے ہیں۔ ان کو بھی یورپ کی مسیحی حکومتیں کسی ایسی تقسیم مساوی کے ساتھ جو توازن دول پر موثر نہ ہو۔ آپس میں بانٹ لیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اظہر من الشمس فی نصف النہار ہے۔ اور جس شخص نے کم از کم گزشتہ دس برسوں کے اندر کے واقعات سے آنکھیں بند نہیں کر لی ہیں۔ وہ بغیر کسی بصیرت مزید کے اسے دیکھ سکتا ہے۔ پھر اگر یہ سچ ہے کہ ایک خنجر اسلام کے قلب میں پیوست کر دینے کے لئے تیز کیا جا رہا ہے۔ تو کیا مضائقہ اگر ہم کسی ڈھال کی تیاری میں مصروف ہوں؟ اگر خدا پرستی سے مسیح پرستی کی دشمنی قدیمی ہے اور یہ کوئی نئی مسیحی سازش نہیں تو پیروانِ توحید کا حملہ مشرکین سے بچنے کے لئے اتحاد و اخوت بھی کوئی نیا حربہ نہیں ہے۔ یورپ جانتا ہے کہ مشرقی مسئلہ کی حکمت عملی کے لئے کوئی بچاؤ اگر اسلام کے پاس ہے تو صرف اس کا حقیقی اتحادِ اسلامی ہے۔ اور تمام دنیا کے مسلمانوں کا اس پر متفق ہو جانا ہے کہ اپنی قدیمی سیادت اور شرف کو محفوظ رکھیں۔ اسلامی زندگی کی آخری انسانی تلوار صرف ترکوں کے ہاتھ میں ہے لیکن ایک ترکی حکومت جس کے کئی قیمتی اجزاء پر مسئلہ مشرقی کی قینچی چل چکی ہے۔ مسیحی اتحاد کا کیا مقابلہ کر سکتی ہے؟ البتہ اگر چالیس کروڑ قلوب اسلامیہ ہلال کے نیچے جمع ہو جائیں۔ تو پھر وہ ایک ایسی قوت ہے جس کو سینکڑوں سکندر اور رہنے بال بھی مل کر فنا نہیں کر سکتے۔ یورپ چونکہ یہ جانتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی جانتا ہے کہ غفلت اور اغراض پرستی نے مقامی و وطنی سرشاریوں میں مسلمانوں کو مبتلا کر دیا ہے اور ان کے باہمی بین الملی اتحاد کے جسم میں مغربی الحاد کے جراثیم پیدا ہو چکے ہیں اس لئے گو فی الحقیقت کسی ایسے اسلامی اتحاد کا وجود نہیں ہے لیکن وہ وقت سے پہلے پیدا ہونے والی مقاومت کا استیصال کرنا چاہتا ہے۔ اور اس مشہور قاعدہ کی رُو سے کہ اتقاء عن المرض خیر من معالجۃ بعد وقوعہ اسلام کے فنا کرنے سے پہلے اس کے بچاؤ کی ڈھال کو فنا کر دینے کی تدبیروں میں

ساتھ تمام دنیا کے درختوں پر صلیب پرستوں کی معلق اور مصلوب لاشیں، ان کے حذائے مصلوب کی لاش کی طرح لٹکنے لگیں گی۔ مگر یہ یورپ کے چہرۂ خونیں کا عکس ہے جو اس کو عالم اسلامی کے آئینہ میں نظر آتا ہے۔

میں نے جب کبھی اس قسم کی تحریریں پڑھی ہیں تو لکھنے والوں کے تعصب پر اس قدر متعجب نہیں ہوا ہوں جس قدر اس کے جواب دینے والے مسلمانوں کی جہالت بلکہ اسلام فروشی پر۔ جب کبھی یورپ کے شیاطین سیاست نے "پان اسلام ازم" کی صدا بلند کی ہے تو معاً مسلمانوں نے ڈر ڈر کر اور کسی خونی مجرم کی طرح سہم سہم کر اپنی بریت کے لئے بے اثر دلائل کی وظیفہ خوانی شروع کر دی ہے۔ اور پھر اکثر اوقات غیروں کے خوش کرنے کے لئے اس میں اس درجہ غلو کیا ہے کہ خود اپنے تئیں بھول گئے ہیں۔

"مسئلہ مشرقی" اور "پان اسلام ازم"

لیکن حضرات! یقین کیجئے کہ پان اسلام ازم، کا فرضی خطرہ جس غرض مخفی سے دنیا کے سامنے لایا جاتا ہے۔ بہت کم مسلمان ہیں جن کی نظر اس کی حقیقی علت پر ہوگی۔ اس خطرہ کے اعلان پر بریت اور احتیاط کی کوشش بالکل بے فائدہ ہے کیونکہ اس کی بنیاد جہل نہیں بلکہ ایک نہایت سخت ابلیسانہ حکمت عملی ہے۔ قبل اس کے کہ مسلمان پان اسلام ازم کے جرم سے کانوں پر ہاتھ دھریں ان کو خود یورپ سے پوچھنا چاہیئے۔ کہ مسئلہ مشرقی کی حقیقت کیا ہے؟ فَمَا كَانَ جَوَابَهُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا۔

کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ آج نصف صدی سے یورپ کی تمام مسیحی طاقتوں نے ایک خاص متفقہ حکمت عملی وضع کی ہے۔ اور اس کا نام مشرقی مسئلہ یا مشرق کا فیصلۂ آخری رکھا ہے۔ مشرقی مسئلہ کی حقیقی غایت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اسلام کے بقیہ قوائے سیاسیہ کا بتدریج خاتمہ کر دیا جائے۔

اس کی آواز ان جلوں پر آکر رکی تھی۔ "اب اور کب تک اسلام کو آزاد چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ اپنی ہزار سالہ وحشت اور خونخواری کے واقعات بیسویں صدی میں دہراتا رہے۔ کب تک یورپ اپنی باہمی رقابت کے ہاتھوں عالم انسانیت کی مظلومی کا تماشہ دیکھتا رہے گا۔ اسلام ایک خطرہ ہے اور اس کا بقا تمام تر خطرہ میں یقین دلاتا ہوں کہ یورپ اسلام سے جو زمین کا ٹکڑا لے لیتا ہے وہ اس کا قدرتی حق ہے اور دولِ یورپ کے لئے مالِ غنیمت ہے۔ جس کی واپسی کا خیال بھی جنون ہے۔"

یورپ اسلام کے نام لیوا چالیس کروڑ نفوس انسانی کو تہذیب اور تمدن کے نام سے فنا کر دینا بیسویں صدی کی سب سے بڑی تمدنی خدمت سمجھتا ہے۔ روس میں آج کئی ملین عیسائی موجود ہیں۔ جو عثمانیوں سے ہزار درجہ یورپین تمدن سے ابعد ہیں۔ سب سے پہلے اس خنجر تہذیب کی دھار کی مستحق ان کی گردنیں کیوں نہیں سمجھی جاتیں؟ اور جس تہذیب کے نام پر یہ صلیبی جنگ جاری کی گئی ہے، اگر یہ وہی تہذیب ہے جس کی ٹریجڈی ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو اٹالین تمثال تمدن نے طرابلس میں دکھائی تھی تو ہزار سلامتی ہو تجھ پر اے وحشت و خونخواری اور ہزار ہزار برکت و رحمت نازل ہو تجھ پر اے افریقہ اور نائجیریا کی بربری و درماندگی! اور کبھی تیرے سایۂ برکت سے ہمارے سر جدا نہ ہوں۔

وجود کذب لایقاس بہ ذنب

حضرات! یورپ کے نزدیک "مسئلہ مشرقی" کا حال بالکل ایک قدرتی انصاف و عدل ہے۔ چالیس کروڑ نفوس اسلام کو مٹا دینے کا عملی نتیجہ کوئی نشوش انگیز بات نہیں۔ یہ اس پرانی مسیحی وصیت کی تبلیغ و تکمیل ہے جس کو سینٹ لوقا نے شہزادۂ امن (مسیح) کی زبانی دنیا کو سنایا تھا کہ وہ دشمن جو نہیں چاہتے کہ میں ان پر حکمرانی کروں۔ ان کو یہاں لاؤ۔ اور میرے قدموں کے آگے ذبح کر دو۔

مصروف ہے۔

پھر کیا ہو گیا ہے ان ملاحدہ مسلمین اور متفرنجین مارغین کو جو پان اسلام ازم کا نام سنتے ہی صبانا! صبانا! کا نعرہ لگانا شروع کر دیتے ہیں اور قسمیں کھا کھا کر کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ کہ ہماری یورپ پرستی اور اسلام دشمنی کی پُر امن وفاداری میں کوئی اسلامی اتحاد خلل انداز نہیں ہو سکتا؟ کیا وہ اس انکار و ابتری سے ٹھیک ٹھیک اس غرض و غایت کو پورا نہیں کرتے جو اس عمل شیطانی کے تعلق سے خود یورپ کے پیش نظر ہے۔

پروفیسر وبمبری) جس نے اٹھارہ برس کی عمر سے تیس برس تک ترکوں کا نمک کھایا اور اس کے بعد ہمیشہ بحیثیت ایک اسلام پرست اور عثمانی بہی خواہ دوست کے سرائے یلدیز کی شاہانہ مہماں نوازیوں سے متمتع ہوتا رہا ہے۔ کل کی بات ہے کہ بوڈاپیسٹ ہیرلڈ میں اس تمہید کے اعادہ کے بعد وہ مسلمانوں کا دوست ہی لکھ رہا تھا:۔

(اسلام کی حمایت سے اب کوئی فائدہ نہیں۔ وہ عنقریب فنا ہو جائے گا اور اس کو فنا ہی ہو جانا چاہیئے۔ مسلمان ایک ایسی وحشی قوم ہے جس میں نہ تو طبیعت کا وجود ہے اور نہ طبیعت کو وہ محسوس کر سکتے ہیں۔ ان کو صرف خدا کی عبادت گزاری آتی ہے۔ مگر دنیا میں کام کرنا نہیں آتا۔ تمام انسانی حس و شعور ان سے سلب ہو گئے ہیں۔ صرف ایک دینی جذبہ ان میں باقی ہے۔ نہ ان کا کوئی مسلک اور نہ کائنات میں مقصد۔ پس اب یورپ کے لئے یہی باقی رہ گیا ہے کہ وہ اسلامی حکومتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس میں بانٹ لے۔

یہ مسلمانوں کے سب سے بڑے دوست کی آواز ہے۔ لیکن اب دشمنوں کو کہاں ڈھونڈیں۔ پروفیسر (لکسین ہارڈن) جو آسٹریا کے سب سے بڑے اخبار (نزفرنگفت) کا مالک اور چیف ایڈیٹر ہے۔ چند سال ہوئے ہیں کہ اس نے مسئلہ مشرقی پر لکچر دیا تھا۔ اور اس کا خلاصہ (لندن ٹائمز) نے چھاپا تھا۔ مجھ کو یاد ہے کہ

کھلاتے ہیں۔ جو فوج طرابلس کے انسر عام کو نصیب ہوتی ہے۔
اور عین اس وقت جب کہ نخلستان طرابلس میں مسلمانوں کے شیر خوار بچوں اور خانہ نشین عورتوں کا قتل عام کیا جاتا ہے ڈیڑھ سو سے زیادہ اٹالین نیدیوں کو نشاط بے خاص اپنا خیمہ دیتا ہے۔ کیونکہ وہ ریگستان کی گرد اور تپش کے عادی نہ ہونے کی شکایت کرتے ہیں لیکن پھر بھی اسلام اور اسلام کے محافظ ترک وحشت و بربریت کا پیکر ہیں اور لہٰذا تہذیب و شائستگی کی تکمیل کے لئے ان کو مٹا دینا چاہیئے

پس اے برادران ملت! جس پان اسلام ازم کو یورپ پیش کر رہا ہے اگرچہ اس کے دسائس آفریں دماغ سے باہر اس کا کوئی وجود نہیں۔ مگر اس سے برأت کی بے فائدہ کوشش نہ کیجئے۔ جس چیز کو آپ اپنی برأت میں پیش کریں گے اس سے وہ بے خبر نہیں ہے۔ آپ اپنی برئیت کے اظہار میں آج کل کے علاحدہ مسلمین کی طرح خواہ اپنی جنس اسلامی کو جنس مغربی سے کیوں نہ بدل لیں۔ لیکن وہ کبھی بین اسلام ازم سے اپنے تئیں بے خطر نہ دکھلائیں گے۔ کیونکہ وہ دانستہ آپ کی ایک اصلی مدافعانہ قوت اتحادی کو اس طرح فنا کر دینا چاہتا ہے۔ آپ انکار کریں خواہ اقرار دونوں حالتوں میں اس کا سلوک یکساں ہوگا۔

مَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ، اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ۔

اس کی مثال کتے کی سی ہے۔ اگر اس کو دھتکار دو جب بھی زبان باہر لٹکائے رہے گا۔ اگر اس کو چھوڑ دو جب بھی زبان ہلاتا رہے گا۔

کاش مسلمانوں میں پان اسلام ازم ہوتا

مسلمان "پان اسلام ازم" کے نام پر استغفار پڑھ رہے ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اے کاش آج مسلمانوں میں پان اسلام ازم کا وجود ہوتا۔ وہ پان اسلام ازم جس کو ترکی یا انگلستان کے مسلمانوں کی کسی خفیہ کمیٹی کے پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ روز اول سے ہم کو جس کی دعوت دی گئی ہے۔

پس اس میں کوئی انسانی ظلم نہیں۔ قوموں کے قدرتی قوانین کا احترام اس بارے میں بالکل بے معنی ہے۔ اگر کوئی شے قابل توجہ ہے تو صرف یہ ہے کہ یورپ کی رقیب حکومتیں ایک دوسرے پر بازی نہ لے جائیں۔ جسم اسلام کی اس طرح بوٹیاں نوچی جائیں کہ ہر بھیڑیئے کے منہ میں مساوی تقسیم کے ساتھ ایک ایک لقمہ آجائے لیکن جامعہ اسلامیہ، اسلام کی قدرتی اخوت۔ اس کا روزِ اول سے قائم کردہ رشتۂ اتحاد، تو یہ ایک سخت سے سخت معصیت اور جرم ہے۔ جس کا کوئی ذی روح مخلوق مجرم ہو سکتا ہے۔ یہ ایک کھلا عدوان اور فساد ہے۔ یہ وحشیانہ تعصب اور بربرانہ خونخواری کی سازش ہے۔ یہ ایک ایسا گناہ ہے جس کے لئے نفرین اور عذاب کے سوا اور کچھ نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ ایک ایسی تاریک زندگی ہے جو صرف اس لئے ہے کہ اُسے مٹا دیا جائے۔ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ط۔

لیکن اے اقوامِ یورپ! اے ذرہ دان قافلۂ انسانیت!! اے مثالِ رنگ و سبعیت! اے مجمع وحوش و کلاب! ظلم و عدوان تا بکے؟ اور خون و خوں ریزی تا چند؟ کب تک خدا کی سرزمین کو اپنے حیوانی غرور سے ..... ناپاک رکھو گے؟ کب تک انصاف ظلم سے اور روشنی تاریکی سے مغلوب رہے گی؟ بتریز میں تمھارے ہاتھوں انسانوں کی گردنیں سولی پر لٹک رہی ہیں۔ طرابلس کی ریت پر اب تک اس جمے ہوئے خون کے ٹکڑے باقی ہیں جو تمھاری آنکھوں کے سامنے تمھارے ایک بیٹی رونے بہایا۔ مراکش میں ان لاشوں کا شمار کوئی انسان نہیں کر سکتا جن میں سے سینکڑوں کو مٹی کے بوجھ کی جگہ تمھارے گھوڑوں کے سموں کی پامالیاں اور تمھارے جنگی بوٹوں کی ٹھوکریں نصیب ہوئی ہیں۔

یہ تمھارے تمام خبائث شیطانی دنیا کے لئے تہذیب و تمدن کی رحمت اور امن و صلح کی برکت ہیں۔ لیکن اس کے مقابلے میں آٹھ سو اٹائیس قیدی (عزیزیہ اور طبروق) کے صحرائی قبائل کی قید میں دن میں پانچ مرتبہ اُس غذا سے بہتر غذا

کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

جس قدر مقامی کوششیں آج عمل میں آ رہی ہیں خواہ وہ مصر میں ہوں یا ترکی میں، الجزائر میں ہوں یا اس تیرہ زار ہند میں۔ میرے عقیدہ میں یہ سب کچھ ابن شیطان کا ایک عمل السحر ہے۔ جو اس لئے سلاتا ہے کہ سونے والوں کا اٹھنا اسے پسند نہیں۔ میں نے کہا کہ ہم میں سچا۔ پان اسلام ازم یا بالفاظ اصلی رشتۂ خوت دینی باقی نہیں رہا اور کیونکر باقی رہے جب کہ ہندوستان میں ایسے عظیم الشان شغال ہمارے لئے موجود ہیں جو نفس اسلام کے بقا سے بھی زیادہ اہم ہیں۔ ان کو چھوڑ کر ہم غریب ترکوں یا ایرانیوں کی کیونکر جنریں؟ سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ہمیں، علی گڑھ میں ایک یونیورسٹی بنانی ہے۔ اس کے لئے تیس لاکھ روپیہ جمع کرنا ہے۔ یہ مانا کہ دنیا کی کوئی سرزمین ہے جہاں خود اسلام کے بقاو فنا کا سوال درپیش ہے۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ "مسلم یونیورسٹی" ہمارے قومی مقاصد کا اصلی نصب العین ہے علی گڑھ کے شب زندہ داران عبادت کی چہل سالہ تہجد گزاری کی مراد آرزو، اور ہمارے رہنمائے اول کی دی ہوئی شریعت تعلیم کا یوم تکمیل ہے۔ جس دن یونیورسٹی بن جائے گی اس دن اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا کی وحی اسٹریچی ہال کی چھت پر نازل ہوگی۔ ترکوں کی ہمدردی اور ایرانیوں کی مصیبت پر ادائے فریضۂ تشکر کے بعد ایک ریزولیشن پاس کر دیا جائے گا مگر اس افسوس پر ملامت نہ کیجئے کہ کمبخت طرابلس کے جھگڑے سے یونیورسٹی کے چندے میں فرق آگیا!!

اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا کَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ط

اے عزیزان ملت! قوموں اور ملکوں کی زندگی کا نہیں بلکہ اسلام کی زندگی کا سوال ہے۔ فرض کیجئے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی قوت کے تمام منصوبے پورے کیلئے اور ان کا ہر فرد تعلیم اور دولت کا ایک مرتب

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

(ایک دین الٰہی کی رسی سب مل کر پکڑ لو اور آپس میں متفرق نہ ہو)۔

اگر پان اسلام ازم کا اصلی وجود ہوتا تو کیا ممکن تھا کہ ہمارے سامنے ایران پر قیامت گزر جاتی۔ مراکش کا خاتمہ ہو جاتا۔ طرابلس میں مسلمانوں کی لاشیں تڑپتیں اور ہمارے قلوب میں کوئی حقیقی حرکت پیدا نہ ہوتی۔ روضہ مبارک حضرت امام رضا علیہ السلام کی دیواریں ملاعنہ روسیہ کی گولہ باری سے گر گئیں۔ برقہ کی مسجدوں کے میناروں پر اٹلی کے مشرکین صلیب پرست چڑھ گئے تاکہ عین اس مقام پر جہاں خدائے واحد کی تقدیس و تسبیح کی صدائیں بلند کی جاتی ہیں رومن کیتھولک بت پرستی کا علم نصب کریں۔ لیکن مجھ کو بتلاؤ کہ کتنے ہندوستان میں مسلمان ہیں جن کے دلوں میں زخم اور کتنے ہیں جن کے جگر میں ٹیس اٹھی؟

کم من ھذا یذوب القلب من کمد

ان کان فی قلب الاسلام و ایمان

سچ یہ ہے کہ ہم اپنے اصلی پان اسلام ازم کو کھو چکے ہیں۔ اور یہی علت اسلام کے اصلی ضعف اور انحطاط کی ہے مگر چونکہ اس کا بیج اب بھی ہم میں موجود ہے گو برگ و بار نہیں اس لئے یورپ چاہتا ہے کہ اس طرح کے انتشارات سے سہما اور ڈرا کر ہم کو آئندہ کی ہوشیاری اور بیداری سے بھی باز رکھے اور رہی سہی قوت کا بھی نشوونما سے پہلے خاتمہ کر دے۔"

مسئلہ مسلم یونیورسٹی اور مسئلہ بقائے اسلام

اے حضرات! یاد رکھئے آج اسلام کے لئے مسلمانوں کے لئے کوئی وطنی اور مقامی تحریک سود مند نہیں ہو سکتی اور اس کشتی کے تیرنے کے لئے اصلی نہ کہ یورپ کے اختراعی پان اسلام ازم کے سوا اور کوئی بادبان نہیں ہے۔ ایک قوم جو بیابان عرب سے دیوار چین تک آباد ہے اس کو زمین کے کسی خاص ٹکڑے کا تغیر

اور مظلوم کے ہاتھ میں اس کی حفاظت کی ایک ہی ڈھال ہے۔
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ۔
اور ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی کھلی نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کو کتاب اور میزان دی تاکہ لوگ عدل بالقسط و انزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس اور انصاف پر قائم ہوں اور نیز لوہا پیدا کیا جو ہتھیاروں کی صورت میں سخت خطرناک بھی ہے اور نفع رساں بھی۔"

اسلام کی پولیٹکل طاقت کا مرکز وحید

مسلمان یاد رکھیں کہ آج صرف ایک ہی تلوار ہے جو دینِ الٰہی کی حمایت میں بلند ہو سکتی ہے اور وہ آلِ عثمان کی مقدس شمشیرِ خلافت ہے۔ یہ اسلام کے گزشتہ قافلہ جہا بانی کا آخری نقشِ قدم اور ہمارے آفتابِ اقبال کی آخری شعاعِ امید ہے یہی سبب ہے کہ ہمارا ترکوں سے رشتہ محض اخوتِ دینی ہی نہیں ہے بلکہ اس سے بھی مقدم تر رشتہ خلافتِ اسلامیہ کے دینی احترام کا ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ کوئی قوم بغیر کسی سیاسی مرکز کے زندہ نہیں رہ سکتی اور اسلام کا کوئی مرکز سیاسی اگر ہے تو صرف خلافتِ آلِ عثمان ہے۔ ہر مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں ہو اگر اس کا فرض دینی ہے کہ اسلام کی بقا کا خواستگار ہو۔ تو یہ بھی فرض دینی ہے کہ خلافت آلِ عثمان کے تعلق کو ایک خالص دینی رشتہ کی طرح اپنے دل میں محفوظ رکھے اور دنیا کی جو حکومت اس کی دشمن ہو اس کو اسلام کا دشمن اور جو اس کی دوست ہو، اس کو اسلام کا دوست یقین کرے۔ کیونکہ مسلمانوں کی دوستی اور دشمنی انسانی اغراض کے لئے نہیں بلکہ صرف دینِ الٰہی کے لئے ہے۔

مسلمانانِ ہند کی نسبت بار بار سیاسی حلقوں میں یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ وہ دنیا کے کسی اسلامی حصہ کے واقعات سے اس درجہ متاثر نہیں ہوتے جس قدر ترکی

طلائی بت بن گیا۔ لیکن اگر سرے سے خود اسلام کی سیاسی طاقت پر چھری چل گئی تو پھر علی گڑھ میں یونیورسٹی ہی نہیں بلکہ چاندی اور سونے کی بہشت شداد بھی بن جائے۔ مگر اس کے حور و غلماں کس کا نذرانہ کا ہیں گے؟

السیف صدق ابناء من الکتب

اے اخوانِ عزیز! یاد رکھئے کہ دنیا میں امن صلح اور ترکِ قتل و غارت کا تصور کتنا ہی خوش نما ہو۔ مگر دنیا کی بدقسمتی سے اب تک اصلی قوت تلوار کی قوت اور زندگی کا سرچشمہ آبِ حیات خون کی ندیوں اور فواروں ہی میں ہے۔ دنیا پر اب تک کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا ہے کہ تلواروں کی صداقت ضعیف ہوئی ہو اور امید نہیں کہ آئندہ بھی ایسا زمانہ نصیب ہو۔ غریب اخلاق نے ہمیشہ اپنے تنگنائے بے کسی میں چھپ کر کسی ایسی دنیا کی منتیں مانی ہیں۔ جب کہ تمام کائنات انسانوں کی ملائکہ معصومین کی بہشت زار بن جائے گی اور قتل و خوں ریزی کو لوگ اسی طرح بھول جائیں گے جس طرح موجودہ عالم نے امن اور صلح کو فراموش کر دیا ہے۔ اس آرزو کے حسن و جمال پر کون دل ہے جو فریفتہ نہیں ہوگا لیکن کیا کیجئے کہ دنیا امید اور آرزو کی نہیں بلکہ حقائق و نتائج کی جگہ ہے اور انسان جب تک فرشتہ نہیں بلکہ انسان ہے اس وقت تک ایسی امیدوں کا اخلاق کے صفحوں سے باہر پتہ لگنا ممکن نہیں۔ آج اگر پوچھا جائے کہ قوموں کی زندگی اور زندگی کے مظاہر کہاں تلاش کئے جائیں تو اس کا جواب علم و فن کی بڑی بڑی درس گاہوں اور علوم الاولین والآخرین کے کتب خانوں سے نہیں ملے گا۔ بلکہ ان آہن پوش جہازوں کے مہیب طول و عرض سے جن کی قطاریں ساحل کے طول میں پھیلی ہوئی اور جن کے روزنوں سے آہن پوش توپوں کے دہانے نکلے ہوئے ہیں۔

پس حضرات وہ ہاتھ نہایت مقدس ہے جس میں صلح کا سفید جھنڈا لہرا رہا ہو۔ مگر زندہ وہی رہ سکتا ہے جس میں خوں چکاں تلوار کا قبضہ ہو۔ یہی اقوام کی زندگی کا منبع، قیام عدل و میزان کا وسیلہ۔ انسانی سعیت و زندگی کا بچاؤ

823

ہوئے احکام و فرمان کو اپنی کتاب و سنت یقین کرتے ہیں اور جن کے قلوب، اصابع الرحمٰن کی جگہ اصابع الشیطان میں ہیں (یُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ) غرضکہ اَلَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ، وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا، اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ط

تو اے حضرات! اس قوم کے عقیدہ میں، پانِ اسلام ازم، یا اسلام کا بین الملی اتحاد، ایک کفرِ صریح ہے۔ خلافت اسلامی کوئی شے نہیں۔ مسلمانانِ ہند کو ترکوں سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کو اپنی خلافت راشدہ کے سوا اور کسی طرف گوشۂ چشم سے بھی نہیں دیکھنا چاہیئے۔ اگر ایسا کریں تو فرض اطاعت اولی الامر کی خلاف ورزی کے مجرم۔ ترکی فتح پر تبریک و تہنیت کا تار دینا داخلِ حنیف الحوکتی، اور بغیر ان کے معبودانِ کومنین کی اجازت تطوعاً حرام و معصیت! یہ لوگ یورپ کے ان شیاطین سیاست کے ہاتھ میں جو خلافت اسلامیہ کے بین الملی اثر کے مٹانے کے لئے تیس برس سے اپنا منش پھیلا رہے ہیں۔ ایک آلۂ عمل رہے ہیں اور ہمیشہ دنیا کو اس کا یقین دلایا ہے کہ مسلمانانِ ہند کو خلافت اسلامی اور ترکوں کے بقا و فنا سے کوئی تعلق نہیں۔

حالانکہ جس وقت اپنے معبودانِ باطل کے آگے ان لوگوں کی زبان اور قلم سے یہ جملے نکل رہے تھے۔ یقین کیجئے کہ اس وقت اللہ اور ملائکہ کی لعنت اور پھٹکار ان پر نازل ہو رہی تھی۔ کیونکہ اس طرح بے تعلقی ظاہر کر کے یہ اس رشتے کو کاٹ رہے تھے۔ جس کو خدائے ابراہیم و محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام دنیا کے مسلمانوں میں قائم کر دیا ہے۔ اور گویا اس پر اپنی رضا و مسرت ظاہر کرتے تھے کہ وہ لاکھوں مسلمان جو اس آخری وقت میں کلمۂ توحید کی حفاظت کر رہے ہیں۔ صلیب پرستوں کی تلواروں سے فنا کر دیئے جائیں۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے تھے۔ کیونکہ مسلمانوں کی اذیت پر خوش تھے۔ اور مسلمانوں کی اذیت پر خوش ہونا نہیں اللہ اور اس کے رسول کی اذیت پر خوش ہونا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

کے حوادث و حالات سے۔ اگر محض رشتۂ اخوت و اشتراک مذہب ہی اس اثر پذیری کی علت ہے تو اس میں ترکوں کی خصوصیت کیا ہے؟ بہت سے لوگ ہیں جو اس واقعی ضروری سوال کے جواب میں یا تو نفاق سے کام لینا چاہتے ہیں یا کفر سے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے لئے بہتر راہ اسلام کی ہے۔ مسلمانوں کو بغیر ادنےٰ تامل کے صاف صاف اس سچے سوال کا سچا جواب دینا چاہیئے۔

تمام دنیا کے مسلمانوں سے ہمارا صرف ایک ہی رشتہ ہے، دینی اخوت اور پانِ اسلام ازم کا مگر ترکوں سے ہمارے دو رشتے ہیں۔ پہلا اخوت دینی کا کہ وہ بھی مسلمان ہیں اس لئے خدا نے ہم کو ہمیشہ کے لئے اُن کے رنج و راحت کا شریک بنا دیا ہے۔ دوسرا اس سے بھی قوی تر رشتہ خلافت دینی اور اسلام کے آخری سیاسی مرکز ہونے کا کہ آج کلمۂ اسلام کی حفاظت کی آخری تلوار صرف ان کے ہاتھ میں ہے۔ اگر کسی اور حصّہ سے اسلام کی حکومت مٹتی ہے تو ہم سوچتے ہیں کہ ہمارا ایک عضو کٹ گیا۔ لیکن ترکوں پر جب کوئی آفت لائی جاتی ہے تو تڑپ جاتے ہیں کہ ہمارا دل دو نیم ہو گیا۔ جب ترکوں کے لئے مضطرب ہوتے ہیں تو ہمارا اضطراب مسلمانوں کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اسلام کے لئے ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ قَيْسًا هَلَكَهُ هَلَكَ وَاحِدًا وَلٰكِنَّهُ بُنْيَانَ قَوْمًا تَهَدَّمَا۔

حضرات! وہ قوم جس کا ظہور تیرہ سو برس ہوئے کہ مکہ نامی ایک جزیرہ نما سے ہوا تھا اور جو مسلم کے لقب سے پکاری جاتی ہے۔ اس کا عقیدہ تو یہی ہے جس کو میں نے بیان کیا۔ لیکن بدبختی سے ایک دوسری قوم بھی ہم میں موجود ہے جو اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی دنیوی عزت و شوکت کا جوا کھیلا ہے۔ اور اس کے لئے ملّتِ مظلومہ کو ایک بازیچہ بنا لیا ہے۔ ہوائے نفس جن کا آلہ ہے۔ حکام و امرا جن کے معبود ہیں۔ درہم و دینار جن کا قبلہ ہے۔ غلامی و تعبد جن کی شریعت ہے۔ جو قریش مکہ کے صامت و ساکن بتوں کی جگہ سمندر پار سے آئے ہوئے متحرک بتوں کو پوجتے ہیں۔ جو وحیٔ الٰہی کی جگہ سمائے شملہ سے اُترے

پر آجائیں گے جب کہ یا تو دلوں کی سیاہی سے ان کی پیشانیاں بھی تاریک ہو جائیں یا ان کے ایمان کی روشنی ان کی پیشانی پر چمکنے لگے گی۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

وہ دن جب کہ یا تو چہرے چمک اٹھیں گے یا سیاہ پڑ جائیں گے، وہ وہ لوگ ہونگے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد انکار کیا اور ان کے لئے وہی عذاب ہوگا جس سے وہ انکار کیا کرتے تھے۔ اور جن لوگوں کے چہرے چمکنے لگیں گے ان کے لئے اللہ کی رحمت کا آشیانہ ہوگا جس میں ہمیشہ کے لئے ان کو جگہ مل جائے گی۔

یاد رکھئے کہ خدا تعالیٰ اپنے کلمۂ توحید کی حفاظت کے لئے ہم مسلمانوں کی اعانت کا محتاج نہیں ہے بلکہ ہم اس کے فضل کے محتاج ہیں۔ اس تیرہ سو برس کے اندر اسلام میں کتنی قومیں آئیں اور اپنی اپنی باری سے اسلام کی حفاظت کا فرض ادا کر گئیں اگر اس آخری آزمائش میں بھی ہم پورے نہ اُترے تو کیا عجب ہے کہ قدرتِ الٰہی اپنے دینِ مبین کی حفاظت کے لئے دوسروں کو چن لے اور ہم کو اسی طرح اپنے دروازے سے مطرود و مردود کر دے جس طرح ہم سے پہلے بہت سی قومیں ہو چکی ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۝

اے لوگو! تم اللہ کے دروازہ کے فقیر و سائل ہو۔ اللہ تو تمہاری مدد سے بے نیاز ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سے اپنا رشتہ کاٹ لے اور ایک دوسری مخلوق کو پیدا کر دے اور اس کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں ہے۔

اللہ کے عجائب کارو بار قدرت کے یہ تماشے پہلے ہی دن سے ہیں کیا نہیں دیکھتے کہ اس نے مکہ کی سرزمین کو محبوب ہونے کا شرف عطا فرمایا اور قریش مکہ کو اپنے نورِ رسالت کا حامل بنایا۔ لیکن جب انہوں نے اس احسانِ الٰہی کی قدر نہ کی۔

وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں دنیا اور آخرت میں اللہ نے ان پر لعنت کی اور ان کے لئے ایک ذلت بخش عذاب تیار کیا گیا ہے۔

اب زمانے نے پلٹا کھایا ہے۔ زمین اور آسمان دونوں طرف سے تازیانہ ہائے عذاب ان پر پڑ رہے ہیں۔ اس لئے گو دل نہ پلے ہوں مگر زبانیں کچھ کچھ ہلنے لگی ہیں۔ اب ترکوں سے اس قدر بے مہری ظاہر نہیں کی جاتی۔ خلافتِ اسلامیہ کا نام آتے ہی اس سے انکار و تبری کے تار پاتیر میں نہیں بھیجے جاتے۔ مدت سے کوئی پمفلٹ بھی مسئلہ خلافت پر شائع نہیں کیا گیا ہے، ریزولیشن کے پاس کرنے سے بھی چنداں انکار نہیں ہے۔ بعض اصحاب کی تو بظاہر اس وجہ قلب ماہیت ہو گئی ہے کہ علانیہ ترک مجروحین کے لئے چندے میں بھی شرکت کر رہے ہیں۔ تاہم ہم کو معلوم ہے کہ اس انقلاب کی اصلی علت کیا ہے۔ اور اُن کے ظاہر و باطن میں باہم کیا ربط ہے

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ط

یہ منافق جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں لیکن اپنے شیطانوں کے پاس تنہائی میں جاتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ دل سے تو ہم تمہارے ہی ساتھ ہیں۔ ظاہری کارروائیاں جس قدر ہماری ہیں وہ ایک تمسخر و دل لگی سے زیادہ نہیں۔ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ط

اے اخوانِ ملت! آج وہ وقت آگیا ہے کہ دلوں پر سے پردے اُٹھ جائیں اور کفر و ایمان میں تمیز ہو جائے۔ یقین کیجئے کہ یہ ایک سب سے بڑی اور شاید آخری ابتلائے عظیم ہے۔ جو صرف اس لئے ہے کہ اللہ مدعیانِ ایمان کو آزمانا چاہتا ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ مِنْكُمْ ط اور اللہ تم کو آزمائے گا۔ یہاں تک کہ سچے مجاہد اور صابر، جھوٹوں سے الگ ہو جائیں آج وہ دن آگیا ہے جب مسلمانوں کے دل پہلوؤں کی جگہ ان کے چہروں

یا دشمنوں کی تیغ کے سپرد کرے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے حکم الٰہی کے آگے سر جھکا دیا اور حضرت اسمٰعیل کی گردن قربان ہونے کے لئے مستعد ہو گئی تو اس وقت فرمایا۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ط

تب جب وہ دونوں مسلم ہوئے اور ابراہیم نے اسمٰعیل کو پیشانی کے بل زمین پر گرا دیا۔ تاکہ ذبح کرے تو ہم نے پکارا کہ اے ابراہیم (بس کرو) تم نے اپنا خواب پورا کر دکھایا۔

تو غیرتِ الٰہی نے کہا کہ وہ اپنے کاموں کی تکمیل کے لئے کچھ سرزمین مکہ ہی کا محتاج نہیں ہے۔ دینِ حق کی اعانت کے لئے مدینہ والوں کو بھیج دیا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ ط

اے مسلمانو! اگر تم میں سے کوئی دینِ الٰہی سے منہ موڑے گا تو اللہ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ وہ ایسے لوگوں کو موجود کرے گا۔ جن کو وہ دوست رکھے گا۔ اور وہ اس کو دوست رکھیں گے۔

الی الجہاد فی سبیل اللہ

اے اخوانِ عزیز! میں جس چیز کے اعلان سے نہیں ڈرتا تعجب ہے اگر آپ اس کی سماعت سے خوفزدہ ہوں، میں کہتا ہوں کہ ہر اس مومن پر جو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب پر ایمان رکھتا ہے۔ فرض ہے کہ آج جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اٹھ کھڑا ہو، سب سے پہلا جہاد اس کے لئے جہادِ مال ہے اور اس کے بعد اگر ضرورت ہو تو جہادِ نفس و جان۔ مال و متاع کو بھیجدو اور اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر تیار رکھو۔ آج اگر ضرورت پیش نہ آئی تو کیا مضائقہ ہے کل کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔ یہ متاع ایسی نہیں جس کی قربانی بیکار جائے۔

بطاعت کوش گر عشقِ بلا انگیز می خواہی　　متاعے جمع کن شاید کہ غارت گر شود پیدا

مسلمانو! یاد رکھو کہ اوروں کی جانیں ان کے قبضوں میں ہوں گی مگر ہم مسلمانوں کی جانیں ہمارے اختیار میں نہیں ہیں۔ اسلام ایک خرید و فروخت ہے جو ناقص کو لیتا ہے اور کامل کو دیتا ہے۔ فنا کو خریدتا ہے اور بقا اس کی قیمت میں دیتا ہے۔ ہم نے جس وقت اقرار کیا کہ ہم مسلم ہیں۔ اُسی دن اس کا بھی اقرار کر لیا کہ ہماری جانیں اسلام کے ہاتھ بک گئیں۔ اسلام کے معنی ہی یہ ہیں کہ خدائے واحد کے آگے اپنی گردن کو جھکا دینا۔ پھر خواہ وہ اسے دوستوں کی گود میں ڈال دے

یہی کہ اس شہر کی تاریخ ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ان تمام بیانات کی کہ جو انسان کی گویائی کر سکتی ہے، کچھ ضرورت نہ تھی۔ آپ سمجھتے ہیں کہ اس دنیا میں جس طرح خدا کی سچائی کے مختلف بھیس ہیں۔ خدا کی سچائی کے لئے مختلف نقاب ہیں۔ اگرچہ بھیس مختلف ہوتے ہیں لیکن صورت مختلف نہیں ہوتی۔ اسی طرح سچائی کی بھی مختلف زبانیں ہیں اور سچائی ہمیشہ اُن مختلف زبانوں سے اپنی فصاحت و بلاغت کے کانوں تک پہنچاتی ہے۔

میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ سچائی کی زبان ایک تو وہ ہے کہ جس کا تعلق ہماری آپ کی خدا کی دی ہوئی گویائی ہے، جو زبان سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ آواز جو حلق سے نکلتی ہے اور جس کے لئے زبان کو گویائی اور تکلم کی ضرورت ہے۔ لیکن اس دنیا میں ایک دوسری خاموش بلاغت اور گویائی بھی ہے وہ گویائی کہ جس کے لئے کانوں کی ضرورت نہیں ہے کہ جو کان سنیں۔ بلکہ جس گویائی کو آنکھوں کی ضرورت ہے تاکہ وہ آنکھیں اس کا مطالعہ کریں۔

میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ حقیقتاً یہ اُس اٹھارہ مہینے کے گزرنے کے بعد ہو آپ کی اس تحریک کے بعد گزر چکے ہیں۔ اگر ایک ایسی مجلس میں جو میرے چاروں طرف فراہم ہے، اس امر کی ضرورت ہے کہ اس کے آگے ماتم اور فریاد کی جائے۔ سخاوتوں کا ہاتھ پھیلایا جائے۔ تمام حقائق و معارف کا دفتر کھولا جائے تو میرے عزیز و خاص کر وہ جو شہر آگرہ کے باشندے ہیں، اگر اب بھی ان کو ضرورت ہے خطبہ کی، تقریروں کی تو وہ ان تقریروں کے لئے میری گویائی کا انتظار نہ کریں۔

آیئے ہم اور آپ چشم تصور سے کام لیں۔ اور چند منٹوں کے لئے اس جمنا کے کنارے پہنچیں۔ جس کو آج ہی میں نے علی گڑھ سے آتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے اس جمنا میں اتنا پانی بھی نہ پایا جتنا خون ان پانچ سالوں میں مسلمانوں کا بہہ چکا ہے۔ اگر آپ وہاں میری ہمراہی کریں گے تو میں آپ کے لئے ایک بہترین آواز کی زبان کو، ایک بہترین دفتر عبرت کو وہاں مہیا پاتا ہوں۔ وہاں زبان نہیں ہے

خطبۂ صدارت

مجلس خلافت آگرہ

۲۵ر اکتوبر ۱۹۲۱ء

حضرات! آپ کے صوبہ کی غالباً یہ تیسری مجلسِ خلافت ہے جس کی صدارت کی خدمت کے لئے آپ نے ازراہِ لطف و نوازش مجھ کو منتخب فرمایا ہے۔ میں اس لطف و عنایت کے لئے آپ تمام بزرگوں و عزیزوں کا تہِ دل سے شکرگزار ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ اس خدمت کے انجام دینے میں آپ تمام عزیزوں کی مساعدت میری مدد کرے گی اور اللہ تعالےٰ توفیق دے گا کہ اس کو بہتر امیدوں کے ساتھ ختم کروں۔

اس مجلس کا افتتاح کرتے ہوئے جن بیانات کی ضرورت تھی میں سمجھتا ہوں کہ وہ کئی مرتبہ بیان میں آچکے ہیں۔ بار بار ان کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ بار بار مجلسوں میں وہ پیش ہو چکے ہیں۔ زبانوں پر بھی بار بار ان کا اعادہ ہو چکا ہے۔ قلم نے بھی بار بار ان کی تکرار کی ہے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ان مسائل کی نسبت اس وقت اور زیادہ تفصیل سے کام لینا بالکل غیر ضروری ہے۔

لیکن اگر اس امر کی ضرورت ہوئی کہ میں وقت کے مسئلوں کی نسبت، تحریکِ خلافت کی نسبت، آزادیٔ ہند کی تحریک کی نسبت آپ کی خدمت میں گزارشات کا کرنا ضروری محسوس کرتا جب بھی میں ایک ایسے شہر میں جیسا کہ یہ شہر ہے اور

اس بارے میں آپ کے صوبے کو علاوہ تاریخی خصوصیت کے اور خصوصیت بھی حاصل ہے۔ وہ یہ ہے اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو آپ ہی کا یہ صوبہ ہے جس کی کانفرنس میں سب سے پہلے اس عملِ عظیم کا اعلان کیا گیا ہے جس کو آپ نان کوآپریشن کے نام سے سُن چکے ہیں۔ میرٹھ میں جو خلافت کا جلسہ ہوا اس میں مہاتما گاندھی بھی شریک تھے۔ اس میرٹھ کے جلسہ میں سب سے پہلے ترکِ موالات کو خلافت کمیٹی کی جانب سے بطور ایک عمل دفاع کے اور ایک عمل اجتماع کے اعلان کیا گیا۔ آپ ہی کا صوبہ ہے کہ جس میں سب سے پہلے ہم نے اس سفر کے کوچ کا اعلان کیا۔ اٹھارہ مہینے گزر چکے۔ اٹھارہ مہینے کی مایوسیاں، کامیابیاں یہ سب گزر چکیں اب ہمارا اولین فرض یہ ہے کہ ہم اپنے سفر کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک نظر ڈالیں کہ ہم نے اب تک کتنا سفر طے کیا ہے۔ عجب نہیں کہ ہمارے سفر کے متعلق بہت سی کمزوریاں، شکوک، شبہات جو ہم میں سے بعض کے دلوں کے لئے موجب خلش ہوا کرتے ہیں۔ دور ہو جائیں۔ عجب نہیں کہ نظر ڈالنے کے بعد خود بخود ان کا ازالہ ہو جائے۔

اس پر نظر ڈالتے ہوئے سب سے پہلے آپ کو یہ حقیقت اپنے سامنے لانی چاہیئے کہ اس سفر سے آپ کا مقصد کیا تھا اور سعی و قربانی کا جو میدان آپ کے سامنے پیش آیا تھا کیا تھا؟ اس میں ایک بڑی عالمگیر غلطی ہے۔ یہ میں نے اس لئے کہا ہے کہ وہ محض چند قوموں سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ نوعِ انسان کی غلطی ہے۔ انسان جب کسی کام کے لئے قدم اٹھاتا ہے تو وہ اس میدان کو ڈھونڈتا ہے جو اس کے وجود سے باہر ہو اور جو سب سے پہلا میدان اس کے سامنے ہے اس کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ ہم متعین کریں کہ مقصدِ خلافت کے لئے مدافعت کا جو میدان تھا وہ کون سا تھا۔ کیا وہ میدان وہ تھا جو ہندوستان کے رقبہ سے باہر ہے۔ یا اس کے علاوہ دوسرا میدان بھی تھا۔ اس بارے میں فی الحقیقت دو میدان تھے جو آپ کو پیش آئے تھے۔ پہلا میدان جو آپ کی

وہاں ایک مجسمۂ فصاحت موجود ہے، وہاں ایک مجسمہ خطابت موجود ہے۔ وہ جملہ عمارات موجود ہیں جو ہندوستان کی گزشتہ عظمت پر ماتم کر رہی ہیں۔ وہاں شاہجہاں کا مدفن اور آرام گاہ موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر کبھی کوئی زبان ہو سکتی ہے کہ جو زبان تمہارے کانوں کو مخاطب کر سکتی ہو۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس آبادی میں، اس تہذیب کے مدفن اور اس عالم کے قربان گاہ میں میں کونسی چیز پیش کروں۔ اس زمین کے ایک ایک چپہ کی خاموشی میں آواز موجود ہے۔ اس کے ایک ایک ٹوٹے ہوئے کھنڈر میں۔ اس ٹوٹی ہوئی اینٹوں میں جن کا غبار ہوا میں اڑ رہا ہے۔ نصیحت موجود ہے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر میرا فرض ایک خطیب کا فرض نہیں ہے۔ ایک مقرر کا فرض نہیں ہے۔ البتہ میرا فرض ایک فریادی اور ماتمی کا فرض ہے جو آپ کے آگے اس لئے نہیں آیا ہے کہ آپ کو کچھ سنائے بلکہ ماتم کرے۔ اور آپ سے امید کرے کہ اگر آپ کی زندگی کے چند لمحے۔ آپ کے محالاتِ دنیا اجازت دیں تو آپ بھی اس کے ماتم میں شریک ہوں۔

اٹھارہ مہینے کا زمانہ گزر چکا ہے، ہم نے اس سفر کا اعلان کیا۔ اس اٹھارہ مہینے کے اندر تحریکِ خلافت کی کتنی منزلیں ہیں جو ہمارے سامنے آئیں۔ اور ہم طے کر چکے ہیں۔ میں اس وقت مسئلۂ خلافت پر، مقاماتِ مقدسہ پر، ہندوستان کی آزادی پر (جو مسلمانوں کے لئے ویسا ہی فرض شرعی ہے جیسے تحفظِ خلافت) مناسب نہیں سمجھتا کہ آپ کے سامنے اور کچھ عرض کروں۔ اس کے لئے آپ کے پاس خاموش گویائی موجود ہے کہ جو آپ کے دلوں کو متنبہ کر سکتی ہے۔ اس وقت اس جلسہ کا افتتاح کرتے ہوئے سب سے پہلے جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ احتساب کی نظر ڈالیں اور اس کا اندازہ کریں کہ ان اٹھارہ مہینوں کے اندر جو سفر درپیش آیا تھا ان میں سے ہم نے کونسی منزلیں طے کیں اور آگے کونسی منزلیں باقی ہیں۔

پختگی کے لئے اس امر کی ضرورت تھی کہ یہ تحریک کسی خاص جماعت کی تحریک نہ ہو بلکہ یہ اس ملک کے لئے ملکی تحریک ہو جائے۔ یہ دوسری منزل تھی جو تحریک خلافت کو پیش آئی، ضرورت تھی کہ یہ تحریک صرف سات کروڑ لوں کو گھر نہ بنائے۔ بلکہ تیس کروڑ لوں کو اپنا گھر بنائے۔ یہ ہندو بھائی ہمارے کندھے سے کندھا جوڑ کر کھڑے ہو جائیں اور ان کی ہمدردی بھی اس تحریک میں شامل ہو جائے۔ اس لئے نہیں کہ فی الحقیقت مسلمانوں کے مطالبات کی کامیابی اس چیز پر موقوف تھی کہ ہم اپنے بھائیوں کو اس مدد کی زحمت دیتے۔ بلکہ ہم میں سے ہر شخص جس کے دل میں ایمان موجود ہے اس کو یقین ہونا چاہیئے کہ اس دنیا میں کسی مقصد کی کامیابی محض انسانوں کی تعداد پر موقوف نہیں ہے بلکہ ہر تحریک کی کامیابی ایمان اور عمل کی طاقت پر موقوف ہے۔

اس سے پہلے بار بار میں اعلان کر چکا ہوں اور آج بھی اعلان کرتا ہوں کہ در حقیقت اس مقصد کی کامیابی کے لئے ہندوستان کے کسی رقبہ میں کسی ایک بھائی کو ہم اس امر کی زحمت دینے کے لئے مجبور نہ تھے کہ وہ ہم کو مدد دیتا۔ اگر مسلمان کامیابی حاصل کر سکتے تھے تو اللہ پر اعتماد کر کے۔ اللہ کی نصرت پر، اپنے ایمان پر اعتماد کر کے لیکن بلاشبہ جب کہ مسئلہ کی صورت کا یہ حال تھا تو اس کے ساتھ ہی اس امر کی ضرورت نہ تھی کہ تحریک خلافت کے ضمن میں خود ہندوستان کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا تھا جس وقت تک ملک میں کوئی عام تحریک پیدا نہ ہوتی۔ اور فی الحقیقت تحریک خلافت کی کامیابی میں ایک خوبی یہ ہے کہ اس نے ایسے طاقتور ہنگامے کے ساتھ کل ہندوستان کے مسئلہ کو زندہ کر دیا۔ کہ جو چالیس سال کی کوشش سے ہندوستان کو نہ ملا تھا۔

اس کامیابی کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں صرف تحریک خلافت ہی موجود نہیں ہے بلکہ ہندوستان کا مسئلہ پوری طاقت کے ساتھ زندہ ہو گیا ہے۔ اس مسئلہ کی کامیابی کے لئے اس امر کی ضرورت تھی کہ یہ تحریک صرف سات کروڑ کی تحریک نہ ہوتی بلکہ اس کے ضمن میں عام ہندوستان کی سوئی ہوئی قسمت جاگ اٹھتی اور عام

کامیابی کے لئے اولین قیام گاہ تھا وہ میدان ہندوستان سے باہر کا میدان نہ تھا۔ وہ عراق، شام۔ ایشیائے کوچک اور سمرنا کا میدان نہ تھا۔ جہاں مسلمانوں کا خون بہ چکا تھا۔ وہ میدان آپ کے ایمان کا۔ عزم کا۔ عمل کا تھا۔ اور ان تمام لفظوں کی جگہ ایک لفظ بول دوں۔ وہ میدان آپ کے ملک کا تھا اور آپ کے ملک کی فتح و شکست کا تھا۔ جب تک آپ اسے فتح نہ کرتے۔ دنیا کی کامیابی آپ کا استقبال نہ کر سکتی۔ آپ کی کامیابی اس پر موقوف تھی کہ سب سے پہلے آپ اپنے میدان کو استوار کرتے۔ اپنے پہلے میدان کا ہتھیار اور ساز و سامان سنوارا ہوتا۔ جب تک اسے فتح نہ کرتے دوسرے میدان میں قدم نہ رکھ سکتے تحریک خلافت کے لئے سب سے پہلے خود ہندوستان کا میدان تھا۔ خود مسلمانوں کا میدان تھا۔ ہندوستان میں بسنے والی قوموں کا میدان تھا۔ سب سے پہلی منزل جو آپ کو پیش آئی وہ تھی جس میں آپ کی تحریک محض اپنی زندگی کی ابتدائی گھڑیاں کاٹ رہی تھی۔ جس وقت بے چارگی کا یہ حال تھا کہ ہزاروں زبانیں موجود تھیں جن پر خلافت کا نعرہ تھا لیکن کوئی متفقہ میدان عمل آپ کے سامنے نہ تھا۔ مجالس کے مقصد سے یہ معاملہ آگے نہیں گزرا تھا۔ وہ ابتدائی گھڑیاں آج تحریک خلافت پر گزر چکی ہیں۔ اس سے زیادہ اور کوئی قوت اس کو حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا۔ ہم کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم و توفیق فرمائی کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ باوجود ہماری درماندگی اور ہمارے ترک عمل کے اللہ کے فضل و رحمت نے اپنا دروازہ کھول دیا۔ اور ہم کو کامیابی عطا کی اور نتیجہ یہ نکلا کہ چند مہینوں کے اندر اور بہت سے میدانوں کو فتح کر لیا۔ جب دنیا کی آنکھ کھلی تو اس نے محسوس کیا کہ یہ کسی محدود جماعت کی تحریک نہیں ہے بلکہ ہندوستان کا متفقہ مسئلہ ہے۔ یہ پہلا میدان تھا جو تحریک خلافت کو پیش آیا۔ اور اس کی کامیابی کے ساتھ اس تحریک نے فتح کیا۔

اس کے بعد دوسری منزل ہے جو اس تحریک کو پیش آئی۔ اس تحریک کی

کی بدولت ہی ہمارے سامنے نہیں آیا ہے۔ بلکہ ہندوستان میں ایسے لوگ موجود تھے کہ تحریک خلافت کی بنا پر نہیں بلکہ چونکہ انہوں نے اپنی ہدایت کے لئے، اپنی ہر فکر اور ہر کام کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہدایت کا اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا، اس لئے اسلام کے اصولوں نے، اسلام کی تعلیم نے ان کو مجبور کیا تھا کہ اس کا ہندوستان میں اعلان کریں۔ تحریک خلافت سے تقریباً دس سال پہلے میں نے اس حقیقت کو محسوس کیا کہ اگر ہندوستان کے مسلمان اپنے بہترین شرعی اور اسلامی فرائض انجام دینا چاہتے ہیں تو بحیثیت ہندوستانی ہونے کے انھیں انجام دینا چاہیئے۔ یہ بھی ایک سچی حیثیت ہے۔ مگر سب سے پہلی حیثیت جو ہے وہ یہ ہے کہ بحیثیت ہندوستانی ہونے کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ ہو جائیں۔

میں اپنے سینے میں وہ دل رکھتا ہوں کہ جس کے لئے ہدایت کی کوئی شعاعیں نہیں ہو سکتیں جو فاطر السمٰوات نے نہ بھیجی ہوں۔ میرا عقیدہ ہے کہ ہندوستان میں ہندوستان کے مسلمان اپنے بہترین فرائض انجام نہیں دے سکتے جب تک وہ احکام اسلامیہ کے ماتحت ہندوستان کے ہندوؤں سے پوری سچائی کے ساتھ اتحاد و اتفاق نہ کر لیں۔ مگر یہ اعتقاد قرآنِ مجید کی نص قطعی پر مبنی تھا۔ فی الحقیقت یہ وہ چیز ہے جو اگر ایک طرف ترکِ موالات کے اصول کو ہمارے سامنے نمایاں کرتی ہے تو دوسری طرف ہندو مسلمانوں کے مسئلہ کو واضح کرتی ہے۔

ترکِ موالات کے ضمن میں قرآن مجید کے احکام کیا ہیں موالات ولایت سے ہے۔ ولایت کے معنی ہیں محبت۔ اعانت اور نصرت کے۔ تو ترکِ موالات کے معنی ہوئے مددگاری کے ہر طرح کے تعلقات کو منقطع کر لینا۔ جب تک وہ جماعت اپنے ظلم سے باز نہ آئے۔ اس حکم کی بنا پر قرآن مجید نے دنیا کی تمام قوموں کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ چنانچہ اس کی تقسیم سورۂ ممتحنہ میں کر دی ہے۔ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ دو قسم کی قومیں دنیا میں پیش ہو سکتی ہیں۔ ایک تو وہ غیر مسلمان قومیں جو مسلمانوں پر حملہ نہیں کرتیں۔ مسلمانوں کی حکومت اور خلافت پر حملہ نہیں کرتیں۔ ایسی غیر مسلم

مسئلہ پیدا ہو جاتا۔

اگر آپ کے دل مایوسی میں ڈوبے ہوئے ہیں تو میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ امید دلاؤں کہ یہ مسئلہ خلافت کی دوسری منزل ہے جس میں آپ نے کامیابی حاصل کی ہے میں اس منظر رفاقت کو ایک منٹ کے لئے فراموش نہیں کر سکتا کہ جوں ہی مسئلہ خلافت ہندوستان میں چھیڑا گیا۔ ہندوستان کے تمام گوشوں سے ہمارے ہندو بھائیوں نے کامل صداقت کے ساتھ تحریک خلافت کا استقبال کیا اور اپنی تمام تر ہمدردیاں اُس کے لئے وقف کر دیں۔

لیکن جہاں تک اس کا تعلق ایک ملکی مسئلہ سے ہے، وہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ اس مسئلہ کے محرک چند رفقاء تھے۔ میں نام لوں گا مہاتما گاندھی جی کا کہ وہ اس تحریک کے اولین اور سب سے بڑے قابل عزت بزرگ تھے کہ جنہوں نے اس تحریک کا ساتھ دیا۔ مگر اس وقت تک اس مسئلہ نے تمام ہندوستان کے قومی مسئلہ کی صورت اختیار نہیں کی تھی۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے یہ سامان کر دیا کہ تحریکِ خلافت میں یہ معاملہ مسلمانوں کے لئے ضروری تھا۔ تحریکِ خلافت کی روشنی نے ہندوستان کے چراغ کو روشن کر دیا۔ یہ مسئلہ خلافت کی تیسری منتہندی تھی۔ جو اس کو ہندوستان کے میدان میں حاصل ہوئی۔

ہندوستان کے لئے۔ ہندوستان کی آزادی کے لئے صداقت و حق پرستی کے بہترین اور اعلےٰ فرض ادا کرنے کے لئے ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کا اتفاق اور ان کی یک جہتی ضروری ہے۔ میرا مقصد نہ تھا کہ مستقل طور پر اس مسئلہ کے متعلق کچھ کہوں۔ کیونکہ الحمد للہ یہ مسئلہ حل تک پہنچ چکا ہے اب اس امر کی ضرورت نہیں ہے کہ اس پر بحث کی جائے۔ لیکن چونکہ تحریک خلافت کی تیسری منزل کے ضمن میں یہ مسئلہ چھڑ گیا ہے۔ لہٰذا آپ اجازت دیں گے کہ میں اس کے متعلق کچھ کہہ دوں

ہندو مسلمانوں کے اتحاد کا مسئلہ اگرچہ اپنے سیاسی مسئلہ ہونے کے لحاظ سے ہندوستان کی نجات کے لئے ایک ضروری مسئلہ رہا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ آج تحریک خلافت

اس تقسیم کی رُو سے جہاں آپ کے سامنے ترکِ موالات کا مسئلہ آگیا کہ گزشتہ پانچ سال کے اندر وہ واقعات ظہور پذیر ہو گئے ہیں کہ جن کے بعد برٹش گورنمنٹ مسلمانوں کے مقابلہ میں فریق محارب ہو گئی ہے۔ یعنی لڑنے والی فریق ہے۔ میں نے محارب پر زور دیا۔ بہت سے لوگ یہاں محارب اور غیر محارب پر زور نہ دیتے۔ میں نے غیر محارب اور محارب پر زور دیا۔ برٹش گورنمنٹ اسلام اور مسلمانوں کے مقابلے میں از روئے شریعت فریق محارب ہو گئی۔ اس لئے اس نصِ قطعی اور بموجب گیارہ سے زیادہ آیتوں اور مذہبِ اسلام کے قانون کے مسلمانوں کے لئے یہ حرام اور ناجائز ہو گیا ہے، فسق ہو گیا اور نفاق ہو گیا۔ مسلمانوں کے لئے یہ قریب قریب کفر ہو گیا ہے کہ وہ برٹش گورنمنٹ سے اپنی استطاعت کے اندر محبت و اعانت۔ وفاداری اور اطاعت کا کوئی تعلق رکھیں۔ اور اگر وہ کوئی تعلق اس طرح کا رکھیں گے تو ایک منٹ کے لئے ان کو یہ حق نہ ہو گا کہ وہ اپنے کو مسلمانوں کی صف میں جگہ دیں۔ قرآن نے کہا ہے کہ جو مسلمان ایسے وقتوں اور ایسی حالتوں میں محارب قوم کے ساتھ رشتۂ موالات رکھے گا۔ اگرچہ وہ زمین میں اپنے آپ کو مسلمان کہے لیکن اللہ کے نزدیک اُس کا شمار مومنوں میں نہ ہو گا۔ کفار میں ہو گا۔

آج بھی میں اعلان کرتا ہوں، اس لئے کہ صلح کی خبریں اُڑ رہی ہیں۔ ہر مسلمان کے قلب پر یہ حقیقت نقش ہے اور ہو جانا چاہیئے کہ جب تک انگریزی حکومت اپنے اس معاندانہ رویہ سے باز نہ آجائے۔ مسلمانوں کے معاملاتِ شرعی کو پورا نہ کر دے عراق کی سرزمین اس کی مداخلت سے پاک نہ ہو جائے۔ قسطنطنیہ سے تمام شرائط اور پابندیاں اٹھالی نہ جائیں۔ ہندوستان کو آزادی نہ دی جائے۔ اس وقت تک برٹش گورنمنٹ مسلمانوں کے مقابلے میں فریقِ محارب ہے۔ جس وقت تک مسلمانوں کے دل میں ایک آخری چنگاری بھی ایمان کی باقی ہے اس وقت تک اُن کے لئے جائز نہیں کہ وہ صلح یا صفائی کا ہاتھ انگریزوں کی طرف بڑھا سکیں۔ وہ تمہارے ان آباد شہروں کو چھوڑ دے۔ جنگلوں میں چلا جائے۔ وہاں سانپوں اور بچھوؤں کے ساتھ

قومیں کہ نہ تو جنہوں نے حملہ کیا ہے اور نہ مسلمانوں کی آبادیوں اور بستیوں پر حملہ کرنا چاہتی ہیں۔ ایسی قوموں کے لئے ایک لمحہ کے لئے قرآن مسلمانوں کو نہیں روکتا کہ اُن کے ساتھ وہ مصالحت نہ کریں اور بہتر سے بہتر اور اچھے سے اچھا سلوک نہ کریں۔ لیکن جن غیر مسلمان قوموں کا یہ حال ہے کہ وہ مسلمان قوموں کے ساتھ قتال کریں مسلمانوں کو ان کی بستیوں سے نکالیں۔ ایسی غیر مسلمان قوموں کی نسبت بلاشبہ قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے کہ ان کے ساتھ تعلقات منقطع کر لئے جائیں۔ اور قرآن مجید کا یہ قانون کامل انصاف اور عدالت پر ہے۔ جس کو خود خدا کی فطرت نے قائم کیا ہے اس عالمگیر اور ہمہ گیر عدالت کی بنا پر قرآن مجید کا یہ اعلان ہے کہ ایسی غیر مسلمان قوموں کے ساتھ کوئی ایسا تعلق جو محبت، دوستی۔ صلح۔ وفاداری کا ہو اور ہر طرح کی اعانت و نصرت کا ہو نہیں رکھ سکتا۔

لیکن یہ حکم قطعی جو متعدد آیات قرآنی میں موجود ہے اور سورہ ممتحنہ میں بھی موجود ہے۔ جس میں فرمایا ہے:۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝

اللہ تعالیٰ ایک منٹ کے لئے اس بات سے نہیں روکتا کہ جن نامسلمانوں نے نہ تو تم سے لڑائی لڑی ہے نہ قتال کیا ہے نہ مسلمانوں کو ان کی آبادیوں سے نکالا ہے۔ ایسے غیر مسلمانوں کے ساتھ اتحاد اور ہر طرح کی نیکی کا بہتر سے بہتر سلوک جو وہ کر سکتا ہے۔ کیا جائے۔

قرآن دنیا میں دشمنی کا پیام نہیں لایا ہے۔ وہ تو محبت کا پیام لایا ہے۔ اس لئے محبت کے قائم رکھنے کے لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ ٹھیک اسی قانون کے مطابق کہ جس کے مطابق عدالت مجرم کو پھانسی کے تختہ پر کھڑا کرتی ہے۔ عمل کیا جائے۔ جو لوگ خدا کی حریت کو توڑنے والے ہیں۔ ایسی غیر مسلمان قوموں کے ساتھ مسلمان کوئی تعلق۔ محبت۔ اعانت اور نصرت کا نہیں رکھ سکتا۔

ہیں ہو سکتا ہے جو نہ صرف ایشیا کو، مشرق کو بلکہ اس تمام کرۂ ارضی کی سچائی کو جو قوت
چیلنج دے رہی ہے، جو اس کو مٹانا چاہتی ہے۔ جس کے غرور سے اللہ کی اس عالمگیر
صداقت کو سب سے بڑا خطرہ ہے وہ برٹش گورنمنٹ کے سوائے کوئی دوسری قوت
نہیں ہے۔ اس لئے ہندوستان کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ احکام شرع کو سامنے
رکھ کر حضور پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھ کر جو انہوں
نے اہل مدینہ اور بت پرست لوگوں سے معاملت کرتے ہوئے دکھایا، وہ نمونہ جو
خود جناب سرورِ کائنات نے عملاً پیش کیا ہے اور عملاً و حکماً جو تعلیم قرآن نے دی
ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ فرض شرعی ہے کہ وہ ہندوستان کے
ہندوؤں سے کامل سچائی کے ساتھ عہد و محبت کا پیمان باندھ لیں اور ان کے
ساتھ مل کر کوشاں ہوں۔

میرے الفاظ یہ تھے کہ ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان ہندوستان کے
بیس کروڑ ہندو بھائیوں کے ساتھ مل کر ایسے ہو جائیں کہ دونوں مل کر ہندوستان
کی ایک قوم اور نیشن بن جائیں۔ آپ میں سے اب مسلمان بھائیوں کو سنانا چاہتا
ہوں کہ خدا کی آواز کے بعد سب سے بڑی آواز جو ہو سکتی ہے وہ محمد (صلی اللہ
علیہ وسلم) کی زبان تھی۔ اس وجود مقدس نے عہد نامہ لکھا۔ بجنسہٖ یہ اس کے
الفاظ ہیں اِنَّھُمْ اُمَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ۔ ہم ان تمام قبیلوں سے جو مدینے کے اطراف
میں بستے ہیں صلح کرتے ہیں، اتفاق کرتے ہیں اور ہم سب مل کر ایک نیشن بننا چاہتے
ہیں، ایک قوم بننا چاہتے ہیں۔

"امۃ" کے معنی ہیں نیشن۔ قوم اور "واحدۃ" کے معنی ہیں ایک۔ اگر میں
نے اپنی اپیل میں کہہ دیا کہ ہندوستان کے مسلمان اپنا بہترین فرض اس وقت
انجام دیں گے۔ جب ہندوؤں کے ساتھ ایک ہو جائیں گے تو یہ وہ لفظ ہے
جو اللہ کے رسول نے اس وقت لکھوایا تھا کہ ہم سب مل کر مقابل قریش کے
ایک نیشن ہو جائیں گے جن کے مقاصد کی بنا پر جناب سرورِ کائنات نے یہ عہد کیا

صلح کرے مگر انگریزی گورنمنٹ کے ساتھ صلح نہیں کرسکتا۔

لیکن ہاں جس آن اور جس لمحہ حالات میں تبدیلی ہوجائے۔ حالات پلٹ جائیں وہ فریق محارب نہ رہے بلکہ اس کے حکم میں آجائے جس کو تم سن چکے ہو۔ جن لوگوں نے مسلمانوں سے قتال نہیں کیا ہے۔ ان کو دیس نکالا نہیں دیا ہے اور یہی نہیں کہ خود ظلم نہ کیا ہو۔ بلکہ دوسروں کو بھی ظلم پر نہ ابھارا ہو۔ جس آن برٹش گورنمنٹ میں یہی تبدیلی اور حقیقی تبدیلی آجائے گی۔ دھوکہ کی نہیں جس میں چالیس سال سے ہندوستان الجھا ہوا ہے۔ بجز حالات کی تبدیلی کے حکم بدل جائے گا اور مسلمانوں میں سے ہر فرد تیار ہوگا کہ صلح و اتفاق کا ہاتھ بڑھائے۔ لیکن جس وقت تک برٹش گورنمنٹ فریق محارب ہے۔ وہ خلافت کے معاملات کو پورا نہیں کرتی۔ جب تک ہندوستان کو سچے اور حقیقی معنوں میں سوراج نہیں دیتی۔ یعنی کوئی نئی اور کسی قدر ترقی یافتہ ریفارم اسکیم نہیں بلکہ سوراج . . . . . .

. . . . . .

. . . . . .

. . . . . .

. . . . . .

لیکن جیسا میں نے عرض کیا۔ یہ ایک ضمنی حقیقت تھی۔ اصل مسئلہ جس پر میں گام فرسائی کر رہا تھا یہ تھا کہ ہندوستان کی نجات کے لئے ہندوستان میں مسلمانوں کے بہترین فرائض کے انجام دینے کے لئے میں نے یاد دلایا تھا کہ میرا عقیدہ یہ رہا ہے، ۱۹۱۱ء جس کی جولائی میں پہلا نمبر الہلال شائع ہوا۔ میں امید کرتا ہوں کہ ایسے لوگ موجود ہوں گے کہ جنھوں نے الہلال کو فراموش نہ کیا ہوگا۔

۱۹۱۱ء کی جولائی میں پہلا پرچہ جو نکلا۔ اس میں ایک بڑا نمایاں مقصد کیا تھا میں فخر کے ساتھ اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ہندو مسلمانوں کا اتفاق تھا۔ میں نے مسلمانوں کو دعوت دی تھی کہ احکام شرع کی رو سے مسلمانوں کے لئے اگر کوئی

بلاشبہ اس آیت کا حکم منسوخ ہوا مگر کن معنوں میں ہوا۔ یہ حکم منسوخ ہو گیا
کہ صرف جزیرۃ العرب کے لئے، مشرکین عرب کے لئے۔ اُن منسوخات کے لئے نہیں
کہ جو تمام دنیا کی مشرک اقوام کے لئے ہے۔ بلکہ یہ ان مخصوص احکام میں ہے کہ جو مخصوص
ہو گیا ہے عرب کے لئے۔ امام شافعی اس طرف گئے کہ جزیرۃ العرب کے علاوہ اور تمام
دنیا میں جتنی قومیں موجود ہیں۔ اُن سے جزیہ نہیں لیا جا سکتا۔ مگر جمہور اس طرف گئے
ہیں کہ یہ حکم صرف جزیرۃ العرب کے لئے ہے اور دنیا کی تمام قوموں کے ساتھ مسلمان
صلح کر سکتے ہیں۔ اگر وہ اس کے مستحق ہیں۔ جن مفسرین نے محض لفظ نسخ دیکھ کر اس
کو منسوخات میں شمار کیا ہے، اگر اس کے وہ معنی پیش کر لئے جائیں گے تو نتیجہ یہ نکلے گا
کہ پانچسو سے زیادہ آیات ہیں جو آیۂ منسوخہ سے منسوخ کی گئیں۔ مقصد یہ تھا کہ ایک
لمحہ کے لئے یہ سمجھنا کہ یہ حکم آئندہ کے لئے منسوخ ہو چکا ہے۔ یہ ایسا کلمہ ہے کہ اس
سے بڑھ کر احکام شرع کے جہل کا اور کوئی کلمہ نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ حقیقت شرعی
ہے کہ جس نے یہ حقیقت ہمارے آگے بے نقاب کی تھی۔ اگر اس میں ایک طرف
اسلام کے فریق محارب کے مقابلے میں ترک موالات بتایا گیا تو دوسری طرف یہ
حقیقت کھول دی کہ جن قوموں نے مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا ہے، پیکار نہیں کیا
ہے، ان کی آبادیوں پر قبضہ نہیں کیا ہے، اس کے لئے اللہ کی وہ شریعت جو دنیا
میں ایک عالمگیر برادری کا اور محبت کا سبق دے اور اس تمام کرۂ ارضی کو خدا کی
محبت کا ایک گھرانہ بنانے کے لئے آئی ہے۔ محال قطعی ہے کہ وہ ایک منٹ کے
لئے حکم دے کہ مسلمان دنیا کی کسی قوم کے ساتھ محبت اور عہد اتفاق نہ کریں۔

یہ جزیرۃ العرب کے لئے تھا، وہاں کے متعلق خدا کی مصلحتیں تھیں کہ اس
ٹکڑے کو مسلمانوں کا مرکز بنانے کے لئے خاص کر دیا جائے۔ اور وہ مسلمانوں کے
لئے ایسا گھر ہو کہ اگر دنیا کے تمام حصوں میں ان کی جڑ ٹوٹ جائے تو یہ جڑ باقی رہے کہ
ہمیشہ ابھر سکے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ جزیرۃ العرب کو مسلمانوں کے لئے خاص کر دیا جاتا
اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ آیت تمام دنیا کے لئے اور دنیا کی تمام قوموں کے لئے منسوخ ہو چکی ہے۔

تھا۔ اس سے زیادہ وجوہات آج آپ کے لئے موجود ہیں۔ اگر اس وقت صرف قریش مکہ کی ایک جماعت تھی جو اسلام کو غربت میں دھمکی دے رہی تھی تو آج اس غربت ثانیہ میں مٹھی بھر قریش نہیں۔ بلکہ کرۂ ارضی کی دو تہائی بسنے والی قومیں اسلام کو مٹانا چاہتی ہیں۔ اگر مٹھی بھر قریش مکہ کے مقابلے میں، ابوسفیان کے مقابلے میں، اطراف مدینہ کے تمام قبائل سے اتفاق کر سکتے تھے، تو آج اس عظیم اتحاد قوت کے غرور، گھمنڈ، خونخواری کے مقابلے میں جو تمام مشرق کی آزادی کو پامال کرنا چاہتی ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ فرض نہیں ہے کہ اپنے بائیس کروڑ ہندوؤں کے ساتھ مل کر ایک ہو جائیں؟

میں یہ سب کچھ کہنے پر مجبور ہوں۔ کیونکہ یہ ایک نہایت ضروری پہلو ہے اور میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں اگر ایک دو منٹ ان بحثوں کے الجھاؤ میں صرف ہو جائیں۔ اگر میں اس موقع پر اس جلسہ میں جس میں خوش قسمتی سے صاحب علم بھی تشریف فرما ہیں اور جن کی موجودگی میرے لئے موجب تقویت ہے میں اُن اہل علم کو توجہ دلاؤں گا کہ اگر کسی بزرگ کے دل میں یہ خدشہ پیدا ہو جائے کہ سورۂ ممتحنہ کی تقسیم منسوخ ہے، ان کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو جائے کہ یہ آیت منجملہ ان آیات کے شمار کی جاتی ہے کہ جن کو آیت سیف نے منسوخ کر دیا ممکن ہے ان کے دل میں یہ خلش پیدا ہو کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے، تو پھر اس سے استدلال کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ میں بلا اس طرف اشارہ کئے ہوئے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ معاملہ نازک ہے، ضرورت ہے چشم بصیرت کی، محض اوراق گردانی کافی نہ ہوگی۔ میں سب سے پہلے ان کو یاد دلاؤں گا کہ ایک نسخ اصولیوں کا ہے اور ایک نسخ قدماء کا ہے۔ اصولیوں نے جو محدود تعریف کر دی ہے نسخ کی، وہ نسخ کے اسلاف ان صورتوں میں نہیں کرتے۔ ہر وہ حکم کہ جس کا صرف تعلق اور عموم پر کوئی اثر پڑے، قدماء اور مختلف صدر اول کی اصطلاح میں استدلال نسخ کہا جاتا تھا۔

کہ اس مسئلہ کو زندہ کیا جائے۔ خلافت کمیٹی نے اس امر کا اعلان کیا۔ سب سے پہلے ترک موالات کا اعلان کلکتہ کے اس جلسۂ خلافت میں ہوا جو فروری سنہ ۱۹۲۰ء کو ٹاؤن ہال میں ہوا تھا۔ اور سب سے پہلے اس کی تحریک میری ہی تقریر میں کی گئی تھی۔ اس کے بعد دہلی دوسری مرتبہ سربرآوردہ ہندو مسلمانوں کا اجتماع ہوا۔ کہ اس مسئلہ کو بحیثیت قوم کے اختیار کر سکتے ہیں؟ اس سب کمیٹی نے بھی جس میں مہاتما گاندھی۔ حکیم اجمل خاں اور میں تھا۔ یہ طے پایا تھا۔ میں نے کہا نہ بحث کی ضرورت ہے اور نہ کچھ اور۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ یہ چیز ہمارے سامنے آرہی ہے۔ پہلے تیرہ سو سال سے موجود ہے۔ اس کے بعد پٹھ میں اس صوبہ کا پہلا جلسہ ہوا۔ اور اس میں مہاتما گاندھی نے اس تحریک کے مختلف اجزا کو پیش کیا۔ اور جو لوگ وہاں موجود تھے۔ وہ تصدیق کریں گے کہ فی الحقیقت یہ وہ چیز ہے جو تیرہ سو برس سے مسلمانوں کے یہاں موجود ہے۔ اور بحیثیت مسلمان ہونے کے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس پر عمل پیرا ہوں۔ اس وقت اس مسئلہ کے عمل میں اگرچہ خلافت کمیٹی اور تمام اراکین شریک تھے۔ مسلمانوں کے علماء کی تمام جماعت شریک تھی لیکن یہ واقعہ آپ کو یاد ہوگا کہ بلاشبہ چونکہ یہ مسئلہ نہایت پیچیدہ شکل میں ملک کے سامنے آیا تھا اس لئے ہندوستان کی جو سب سے بڑی جماعت تھی یعنی انڈین نیشنل کانگرس۔ اس نے اس میں شرکت نہیں کی۔ میں آپ کو یاد دلاؤں گا اللہ تعالےٰ کے اُس کرم کو کہ یہ تیسری منزل بھی سامنے آئی اور تحریکِ خلافت نے نہایت کامیابی سے اس کو فتح کیا۔ ایک معرکہ وہ تھا جو کلکتہ میں گرم ہوا۔ دوسرا وہ تھا جو ناگپور میں گرم ہوا۔ پہلے دوسرے معرکے میں ہزارہا ہندوستان کے ہندو مسلمانوں نے متفقہ آواز میں جس میں ایک آواز بھی خلاف نہ تھی۔ ترکِ موالات کے ساتھ اتفاق کیا۔ اور یہ تیسری فتحمندی مسئلہ خلافت کو ہندوستان کے میدان میں حاصل ہوئی۔ یہ تیسرا میدان جس کو آپ ڈھونڈھ رہے تھے وہ بھی اسی ہندوستان کے اندر موجود تھا جب تک آپ کے اندر خود آپ کی قومی قوت واپس نہ آجاتی۔ جب تک آپ خود اپنے دلوں کے معاملات صاف نہ کر لیتے۔ جب تک آپ کے دلوں میں عمل کی سچی روح پیدا

بہرحال ہندو مسلمانوں کے اتفاق کے لئے آپ کے سامنے یہ حقیقت لانا چاہتا تھا کہ اگر مسلمانوں نے محبت کا ہاتھ، رفاقت کا ہاتھ، یک جہتی کا ہاتھ اپنے ہمسایوں کی طرف بڑھایا ہے تو یہ ان کا عمل محض وقتی اور دفاعی نہیں ہے۔ پولیٹیکل چال نہیں ہے بلکہ ان کو یقین کرنا چاہیئے کہ مسلمانوں نے محبت کا آغوش خود نہیں کھولا ہے بلکہ ان کے خدا نے، ان کے قوانین شریعت نے بڑھوایا ہے۔ چونکہ اس کی بنیاد شریعت پر ہے اس لئے عزیزانِ من یہ سب کچھ ترک موالات کے مسئلہ میں نہیں بلکہ بیس سال پیشتر بھی میرا یہی اعتقاد تھا۔

دوستو! میں اپنی زندگی کا اگر کوئی کام سمجھتا ہوں تو وہ یہی ہے۔ مجھ کو یقین ہے کہ میں ہندوستان کے ان انسانوں میں ہوں جنہوں نے انسانوں کو کتاب اللہ کی طرف بلایا ہے۔ میں اپنے لئے کوئی ناچیز خدمت سمجھتا ہوں تو وہ صرف یہی ہے جب مسلمان اپنے ہندو بھائیوں سے تمام کاموں سے الگ تھلگ تھے۔ علی گڑھ کی مسلمہ قومی پالیسی یہی سمجھی جاتی تھی کہ وہ ہندوؤں سے الگ رہیں۔ تو میں نے دعوت دی تھی کہ اگر وہ ہندوستان کی زندگی میں بحیثیت مسلمان ہونے کے اپنے تمام عظیم الشان فرائض انجام دینا چاہتے ہیں تو ان کا فرض ہونا چاہیئے کہ اتفاق کا قدم بڑھائیں۔ اور بائیس کروڑ ہندوؤں کے ساتھ ایک ہو جائیں۔ مسلمانوں کے لئے ایسا کرنا ان کے مذہبی عمل میں سے تھا۔

بہرحال موضوع بحث یہ تھا کہ تحریک خلافت نے اندرونی میدان میں دوسری صورت میں کامیابی حاصل کی ہے تو یہ ہے کہ تحریک خلافت کی بدولت ہندوستان کی آزادی کا سویا ہوا مسئلہ اس قوت سے جاگ اٹھا کہ آج اس کا ولولہ دنیا میں بلند ہے اب تیسری منزل فی الحقیقت فیصلہ کن منزل ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ تحریک خلافت نے ہندوستان کی آزادی، پنجاب کے مسئلہ کو جس طرح زندہ کر دیا تھا، اس کے لئے کوئی مذہبی شاہراہ عمل ہوتی اور آپ کے سامنے کھولی جاتی۔ خلافت کمیٹی نے احکام شرع کے ماتحت اس امر کا فیصلہ کیا کہ ترکِ موالات مسلمانوں کے فرائض میں سے ہے۔ لیکن بدبختی سے جہاں مسلمانوں نے اپنے تمام مسائل کو ترک کر دیا ہے۔ یہ مسئلہ بھی سہو کر دیا تھا۔ اس لئے ضرورت

متنی ہیں آپ نے گزشتہ حالات پر نظر ڈالی۔ آپ نے دیکھا کہ بلاشبہ تحریک خلافت
کامیابی کی بیل بڑھی۔
ایک دوسرا موجب بھی ہے۔ وہ نا امیدی اور خوف کا ہے۔ ایمان دو پروں
اڑتا ہے۔ ایک امید کا دوسرا خوف کا۔ یہ ہماری بڑی ناکامیابی ہوگی کہ گزشتہ
کامیابیوں کا تصور کرتے ہوئے آنے والی کامیابیوں کو بھول جائیں۔ بلاشبہ تحریک
خلافت نے یہ کامیابی حاصل کی لیکن ان تمام کامیابیوں کے لئے فیصلہ کن منزل وہ
ہے جو تمہارے غفلت سے بھرے ہوئے سروں سے گزر رہی ہے۔ ان گھڑیوں کے
ہندوستان کا ہر باشندہ مسلمان۔ ہندو۔ پارسی اور عیسائی۔ ہندوستان کا ہر بسنے
اور وہ انسان کہ جس نے گنگا اور جمنا کی صاف روانی دیکھی ہے اور ہندوستان
کے ناروں بھرے آسمان کو سر پر اٹھائے ہے۔ ہر ایک کا فرض ہے کہ آنے والی
کامیابی کو حاصل کرے۔ اگر اب بھی تمہارے ایمان کے شعلے نہ بھڑکے تو ان گزشتہ
کامیابیوں کا افسانہ ایک منٹ کے لئے منزل مقصود تک تم کو نہ پہنچا سکے گا۔
اب آخری منزل آگئی کہ آج یا تو ہمیشہ کے لئے امید کا فیصلہ کرو گے یا ہمیشہ کے
لئے نا امیدی کے مدفن میں اس تحریک کو دفن کر دو گے۔ وہ آخری فیصلہ کن گھڑی آپ
کے سامنے آگئی ہے۔ وہ کونسی ہے۔ افسوس کہ وقت کوتاہی کر رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں
میرے مسلمان بھائیوں کے سامنے یہ آجائے کہ کونسی منزل ان کا انتظار کر رہی ہے۔
جب تک یہ پوری صداقت کے ساتھ اس کا دھیان اپنے سامنے نہ لائیں گے۔ گزشتہ
کامیابیاں سود مند نہیں ہو سکتیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس منزل کا نقشہ کن لفظوں میں
آپ کی آنکھوں کے آگے سنواروں۔
میں دنیا کی تمام قوموں سے قطع نظر کر لیتا ہوں اور مسلمانوں کو دکھانا چاہتا ہوں
جب کہ وہ دنیا کے طرح طرح کے اعلانات کی پرستش کر رہے ہیں اُن کو یاد کرنا چاہیئے
کہ ان کے پاس ایک الہامی اعلان ہے۔ جب تک وہ اس تعلیم کو سامنے نہ لائیں گے ان
کی کامیابیاں سود مند نہیں ہو سکتیں۔ وہ وہ ہے جس کا اعلان قرآن مجید نے جا بجا

نہ ہو جاتی اس وقت تک آپ دشمنوں کے مقابلے میں کامیابی حاصل کر سکتے تھے۔

اصل میدان ہندوستان کا میدان تھا۔ اندرونی میدان تھا۔ اصل فتح و شکست کا فیصلہ ہندوستان کے اندر ہونے والا تھا۔ اگر آپ اپنے ملک کے اتفاق کے میدان میں، ترک موالات کے میدان میں، قربانی و ولولہ کے میدان میں بلکہ مختصر یہ کہ ایمان کے میدان میں کامیابی حاصل کر لیتے تو دنیا کی کونسی قوت ہے جو آپ کو شکست دے سکتی۔ اگر آسمان کی تمام بجلیاں اُتر آتیں۔ ہمالہ کی چٹانیں اپنی صفیں کھڑی کر لیں وہ ایک منٹ کے لئے ایمان کو شکست نہیں دے سکتیں۔ سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ سب سے پہلے اپنے دلوں کے میدان کو فتح کریں۔ ایمان کے میدان کو، استقامت کے میدان کو۔ قربانیوں کے میدان اور ملک کے اتفاق کے میدان کو فتح کریں۔ جب تک ہم ان میدانوں کو فتح نہ کر لیتے، دشمنوں کے مقابلے میں کیسے بازی جیت سکتے تھے۔

دنیا میں ہر فکر اور ہر عمل کے لئے دو ہی موجب ہیں۔ ایک موجب اُمید کا اور ایک یاس و نا امیدی کا۔ اگر امید کی روشنی کو سامنے لائیں تو اس میں شبہ نہیں ہے کہ تحریک خلافت نے ان تمام درماندگیوں کو دیکھتے ہوئے اندرونی میدان کی ان تین منزلوں کو اللہ کے فضل سے کامیابی کے ساتھ طے کیا۔ اس کے بعد اس نے ایک ایسی جماعت جس سے بڑھ کر ہندوستان کے لئے کوئی ملکی جماعت نہیں ہو سکتی یعنی انڈین نیشنل کانگرس۔ اس کے اندر بھی اس نے کامیابی حاصل کی۔ یہ اٹھارہ مہینے جو گزر چکے ہیں تحریک خلافت کی کامیابیوں کا زمانہ ہے۔ شکست کا نہیں۔ لیکن اگر اس کامیابی کا نتیجہ یہ ہو کہ آپ کے اندر گھمنڈ پیدا ہو جائے اور آئندہ عمل کی قوت جاتی رہے تو پھر یہ کامیابی آپ کے لئے فتحمندی نہیں ہے۔ بلکہ ایک کھیل ہے جس کو ہوا کا ایک طمانچہ اڑا لے جائے گا۔

اس کامیابی کا دار و مدار آخری منزل پر ہے۔ جب تک آپ اس کو طے نہ کریں گے پہلی کامیابی آپ کے لئے سود مند نہیں ہو سکتی۔ ایک موجب امید کا ہے اس کی

لیا تم انکار کر دو گے، چاہے وہ پہچانی ہوئی ہو۔ پہلی شرط وہ ہے جس کا نام قرآن مجید کی بولی میں ایمان ہے اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ تم جبھی کامیابی پا سکتے ہو جب تمہارے دلوں کے اندر روح کے اندر وہ چیز پیدا ہو جائے کہ جس کا نام قرآن مجید کی زبان میں ایمان ہے۔

ایمان کے معنی ہیں عربی میں زوالِ شک کے۔ یعنی کامل درجہ کا بھروسہ اور کامل درجہ کا اقرار تمہارے دل میں پیدا ہو جائے۔ جب تک کامل درجہ کا یقین تمہارے دلوں کے اندر نہ پیدا ہو۔ اللہ کی صداقت پر۔ اللہ کی سچائی پر۔ اللہ کے اصولوں پر جس وقت تک کامل درجہ کا یقین تمہارے قلب کے اندر پیدا نہ ہوگا۔ کامیابی کا کوئی دروازہ تمہارے لئے نہیں کھل سکتا۔ شک کا اگر ایک کانٹا بھی تمہارے دل میں چبھ رہا ہے تو تم کو اپنے اوپر موت کا فیصلہ صادر کرنا چاہیئے۔ تم کو کامیابی نہیں ہو سکتی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ تمہارے دل کے اندر ایمان۔ اطمینان۔ یقین۔ جماؤ تمکن اور اقرار پیدا ہو۔ لیکن کیا محض دل کا یہ کام، دماغ کا یہ فعل۔ تصور کا یہ نقشہ کامیابی کو پورا کر دے گا؟ نہیں۔

فرمایا۔ ایک دوسری منزل اس کے بعد آتی ہے۔ جب تک وہ دوسری منزل بھی کامیابی کے ساتھ طے نہ کر لو گے۔ اس ایک منزل کو طے کر کے کامیابی نہیں پا سکتے اُس کا نام قرآن کی بولی میں عمل صالح ہے (وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) یعنی وہ کام جو اچھائی کے ساتھ کیا جائے۔ جس کام کو جس صحت اور جس طریقہ کے ساتھ کرنا چاہیئے جو طریقہ اس کے لئے سچا طریقہ ہو سکتا ہے اس کام کو اس کے ساتھ انجام دینا۔

قرآن کا یہ اصول تو عام ہے۔ ایمان کے معنی ہیں۔ وہ یقین، وہ کامل اطمینان وہ کامل اقرار کہ جو عمل سے پہلے پیدا ہوتا ہے۔ جس وقت یہاں ایک چٹیل میدان تھا۔ کوئی وجود اس شامیانہ کا نہ تھا۔ تمہاری خلافت کمیٹی کے ارکان نے اس وقت یہ شامیانہ نصب نہیں کیا تھا لیکن اس وقت بھی یہ شامیانہ مع ان چمکتی ہوئی لالٹینوں کے موجود تھا۔ کہاں؟ ان کے دماغ میں۔ وہ چیز جو ان کے دماغ میں موجود

کیا ہے۔ وہ ایک مختصر سبق ہے کہ جس کو دہراتے ہوئے میں خاص طور پر اپنے مسلمان بھائیوں سے خطابت کروں گا اور ہندو بھائیوں سے التجا کروں گا کہ وہ خاص اصطلاح سن کر کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ بلکہ اس حقیقت کو ڈھونڈیں کہ خدا کی سچائی ایک ہے۔ اگرچہ طرح طرح کے ناموں میں پیش کی جائے۔ میں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ دنیا کا کوئی وجود کوئی روح۔ کوئی آتما، خدا کا کوئی ذرہ اس آسمان کے نیچے کامیابی نہیں پا سکتا جب تک وہ اس پروگرام پر عمل نہ کرے جو اس نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اگرچہ قرآن نے اس بارے میں نہایت تفصیلی بیانات دیئے ہیں لیکن ایک چھوٹا بیان بھی ہے کہ جس کی نسبت تاریخ اسلام کے ایک بڑے امام نے جن کا نام امام شافعی ہے، یہ کہا تھا کہ اگر قرآن کے یہ صرف چند جملے ہی نازل ہو جاتے تو تمام کرۂ ارضی کی ہدایت کے لئے کافی تھے۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

تحریک خلافت ہندوستان کی آزادی کی تحریک ہے؟ یہ ایک مقصد ہے جو فتح چاہتا ہے، مراد چاہتا ہے۔ آپ مقصد اور مراد کے ڈھونڈنے والے ہیں۔ آپ مقصد کے عشق میں آنسو بہانے والے ہیں تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ قرآن کا ہر اچھے مقصد کے لئے یہ اعلان ہے کہ اس آسمان کے نیچے نوعِ انسان کے لئے انسانوں کی تلاشوں کے لئے۔ جستجوؤں کے لئے اور امیدوں کے لئے بڑی بڑی ناکامیاں ہیں۔ بڑے بڑے گھاٹے ٹوٹے ہیں۔ لیکن دنیا کی اس عام نامرادی سے کون انسان ہے، کون جماعت ہے کہ بچ سکتی ہے۔ اور ناکامیابی کی جگہ کامیابی پا سکتی ہے۔ ناامیدی کی جگہ امید اس کے دل میں اپنا آشیانہ بنا سکتی ہے۔ وہ کون انسان ہیں؟ وہ انسان کہ جو دنیا میں ان چار شرطوں کو قولاً و عملاً اپنے اندر پیدا کر لیں۔ جب تک یہ پیدا نہ ہوں گی اس وقت تک دنیا میں نہ کوئی قوم کامیاب ہو سکتی ہے اور نہ ملک۔ حتیٰ کہ ہوا میں اڑنے والے پرندے بھی دنیا میں کامیابی نہیں پا سکتے۔

ان چار شرطوں کے نام سے گھبرا نہ جانا۔ اگر ایک چیز عربی بھیس میں آجائے تو

نہیں یہ بات نہ ہوگی کہ تمہارا دل سچائی کے اعلان کے لئے تڑپنے لگے۔ جب تک
حق حق نہ کرو گے کامیابی تم کو نہیں مل سکتی۔ لیکن اگر اس تیسری منزل کے لئے تم تیار
ہو گئے۔ اگر توفیق الٰہی نے تمہاری دستگیری کی تو پھر آخری منزل کون ہے، وہ ہے کہ
صبر کی منزل کے لئے لازم و ملزوم ہے۔ اس کے ساتھ اس کی گردن اس طرح جڑی
ہوئی ہے کہ جدا نہیں کی جا سکتی، فرمایا کہ حق کی وہ وصیت کریں گے۔ چنانچہ وہ حق کا
پیغام سنائیں گے۔ حق کی دعوت پہنچائیں گے۔ حق کا یہ حال ہے کہ حق کی راہ میں کوئی
قدم نہیں اُٹھ سکتا۔ جب تک وہ قربانیوں کے لئے قدم نہ اٹھائیں۔ فرمایا کہ صرف حق ہی کا
پیام وہ نہ پہنچائے بلکہ صبر کا بھی پہنچائے۔

تم نے اپنی بدبختی سے نہ صرف شریعت کے حکم کو بدلا ہے بلکہ اپنے طریق عمل سے
شریعت کے لفظوں کی بولیوں کو بھی بدل ڈالا۔ صبر کے معنی کیا ہیں؟ تم سمجھتے ہو کہ صبر
کے معنی ہیں بے عزتی اور باطل کی پرستش اور پوجا۔ جو شخص صبر کے معنی یہ سمجھتا ہے
اس سے بڑھ کر قرآن مجید کی تحریف لفظی کرنے والا کوئی نہیں۔ تحریف معنوی تو
بہت سے علماء کر رہے ہیں۔ لیکن تحریف لفظی یہ ہے کہ اگر صبر کے معنی یہ ہیں کہ
تمہارے حق کے مقابلہ میں مصیبت آجائے تو تم کو چاہیئے کہ صبر کے گوشہ میں پناہ لو۔ یعنی ہر
طرح کی بے عزتی کو۔ بیچارگی کو، باطل پرستی کو قبول کر لو۔ صبر کے معنی بالکل اس سے مختلف
ہیں، صبر کے معنی ہیں برداشت کے۔ صبر کے معنی ہیں جھیلنے کے۔ صبر کے معنی ہیں تحمل کے۔
جو قدم تم مقصد کی راہ میں اپنے محبوب و پیارے مقصد کے لئے اٹھاؤ اور اس میں طرح
طرح کی مصیبتیں آئیں، طرح طرح کی ڈراونی صورتیں آئیں۔ زنجیر اور ہتھکڑیاں آئیں۔ بلکہ
ممکن ہے کہ تمہارے سامنے تختہ آئے اور اس پر ایک پھندا لٹکے۔ یہ سب تمہارے سامنے
آئے گا لیکن اگر تم حق کے پرستار ہو تو تمہارا فرض ہونا چاہیئے کہ تمہارے اندر صبر ہو
تمہارے اندر برداشت کی وہ اٹل طاقت ہو۔ وہ پہاڑ برداشت کا تمہارے اندر موجود ہو
کہ دنیا کی کوئی مشکل، کوئی تاج و تخت اس پر فتح یاب نہ ہو سکے۔ یہ معنی صبر کے ہیں۔ چنانچہ
قرآن مجید کے مواقع استعمال پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ہر جگہ صبر کے یہی معنی ہیں۔

تھی۔ وہ ارادہ جو ان کے دماغ میں پیدا ہوا تھا وہ پہلی منزل ہوئی۔ جو مذہب میں آکر ایمان کا نام اختیار کر لیتی ہے۔ بالکل جیسے وہ عمل دماغ ہے۔ وہ عمل تصور و یقین ہے۔ اسی بنا پر سب سے پہلی منزل ایمان کی ہے۔ پہلی تجویز یہ ہے کہ تمہارے دل کے اندر سچا ارادہ پیدا ہو۔ سچا عزم پیدا ہو۔ دوسری منزل یہ ہے عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ صرف دماغ کی منزل طے کر کے قدم نہ ٹھہر جائیں بلکہ عمل بھی کرو۔ اور وہ جو صالح ہو یعنی جو صحیح طریقہ ہے اس کام کے انجام دینے کا۔ جب اس کو پورا کر لیا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ فتح مندی اور کامیابی کی دو منزلیں تم نے کامیابی کے ساتھ طے کر لیں۔ مگر پھر کیا تمہارا کام ختم ہو گیا؟ اس کے بعد کیا تم منزلِ مقصود تک پہنچ جاؤ گے؟ قرآن کی عالمگیر صداقت کہتی ہے کہ نہیں۔ بلکہ دو منزلوں کے بعد دو منزلیں اور بھی باقی ہیں۔ اپنی ہمت تو آزما لو کہ ان کے لئے تمہارے تلوے تیار ہیں۔ یا نہیں۔ تمہاری کمر ہمت مضبوط ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو ممکن ہے کہ یہ دو منزلیں تمہارے لئے سود مند نہ ہوں۔ وہ دو منزلیں یہ ہیں جو قرآن مجید نے فرمایا کہ ایمان اور عمل صالح ان کے اندر پیدا ہوں۔ لیکن کیا ایک کڑی کے درست کر لینے کے بعد زنجیر کا پورا کام ہو گیا۔ ایک منٹ کے لئے بھی نہیں۔ تم کیا ہو۔ اس بکھری ہوئی شکل میں بیکار ہو۔ اس میں تمہارا کوئی وجود نہیں۔ قرآن وجود مانتا ہے۔ اجتماع کا۔ اس کے نزدیک وجود کڑیوں کا نہیں ہے بلکہ زنجیر کا ہے۔ تم میں سے ہر وجود ایک کڑی ہے۔ اس کا کام پورا نہیں ہو سکتا جب تک وہ باقی کڑیوں کی خبر نہ لے۔ جب تک باقی کڑیاں مضبوط نہ ہوں گی۔ زنجیر مضبوط نہیں ہو سکتی۔ اس لئے فرمایا۔ کامیابی کا سفر کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک تیسری منزل تمہارے سامنے نہ آئے۔ وہ تیسری منزل ان فصیح و بلیغ معنوں میں ہے کہ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ تیسری منزل ہے۔ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ کہ تم جو ایک کڑی تھے جس کو تم نے ایمان کی مضبوطی سے استوار کیا۔ لیکن تمہارا کام ختم نہیں ہوا۔ تمہارا فرض ہے کہ دوسری کڑیوں کی طرف توجہ کرو۔ اس کو یوں درست کر سکتے ہو کہ دنیا میں خدا کی سچائی کا پیغام پہنچاؤ۔ جب تک

دے سر اس کے آگے نہ جھکے ہوں تو پھر کونسی شب ہے جو تمہاری چوکھٹ پر آئے گی
اور تمہاری کنڈی کھٹکھٹائے گی۔ اگر اب بھی تم ایمان۔ توصیٰ حق۔ عمل صالح اور قربانی
کے لئے تیار نہیں ہو تو تم کو حق نہیں ہے کہ تم خدا کی زمین میں کامیابی کو ڈھونڈو۔

میں اب یہ بتلا دینا چاہتا ہوں کہ اس وقت یہ جو میں نے کہا۔ یہ وہ شرائط ہیں
کہ جن کو نہ اول کہا جا سکتا ہے نہ آخر۔ جب تک یہ چار چیزیں ہمارے اندر پیدا نہ ہونگی
یہی چار چیزیں تھیں جو ہماری تمام کامیابیوں کے لئے علت تھیں۔ جن کو تمام کرۂ ارضی
میں دشمن پامال کرتے کرتے نہ کر سکے۔ جس طرح یہ شرائط اسلامی آپ کے لئے ضروری
ہیں اسی طرح آپ کو خبردار ہونا چاہیئے کہ جو آپ نے عمل ترک موالات کا شروع کیا تھا
اس کے متعلق جو منزلیں سامنے آئی تھیں۔ جب تک اس منزل کو آپ کامل ایمان
عمل صالح، کامل قربانی کے ساتھ انجام نہ دیں گے باقی منزلیں آپ کے سامنے نہیں آ
سکتیں۔ جب کوئی مقصد کسی کے سامنے رکھا جاتا ہے تو وہ پوچھتا ہے کہ اس کا انجام
کب ملے گا۔ وہ ادعار فرض کے معاملے کو دکانداری بتاتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں۔ نتیجہ
کب نکلے گا۔ فرض اس امر کا محتاج نہیں ہے کہ نتیجہ کیا ہوگا۔ اگر فرض فرض ہے تو ہمیں
چاہیئے کہ ہم اسے پورا کریں۔ نتیجہ پر غور کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ دنیا میں بیج ہے۔ زمین
ہے انسان ہے اور اس دنیا پر خدا بھی ہے۔ کیا تم خدا کا کام خدا کی زمین پر کر سکتے
ہو؟ تم تو یہ کر سکتے ہو کہ تمہاری جھولی میں جو دانہ ہے۔ زمین کے سپرد کر دو۔ پھر وہ
خدا ہے جو اپنی رحمت کو بھیجتا ہے۔ اور اپنے بادل کو برساتا ہے۔ اور جو بیج تم نے
زمین کے سپرد کر دیا تھا اس کو بار آور کرتا ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ زمین صالح ہو۔ دانہ
سچا ہو۔ اگر تمہارے ایمان کا دانہ سچا ہے اور اپنے دل کی جس سرزمین میں ڈالا ہے
وہ سرزمین شور نہیں ہے تو ضرور وہ زمین کے پردے کو چاک کرے گا اور اپنی کامیابی
کا سر نکالے گا۔ اگر اس وقت میں آپ کے سامنے یہ لاؤں کہ جو ایمان کے علاوہ،
عمل صالح کے عام اور عالمگیر اصول کے علاوہ، ترک موالات اور تحریک خلافت
کے مسئلہ میں جو کام درپیش ہیں۔ وہ کونسے ہیں تو میرے دوستو! جلد بازی سے

مقصد یہ تھا کہ قرآن مجید نے جو صداقت نوعِ انسان کے آگے کامیابی کے لئے پیش کی ہے اور اب سے تیرہ سو برس پیشتر جو ایک اٹل اور لازوال پروگرام بنا دیا ہے یہ اس کی چار دفعات ہیں۔ اگر وہ کوئی سفر ہے تو یہ اس کی چار منزلیں ہیں۔ ہم کو ایک منٹ کے لئے غور کرنا چاہیئے کہ کیا دنیا میں کوئی کامیابی بلا ایمان مل سکتی ہے۔ کیا تم شک کا روگ اپنے پہلو میں لے کر دنیا کی چھوٹی چھوٹی کامیابی پا سکتے ہو۔ کیا تم دنیا میں ایک مٹھی بھر جَو اور چاول بھی پا سکتے ہو؟ جب تک تمہارے اندر طلب کے لئے حق نہ ہو۔ کیا ایک لمحہ کے لئے دنیا کی کوئی کامیابی اپنا چہرہ تمہیں دکھا سکتی ہے جب تک تم حق کی راہ میں قربانیاں چڑھانے کے لئے تیار نہ ہو۔ خدا کی اس کائنات کے ایک ایک ذرہ کے اندر اس حقیقت کی عالمگیر تصدیق موجود ہے۔ اور اس دنیا میں کامیابی کا کوئی چہرہ نہیں دیکھ سکتا جب تک وہ ایمان۔ حق اور صبر کی منزل سے نہ گزرے۔ اللہ کا ہر قانون ہر اُڑنے والے پرندے کے لئے ہے۔ کیا خدا اپنا قانون تمہارے لئے بدل دے گا؟ کیا خدا تمہاری غفلتوں کا ساتھ دے گا؟ اگر تم اپنی غفلت کی وجہ سے اس دھوکے میں پڑے ہو تو تم سے بڑھ کر اپنی موت کی طرف بھاگنے والا کوئی نہیں ہے۔

میرے دوستو! آج ہمارا پہلا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ ہم اپنی گزشتہ کامیابیوں کے افسانے نہ دہرائیں۔ بلکہ ہر شخص اپنے عمل کا احتساب کرے اور اپنے دل سے پوچھے کہ کیا واقعی اس کے دل کے اندر ایمان کا بجھا ہوا چراغ روشن ہو گیا؟ کیا واقعی اس کے اندر عملِ صالح پیدا ہو گیا؟ کیا واقعی اس کے اندر حق پیدا ہو گیا؟ اب اس پروگرام میں آخری منزل قربانی کی ہے۔ اگر اس کے لئے تیار ہو تو اللہ کی کامیابی تمہارے استقبال کے لئے تیار ہے۔ اگر ایمان ہمارے اندر پیدا نہیں ہوا ہے۔ اگر اب تک ہمارا دل شک سے خالی نہیں ہے۔ اگر ہمارے دل کے اندر حق کا یہ پہلا احساس نہیں پیدا ہوا ہے تو جو کچھ کہ ہم یہ کر رہے ہیں اگر یہ سچ ہے تو ضرور ہے کہ کامیابی نہ ہو۔ اور دنیا کی ساری طاقتوں کو اس کے مقابل میں فتح ہو۔ اگر اللہ کی چوکھٹ سے بھاگے

کرسکتے۔ ہم میں سے ہر ایک مسلمان اور ہندو کا سب سے بڑا پاک اور اشرف فرض ہے کہ جہاں تک جلد ممکن ہو اس معاملہ کو کامیابی تک پہنچا دیں۔ جب تک یہ منزل طے نہ ہوگی اور کوئی منزل ہمارے سامنے نہیں آسکتی۔ خصوصاً مسلمانوں کے لئے ایک بڑا کام جو ان کے جسم کی قربانی سے تعلق رکھتا ہے وہ یہ معاملہ ہے کہ وہ ان باریک کپڑوں کو جو انچسٹر اور لنکاشائر سے آتے ہیں اور ان کے ملک کو تباہ کر رہے ہیں۔ ان کو اتار دیں اور ان کو اپنے لئے جائز نہ رکھیں۔

دوسرا کام ان کے لئے اس جسم کی قربانی کے ساتھ ان کے سامنے پیش کرتا ہوں وہ کون سی قربانی ہے؟ میرے دوستو وہ مال کی قربانی ہے۔ جس کے لئے تمہیں تیرہ سو برس سے پکارا جاتا ہے کہ اپنی جانوں اور مال کو سچائی کی راہ میں قربان کرو۔ اگر آج مسلمانوں کے بس میں اتنا نہیں ہے کہ وہ سمرنا پہنچیں اور دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں اپنی لاشیں تڑپائیں۔ اگر آج مسلمانوں کی قسمت میں یہ دولت نہیں لکھی ہے تو کتنے افسوس کی بات ہے کہ وہ وہاں کے مسلمان بھائیوں کی روپیہ سے بھی مدد نہ کریں۔ ہندوستان کا کوئی مسلمان اپنے کو مسلمان کہنے کا حق نہیں رکھتا جب تک وہ زیادہ سے زیادہ اپنے مال کو آج حکومت انگورہ اور مجاہدین انگورہ کے لئے قربان نہ کردے۔

بلاشبہ مرکزی خلافت کمیٹی کا یہ فرض تھا کہ وہ سب سے پہلے اس امر کی تکمیل کے لئے کوشش کرتی۔ لیکن طرح طرح کی مشکلات حائل تھیں۔ ضرورت تھی کہ جتنا روپیہ ہندوستان میں فراہم ہو اس کو براہ راست غازی مصطفےٰ کمال پاشا تک پہنچانے کا مرکزی خلافت کمیٹی کوئی انتظام کرتی اور ملک کو دعوت دیتی الحمد للہ مرکزی خلافت کمیٹی نے اس کا انتظام کر لیا۔ کہ ہر اس پیسہ کو جو ہندوستان میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے لئے دیا جائے۔ وہ براہ راست غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے نام بھیجے۔ اور براہ راست ایک رسید ان کے ہاتھ کی حاصل کرے۔ چنانچہ دس ہزار کی ایک قسط حال میں بھیجی گئی۔

کام نہ لیا کہ وہ کام آج تحریک خلافت کے لئے کیا مفید ہو سکتے ہیں؟ تمہارا فرض یہ نہیں ہے کہ تم ان کاموں کو اختیار کرو جو تحریک خلافت کے لئے مفید ہیں! بلکہ تمہیں چاہیئے کہ تم وہ کام کرو جو تمہارا فرض ہے۔ قربانیوں کی جو پہلی منزل تھی جب تک قدم اس منزل کے آگے نہ بڑھ جائے۔ دعویٰ قربانی نہیں مانا جا سکتا۔

میں کہتا ہوں کہ میری طرف نہ دیکھو، اپنے گریبان کی طرف دیکھو۔ وہ کپڑا جو تمہارے جسم پر ہے۔ وہ باریک ململیں جو تم نے اپنے جسموں پر لپیٹی ہیں ان سے کتنی بڑی خدمت اپنے دشمنوں کی تم انجام دے رہے ہو۔ تمہارے ملک سے نوّے کروڑ روپیہ ہر سال ان کپڑوں کے ذریعہ ان خزانوں میں جاتا ہے جو پانچ سال سے اسلام کے مٹانے میں صرف کیا جا رہا ہے۔ ترک موالات میں اس سے بڑھ کر کوئی اور مسئلہ ہو سکتا تھا۔ تمہارے عمل کے لئے یہ علت نہیں ہو سکتی کہ تم دوسروں کو کتنا نقصان پہنچا سکتے ہو۔ تمہارے لئے سچا اصول یہ ہے کہ تم اپنے دل کو کتنا فائدہ پہنچا سکتے ہو۔ اور تمہاری کامیابی کے لئے۔ خلافت کے لئے۔ سوراج کے لئے پہلی چیز یہ تھی۔ کہ ملک کے اندر اپنی قربانی کا ولولہ پیدا ہو۔ مقصد کے لئے، ملک کے لئے، حق کے لئے تکلیف اٹھانے کا ایک ولولہ پیدا ہو۔ اس وقت ضرورت تھی کہ قربانی کا سبق آئے، جو سبق تمہارے سامنے آیا وہ جان، گردن اور رگوں کا نہ تھا۔ محض ان کپڑوں کا تھا۔ اگر اس کو تم کامیابی کے ساتھ طے نہیں کر سکتے۔ اگر تمہارے دل میں اتنا عشق نہیں ہے کہ تم ان باریک کپڑوں کو چھوڑ کر موٹے کپڑے پہن سکو تو کیا تمہارے دل میں یہ آ سکتا ہے۔ کہ تم خدا کی زمین میں بسنے کی ہمت کرو۔ غیر ملکی کپڑوں کا بائیکاٹ جب تک ملک کی اس منزل کو طے نہ کرو قربانی کی کوئی منزل سامنے نہیں آ سکتی۔ تیس ستمبر کا زمانہ خلافت کمیٹی نے اسی لئے قرار دیا تھا۔ مگر ہماری کامیابیوں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی دردانگیز داغ نہیں ہو سکتا کہ ۳۰ ستمبر کی صبح آئی اور ہماری غفلت پر رو کر چلی گئی۔ اب تک وہ لباس موجود ہے جس کی وجہ سے ہندوستان غلام بنایا گیا۔ جس کے ذریعہ ان کے بہترین مقاصد پامال کئے گئے۔ کیا ہم کو حق پہنچتا ہے کہ ہم یہ کہیں کہ ہم اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر تم اپنی جانیں قربان کر سکتے ہو تو تم کو کیا ہو گیا ہے کہ تم اپنے لباس کو قربان نہیں

خطبۂ صدارت

بنگال خلافت کانفرنس

۲۸-۲۹ فروری سنہ ۱۹۲۰ء

برادران و بزرگانِ ملک وملت!

آپ کے صوبہ کی یہ پہلی خلافت کانفرنس ہے جس کی صدارت کی عزت مجھے دی گئی ہے۔ آپ کی کمیٹی کے معزز اراکین میں سے ہر رکن یقیناً اس بات سے واقف ہوگا کہ اس قسم کی رئیسانہ اور رسمی حیثیت کا اختیار کرنا میری زندگی میں سب سے پہلا واقعہ ہے۔ اور اس طریق عمل سے مجھے روگرداں و منحرف ثابت کرتا ہے جس پر نہایت اصرار کے ساتھ قائم رہنے کی ہمیشہ کوشش کرتا رہا ہوں۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں جب کہ میری موجودہ پبلک زندگی کا بالکل ابتدائی عہد تھا۔ مجھے موقع ملا کہ اپنی آئندہ زندگی کے لئے ایک "مذہب عمل" قرار دے لوں۔ خدمت ملک وملت کے دشت ناپیدا کنار کی طرف قدم اٹھائے ہوئے اصول عمل کی مختلف راہیں میرے سامنے تھیں اور میں چاہتا تھا کہ میرا سفر اس دانشمند مسافر کی طرح ہو جس نے سفر سے پہلے راہ و منزل کے سارے مرحلوں پر غور کر لیا ہے۔ اس طوفانی کشتی کی طرح نہ ہو جس نے ہوا کے جھونکوں اور سمندر کی موجوں پر اپنے سفر کا رخ اور کنارے کی جستجو چھوڑ دی ہے۔ اس وقت اپنے مذہب عمل کی نسبت جن اصولی مسائل کا میں نے قطعی فیصلہ کر لیا تھا ان میں ایک خاص مسئلہ یہ بھی تھا کہ اپنی زندگی کے ہر حصہ میں ہمیشہ مجلسوں

ہنے کے لئے ہمیشہ سخت رہا ہوں اور موجودہ زمانہ کی لیڈرشپ کی دلفریب سے
ل فریب نمائشیں اور ابناء عصر کی رفاقت و معیت کی صبر آزما دلچسپیاں بھی کبھی اس بارے
ں میرے لئے مؤثر نہیں ہوئی ہیں۔

اسی بنا پر جب آپ کے لائق اور سرگرم سکریٹری کا تار مجھے بنارس میں ملا اور انہوں
نے لکھا کہ کانفرنس کی صدارت تم کو منظور کر لینی چاہیئے تو میں نے ادا تشکر و امتنان کے بعد
پنے آپ کو اس سے معذور ظاہر کیا۔

لیکن جب میں کلکتہ پہنچا اور اس بارے میں زبانی گفتگو ہوئی تو کچھ عرصہ کی رد و کد
ے بعد میں نے منظور کر لیا۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ یقیناً اپنے دستور العمل سے ایک
ھلا انحراف ہے۔ لیکن آپ یقین کیجئے کہ اس انحراف کے لئے جس چیز نے مجھے مجبور کیا
ں کی حفاظت بھی میرے لئے تمام اصولوں اور قاعدوں سے زیادہ ضروری تھی۔ اصول مقاصد
ے لئے ہیں۔ مقاصد اصول کے لئے نہیں ہیں۔ پس دنیا کے اس سچے اور قدرتی قانون کی بنا پر کہ ہر
ی چیز کے لئے چھوٹی چیز کو اور ہمیشہ مقاصد کے لئے وسائل کو قربان کر دینا چاہیئے میں
یار ہو گیا کہ مقصد کی راہ میں مقصد کے ایک وسیلے یعنی اپنے طریق عمل کو خیرباد کہہ دوں
ر اس مجلس کی صدارت منظور کرنے سے انکار نہ کروں۔

حضرات میں چاہتا ہوں کہ نہایت صفائی کے ساتھ بے پردہ وہ اصلی سبب بھی
رض کر دوں جس نے مجھے یکایک اپنے طریق عمل کے برخلاف اس بات کے لئے آمادہ کر دیا
پ کو معلوم ہے کہ مجھے نظر بندی کے گوشۂ قید و عزلت سے نکلے ہوئے بمشکل ابھی پورے
مہینے ہوئے ہوں گے لیکن اس تھوڑے عرصہ کے اندر ہی میں نے پوری طرح اندازہ کر لیا
ہے کہ موجودہ اسلامی و ملکی مسائل کی نسبت کام کرنے والوں کے طریق عمل کا کیا حال ہے
جھے صاف صاف عرض کر دینا پڑتا ہے کہ ملک کے کارفرما طبقہ کی نسبت اب سے سات
ال پہلے جو رائیں میں نے قائم کی تھیں اور جن کی وجہ سے بسا اوقات نہایت قیمتی اور محبوب
فاقتوں سے بھی دست برادر ہو جانا پڑتا تھا۔ بدقسمتی سے اب تک ان میں تبدیلی
ا وقت نہیں آیا ہے۔

کی صدارت انجمنوں کے عہدوں اور اسی طرح کے تمام رئیسانہ اور رسمی منصوبوں سے یکقلم کنارہ کش رہوں گا۔

یہ فیصلہ در اصل میرے ایک بنیادی اور دینی اعتقاد کا قدرتی نتیجہ تھا میں نے اپنے لئے جو راہِ عمل منتخب کی تھی وہ دعوت و تبلیغ کی راہ تھی۔ موجودہ زمانہ کی مصطلحہ لیڈرشپ کی راہ نہ تھی۔ میرے سامنے اتباع و اقتدار کے لئے نوعِ انسانی کے ان مخصوص افراد کا نمونہ تھا جو دنیا میں خدا کے رسولوں اور پیغمبروں کے نام سے پکارے گئے ہیں اور جن کے طریقِ عمل کو اسلام کی اصطلاح میں "حکمت" اور "سنت" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ میں اپنی راہ طلبی کا ہاتھ ابراہیم و محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام کے رہنما ہاتھوں میں دے دینے کے لئے مضطرب تھا۔ گریبالڈی۔ میزینی یا گلیڈاسٹن اور پارنل بننے کا عشق میرے اندر نہ تھا۔ پس یہ تو ضروری تھا کہ میرا وجود کسی گوشۂ فقر و نامرادی میں خدمت و محنت کا ایک غیر دلچسپ منظر ہوتا۔ یا انسانوں کے کسی ہجوم میں ایک پکارنے والے کی بے پروا پکار۔ لیکن یہ بالکل ناممکن تھا کہ بیسویں صدی کے فراموش کردہ عہدِ نبوت و مذاہب کا ایک دلدادہ، انجمنوں کا عہدہ دار اور مجلسوں کا باقاعدہ پریزیڈنٹ ہو۔ خدا کے رسولوں کا طریقِ خدمت و دعوت اور بیسویں صدی کے لیڈروں کا طریقِ ریاست و حکومت ایک زندگی میں جمع نہیں ہو سکتے۔

حضرات مذاہب عمل کے اس بنیادی اعتقاد نے میرے لئے قدم قدم پر مشکلات پیدا کر دیں۔ باوجود کارکن رفیقوں کی موجودگی کے مجھے ہمیشہ اپنی راہ میں صحرا کے درخت کی طرح بے مونس و رفیق اور اپنے سایہ ہی پر قانع رہنا پڑا۔ یہ مدنیت زار عالم جو اپنے ہر گوشہ میں معیتوں اور رفاقتوں کے راحت افزا جلووں سے معمور ہے میرے لئے ہمیشہ سمندر رہی یا ایک صحرائے ریگزار۔ لیکن کبھی ایک آبادی اور بستی کا اس نے کام نہیں دیا۔ اور نہ کبھی میں اپنے تئیں اس قابل بنا سکا کہ اس کی رفاقتوں کا ساتھ دے سکوں۔ تاہم آپ حضرات کے لئے یہ عرض کرنا ضروری نہیں ہے کہ جہاں تک ایک ناچیز انسانی ہستی ارادہ کے ساتھ عمل کو جمع کر سکتی ہے میں اپنے اصولوں پر قائم

نے ہماری غفلتوں کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ اپنی ازلی بے پروائی کے ساتھ نتائج وعواقب کی آخری منزل تک بڑھتا چلا آیا ہے۔ اب موت وحیات۔ بقاؤ فنا، ایمان و کفر اور خدا اور ماسوی اللہ کی منزل ہمارے سامنے ہے اور اس لئے میں قابلِ ملامت نہیں ہوں۔ اگر حسنِ بیان اور اظہار بلاغت کے پُر پیچ آداب و قواعد کو موت وحیات کی کشمکش میں سنبھال نہیں سکتا۔ یہ حالات دیکھ کر میں نے ارادہ کر لیا کہ اگر مجھ کو ایک مجلس کے صدر کی حیثیت سے اظہارِ مطالب کا موقع ملتا ہے تو میں اس سے انکار نہ کروں۔ اور اگر صدارت کے حقوق واختیارات کو اصل مقصد کے لئے استعمال کر سکتا ہوں تو اس کو ایک مفید فرصت تصور کروں۔ شاید اس طرح اس صحیح راہِ عمل کی طرف کوئی قدم اٹھ سکے۔ جس کو بارہ سال سے اپنے سامنے رکھتا ہوں۔ لیکن رفیقانِ طریق نے ہمیشہ اس سے اعراض کیا ہے اور آج بھی جب کہ اس اعراض کے نتائج سامنے ہیں۔ تذبذب و اضطراب وعمل، عزم وایمان کے استحکام پر غالب نظر آرہا ہے۔

حضرات! صرف یہی ایک خیال تھا جس نے مجھے اس بات پر آمادہ کر دیا کہ آپ نے اپنی محبت اور مہربانی سے جو عزت مجھے دینی چاہی ہے اس سے گریز نہ کروں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں اور آپ کی دلی رفاقت واعانت کا طلبگار۔ ہم سب کو اللہ کے فضل و توفیق پر اعتماد ہے۔ جس کے بغیر کائناتِ ہستی کا کوئی ارادہ اور کوئی عمل کامیابی اور فلاح نہیں پا سکتا۔

اکبر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

خلافت:۔

"خلافت" عربی کا ایک مصدر ہے۔ اس کا مادہ ہے خلف اور اسی سے ہے "خلیفہ"۔ خلیفہ کے لغوی معنی نیابت اور قائم مقام کے ہیں من قولک خلف فلاں

متضاد مناظر کا کچھ عجب عالم ہے جس کو اپنے چاروں طرف پاتا ہوں۔ ایک طرف ملک کی عام پبلک ہے اور سورج کی روشنی کی طرح بالکل یقینی صورت میں دیکھ رہا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر حالت میں وہ کسی صحیح راہِ عمل پر چل کھڑے ہونے کے لئے منتظر و مستعد ہے۔ دوسری طرف کام کرنے والوں کی جماعت ہے اور جس جس پہلو سے دیکھتا ہوں اس پر اب تک وہی تذبذب و اضطراب اور تزلزل و انتشار کا عالم طاری نظر آتا ہے جو تمام پچھلے دوروں میں طاری رہ چکا ہے۔ اب تک مقاصد سے اعراض ہے اور وسائل میں انہماک، اب تک حقیقی مصلحت بینی اور حیلہ جوئی و بہانہ سازی میں امتیاز کی راہ مسدود ہے اور عزم و یقین کی جگہ ظن و شک اور خوف و ہراس کی حکومت قائم ہے۔ زبانوں کی لکنت دور ہو چکی اور شاید چہروں کا ہراس بھی جاتا رہا لیکن دلوں کی دہشت بدستور باقی ہے۔ اور ایمان کی کمزوری نے اب تک روحوں کا ساتھ نہیں چھوڑا ہے۔ زبانیں جس قدر تیز ہیں۔ قدم میں اتنی تیزی نہیں ہے اور اعلان جس قدر بلند آہنگی اور رعد آسائی رکھتا ہے عمل میں اس قدر بلند پیمائی نظر نہیں آتی۔ نیند کو ٹوٹ چکی اور شاید خفتگانِ بسترِ غفلت کروٹیں بھی بدل چکے لیکن آنکھوں میں خمار بدستور باقی ہے۔ اور دھواں بڑھتا جاتا ہے۔ لیکن شعلوں کی چمک کہیں نظر نہیں آتی۔ اگرچہ خدا کے مقدس نام کی تقدیس سے اب کوئی زبان ناآشنا نہیں رہی، لیکن دلوں میں خدا کے ساتھ انسان کا ڈر اور ایمان کے ساتھ نفس کا عشق بھی باقی ہے۔ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اور چاہتے ہیں کہ ان دونوں راہوں کے بین بین کوئی تیسری راہ اختیار کریں۔ حالانکہ تیسری راہ آسمان کے نیچے کوئی نہیں۔ راہیں صرف دو ہی ہیں۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ حضرت مسیح نے کہا۔ "ایک نوکر دو آقاؤں کو خوش نہیں رکھ سکتا۔" مزید برآں بھی فیصلہ یہی ہے مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ یعنی:-

سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے

حضرات! مجھے ملامت کرنے میں جلدی نہ کیجئے۔ اگر میں حقیقت کو اس سے بھی زیادہ بے نقاب دیکھنا چاہتا ہوں۔ افسوس کہ وقت کی جلدی اور قانونِ قدرت کی بے صبری

کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ زمین کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں جاری و ساری ہو کر کرۂ ارضی کو سعادت و امنیت کی ایک بہشت زار بنا دے

لغت کے اعتبار سے یہ اطلاق اس لئے ہوا کہ سب سے پہلے جو قوم اور قوم کا جو فرد خلیفہ ہوا وہ زمین پر اللہ کی عدالت قائم رکھنے میں اللہ کی نیابت اور قائم مقامی رکھتا تھا اور اس کے بعد والی قوم اپنے سابق کی نائب تھی اور ہر خلیفہ سابق کا قائم مقام ظہور اسلام کے بعد جب ارضی خلافت کے وارث مسلمان ہوئے تو اس سلسلہ کا پہلا خلیفۃ اللہ صاحب و شارع اسلام تھا یعنی محمد رسول اللہ صلعم اور پھر اُن کے بعد جن لوگوں کے ہاتھ اسلام کی مرکزی حکومت آئی۔ وہ اس خلیفۃ اللہ کے نائب اور قائم مقام ہوئے۔ اس لئے ان پر خلیفہ کا اطلاق ہوا۔ اور اب تک ہو رہا ہے۔

یہ زمین کی وراثت و خلافت یکے بعد دیگرے مختلف قوموں کے سپرد ہوتی رہی اور وہ دنیا میں اللہ کی طرف سے دینِ حق کے خدمت گزار رہے۔ آیاتِ ذیل میں اسی خلافت کا ذکر ہے۔ وھو الذی جعلکم خلائف الارض۔ ویستخلف ربی قوما غیرکم ط

وہی پروردگار عالم ہے جس نے تم کو زمین میں خلافت دی۔

اگر تم نے اپنا فرض ادا نہ کیا تو میرا پروردگار تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو دے گا

ثم جعلنا کم خلائف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعلمون۔

پھر ان قوموں کے بعد ہم نے تم کو ان کی جگہ دی تاکہ دیکھیں تمہارے کام کیسے ہوتے ہیں واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح۔ اور یاد کرو جب تم کو قوم نوح کے بعد ان کا جانشین بنایا۔ یاداؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا۔

اسی چیز کو زمین کی وراثت سے تعبیر کیا گیا۔

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون

اور زبور میں بھی ہمارا اعلان یہی تھا کہ یقیناً زمین کی حکومت ہمارے صالح بندوں ہی کی وراثت

فلانا فی هذا الامر اذا قام مقامه فیه بعده (ابن فارس) یعنی اگر ایک شخص کسی دوسرے شخص کے بعد اس کا نائب و قائم مقام ہوا تو یہ خلافت ہوئی اور لغت میں اس کو خلیفہ یعنی بعد کو آنے والا اور قائم مقام کہیں گے۔ خواہ یہ نیابت سابق کی موت و عزل کی وجہ سے ہوتی ہو یا غیبت کی وجہ سے یا اپنا اختیار اور منصب سپرد کر دینے کی وجہ سے۔ مفردات امام راغب میں ہے۔ الخلافۃ والنیابۃ من الغیر اما بالغیبۃ المنوب عنه واما لموته واما لعجزه واما لتشریف المستخلف۔

یہ لفظ بھی قرآن حکیم کے اختیارات لغویہ میں سے ہے یعنی عربی زبان کے ان لفظوں میں سے ہے جن کو لغت میں عام معانی کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ مگر قرآن حکیم نے اپنے خاص مصطلحہ شرح معنی کے لئے اختیار کر لیا۔ جیسے ایمان بغیب۔ تقدیر بعث۔ صلوٰۃ وغیر ذالک ایمان کے لغوی معنی یقین اور طمانیت اور زوال خوف و شک کے تھے۔ لیکن قرآن حکیم نے اس کو ایک خاص طرح کے یقین و اقرار اور عمل کے لئے استعمال کیا۔ اور اب ایمان قرآن کی بولی میں عام لغوی معنی کے خلاف ایک خاص اصطلاح قرار پا گئی ہے۔ قرآن کی زبان میں "خلافت" اور "استخلاف فی الارض" اور "وراثت و تمکن فی الارض" سے مقصود زمین کی قومی عظمت و ریاست اور قوموں و ملکوں کی حکومت و سلطنت ہے۔ قرآن حکیم اس کو سب سے بڑی نعمت قرار دیتا ہے جو اچھے یقین اور اچھے کاموں کے بدلے اقوام عالم کو دنیا میں مل سکتی ہے۔ قرآن کے نزدیک اس خلافت ارضی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں نوع انسانی کی ہدایت و سعادت کے لئے ایک خاص ذمہ دار قوم و حکومت قائم ہو وہ اللہ کی عدالت کو دنیا میں نافذ کرے۔ ظلم و جور اور ضلالت و طغیان سے اس کی زمین پاک ہو جائے۔ ایک عام امن و سکون اور راحت و طمانیت دنیا میں پھیل جائے۔ اور اللہ کا وہ ہمہ گیر قانون عدل جو تمام کائنات ہستی میں سورج سے لے کر زمین کے ذرات تک نافذ و قائم ہے اور جس کو قرآن اپنی زبان میں صراط مستقیم

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کی زندگی دشمنوں سے گھری ہوئی تھی اور قلت تعداد اور بے سروسامانی حال کے ساتھ دشمنوں کے پے در پے حملوں کا یہ حال تھا کہ کسی وقت بھی ہتھیار اپنے جسم سے دور نہیں کر سکتے تھے۔ اس وقت بعض مسلمانوں کی زبان سے بے اختیار یہ جملہ نکل گیا ماباء تی علینا یوم فامن فیہ ونضع عن السلاح۔ ایک دن بھی ہم پر ایسا نہیں آیا کہ امن و بے خوفی کے ساتھ صبح و شام بسر کرتے۔ اور ہتھیار اپنے جسم سے الگ کر سکتے۔ ابوالعالیہ راوی ہیں کہ اس پر مندرجہ صدر آیت نازل ہوئی اور اللہ نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ مضطرب نہ ہوں۔ ایمان و عمل صالح کا پھل عنقریب ملنے والا ہے۔ جب کہ خوف کی جگہ امن ہوگا۔ مظلومی و بیچارگی کی جگہ فرمانروائی و کامرانی ہوگی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زمین کی خلافت انہی کے قبضۂ اقتدار میں آجائے گی۔ (تفسیر طبری جلد ۱۸ صفحہ ۲۶۲)۔

اس آیت سے ضمناً یہ بات ثابت ہوگئی کہ قرآن حکیم کے نزدیک جو چیز خلافت ہے وہ خلافت فی الارض ہے۔ یعنی زمین کی حکومت و تسلط۔ پس اسلام کا خلیفہ ہو نہیں سکتا جب تک بموجب اس آیت کے زمین پر کامل حکومت و اختیار اسے حاصل نہ ہو وہ مسیحیت کے پوپ کی طرح محض ایک آسمانی و دینی اقتدار نہیں ہے جس کے لئے دلوں کا اعتقاد اور پیشانیوں کا سجدہ کافی ہو۔ وہ کامل معنوں میں سلطنت و فرماں روائی ہے۔ اسلام کے قانون میں دینی اور روحانی اقتدار خدا اور رسول کے سوا کوئی انسانی وجود نہیں رکھتا۔ ایسے اقتدار کو قرآن نے شرک قرار دیا ہے اور اس کا مٹانا اس کے ظہور کا پہلا کام تھا اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ اور ماکان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون ۔

اللہ کے تمام وعدوں کی طرح یہ وعدہ بھی پورا ہوا۔ آٹھ نو سال بعد جب داعیٔ اسلام دنیا سے تشریف لے گئے تو تمام جزیرۂ عرب مسلمانوں کے قبضۂ اقتدار میں آچکا تھا

میں آئے گی۔

یہی چیز زمین کی تمکین یعنی طاقت وعظمت کا جماؤ اور قیام بھی ہے جو سرزمین فراعنہ میں کنعان کے ایک اسرائیلی نوجوان نے حاصل کی تھی۔ جب کہ وہ غلامی کی حالت میں وہاں فروخت کیا گیا اور پھر اپنے عمل حق وصالح کی قوت سے ایک دن مصر کے تاج و تخت کا مالک ہوگیا۔

کذٰلک مکنا لیوسف۔ اس طرح ہم نے یوسف کی عظمت مصر میں قائم کردی۔ اور اسی کا مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا تھا۔

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر واللہ عاقبۃ الامور۔

وہ لوگ کہ اگر ہم ان کی طاقت زمین میں جما دیں تو ان کا کام یہ ہوگا کہ نماز کو قائم کریں گے۔ زکوٰۃ ادا کریں گے۔ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے دنیا کو روکیں گے۔

اس آیۂ کریمہ سے صاف طور پر یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ تمکین فی الارض یعنی حکومت کا مقصد اصلی قرآن حکیم کے نزدیک کیا ہے؟ معلوم ہوگیا کہ صرف یہ ہے کہ اللہ کی عبادت دنیا میں قائم کی جائے۔ نیکی اور راستی کا اعلان وظہور ہو۔ برائی سے نوع انسانی کے دلوں اور ہاتھوں کو روک دیا جائے۔

دوسری آیت میں اس کو خلافت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم ولیبدلنھم بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل انجام دیئے اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ انہیں زمین کی خلافت دے گا۔ ٹھیک۔ اسی طرح جس طرح پچھلی قوموں کو دی جا چکی ہے اور ایسا کرے گا کہ ان کے لئے ان کا دین حق قائم ہوجائے گا اور خوف کی گھڑیاں امن کی خوشحالی وکامرانی سے بدل دی جائیں گی۔

خلافت راشدہ کے حقیقی خصائص ناپید ہو گئے تھے۔ خلفاء بنو امیہ سے لے کر آج تک جو سلسلہ خلافت اسلامیہ جاری ہے، وہ اسی دوسری قسم میں داخل ہے۔ احادیث میں پہلے سلسلہ کو بوجہ غلبہ طریق ہدایت و نبوت خلافت کے لفظ سے اور دوسرے کو بوجہ غلبہ سیاست و شخصیت پادشاہت کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ الخلافة بعدی ثلاثون عاما ثم ملك بعد ذالك (اخرجه اصحاب السنن) اور حدیث ابو ہریرہ الخلافة بالمدينة والملك بالشام۔ ایک دوسری حدیث میں بالترتیب تین دور بتلائے گئے ہیں "نبوة ورحمة، ثم خلافت ورحمة" وفی لفظ خلافة علی منهاج النبوة ثم يكون ملك عضوض (رواه البزار وقال السيوطی حسن) امیر معاویہ نے اسی نسبت کہا تھا۔ ہم نے عہد ملوکی پر قناعت کر لی۔

آخری حدیث کے مطابق تین دور ہوئے۔ عہد نبوت و رحمت۔ خلافت و رحمت پادشاہی و فرمانروائی۔ پہلا دور آنحضرت صلعم کی وفات پر ختم ہو گیا۔ دوسرا دور فی الحقیقت عہد نبوت کا ایک تتمہ اور لازمی جزو تھا (جیسا کہ سلسلہ دعوت اور تکمیل کاروبار شرائع میں ہمیشہ سنت اللہ رہی ہے) جو حضرت امیر علیہ السلام پر ختم ہو گیا اس کے بعد سے مجرد عہد پادشاہی و استبدادی شروع ہوا۔ جو آج تک جاری ہے۔ اس دور کی بہت سی مختلف شاخیں علیحدہ علیحدہ حدیث میں بتلائی گئی تھیں اور وہ ٹھیک ٹھیک ظہور میں آئیں۔ نبوت و رحمت کی برکات کی محرومی و فقدان کا ایک تدریجی تنزل تھا اور بدعات و فتن کے ظہور و احاطہ کی ایک تدریجی ترقی تھی کالحصير عودا عودا جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے شروع ہوئی اور جس قدر عہد نبوت سے دور بڑھتی گئی اتنی ہی عہد نبوت اور خلافت رحمت کی سعادتوں سے امت محروم ہوتی گئی۔ یہ محرومی صرف امامت و خلافت کبریٰ کے معاملہ ہی میں نہیں ہوئی۔ بلکہ قوام و نظام امت کے مبادیات و اساسات سے لے کر حیات شخصی و انفرادی کی اعتقادی و عملی جزئیات تک، ساری باتوں کا یہی حال ہوا۔ فتنہ و فساد کے اس سیلاب کو صرف ایک دیوار روکے ہوئے تھی جو بقول حضرت حذیفہؓ ہم صحابہ باغلق

اور رومیوں کے مقابلہ کے لئے اسلامی فوجیں مدینہ سے نکل رہی تھیں۔ اس سلسلۂ خلافت اسلامیہ کا پہلا خلیفہ اللہ خود حضرت داعی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وجود مقدس تھا۔ اور اپنے بعد کے جانشینوں کو خود لفظ خلفاء سے تعبیر فرماکر واضح کر دیا تھا کہ وہ آپ کے نائب اور قائم مقام ہوں گے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین (ابن ماجہ عن العرباض بن ساریہ) وامثالہا۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب جانشین ہوئے تو وہ خلیفۂ رسول اللہ تھے۔

خلافتِ خاصہ وخلافت ملوکی:۔

آنحضرت کے بعد خلافت اپنے خصائص ونتائج کے اعتبار سے دو بڑے سلسلوں میں منقسم ہوگئی۔ خود آں حضرت نے نہ صرف ان کی پیشین سے خبر ہی دے دی تھی بلکہ تمام علائم وخصائص صاف صاف بیان کر دیئے تھے۔ اس بارے میں جو احادیث موجود ہیں وہ کثرت طرق شہرت۔ متن۔ قبول طبقات کی بنا پر حدِ تواتر تک پہنچ چکی ہیں۔ پہلا سلسلۂ خلافت خلفاء راشدین مہدیین کا تھا۔ جن کی خلافت منہاج نبوت پر تھی۔ یعنی وہ صحیح وکامل معنوں میں منصبِ نبوت کے جانشین اور جامعیت شخص رسالت کے قائم مقام تھے۔ ان کا طریق کار ٹھیک ٹھیک طریق نبوت کے مطابق تھا۔ اور اس لئے گویا عہدِ نبوت کا آخری جز تھا اور جس طرح وجودِ نبوت میں مختلف حیثیتوں کا اجتماع تھا اسی طرح ان کی شخصیت بھی جامع وحاوی تھی۔ دینی دعوت اور شرعی اجتہاد وامر، حکومت وفرمانروائی اور قوام ونظام شرع، نظام شریعت اور نظام سیاست یہ تمام قوتیں ان کی ذات واحد میں جمع تھیں۔ ان کی حکومت سچے اور حقیقی اسلامی نظام پر تھی۔ یعنی حکومت شوریٰ، جس کو آج کل کی زبان میں ایک نازک تشبیہ کے ساتھ ری پبلک کہہ سکتے ہیں۔ یہ سلسلہ حضرت علی علیہ السلام پر ختم ہوگیا۔

دوسرا سلسلۂ خلافت منہاج نبوت سے الگ مجرد حکومت وبادشاہت کا تھا۔ جب کہ عجمی بدعتیں خالص اسلامی وعربی تمدن سے مل کر ایک بنیاد رشروع کر رہی تھیں یہ سلسلۂ خلافت اگرچہ بعد کی خلافتوں کے مقابلے میں پہلے سلسلے سے اقرب تھا۔ لیکن

ترقی و تنزل اور سعادت و شقاوت کے جو اصولی اسباب و مراتب قرآن حکیم نے بیان کئے ہیں ان کی سب سے زیادہ اہم حقیقت انہیں الفاظ کے اندر پوشیدہ ہے اجتماع کے معنی ہیں ضم الشیء بتقریب لبعضہ من بعض (مفردات امام راغب ۹۵) یعنی مختلف چیزوں کا باہم اکٹھا ہو جانا۔ اور ائتلاف "الف" سے ہے۔ اس کے معنی ہیں ما جمع من اجزاء مختلفۃ و رتب ترتیبا، فقدم فیہ ما حقہ ان یقدم، و اخر فیہ ما حقہ ان یوخر (مفردات ۱۹۰) یعنی مختلف چیزوں کا اس تناسب اور ترتیب کے ساتھ اکٹھا ہو جانا کہ جس چیز کو جس جگہ ہونا چاہیئے وہی جگہ اس کو ملے جو پہلے ہونے کی حقدار ہے وہ پہلے رہے۔ جس کو آخری جگہ ملنی چاہیئے وہ آخری جگہ پائے۔" عہد اجتماع و ائتلاف سے مقصود وہ حالت ہے جب مختلف کارکن قوتیں کسی ایک مقام۔ ایک مرکز، ایک سلسلے۔ ایک وجود۔ ایک طاقت اور ایک فرد واحد میں اپنی فطرتی اور مناسب ترکیب و ترتیب کے ساتھ اکٹھی ہو جاتی ہیں اور تمام مواد، قوی۔ اعمال اور افراد پر ایک اجتماعی اور انضمامی دور طاری ہو جاتا ہے۔ بحد یکہ ہر وقت اکٹھی، ہر عمل باہمد گر جڑا اور ملا ہوا، ہر چیز بندھی اور سمٹی ہوئی ہر فرد زنجیروں کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے متحد و متصل ہو جاتا ہے۔ کسی چیز کسی گوشے، کسی عمل میں علیحدگی نظر نہیں آتی۔ جدائی۔ انتشار اور الگ الگ جزو جزو، فرد فرد ہو کر رہنے والی حالت نہیں ہوتی۔ مادہ میں جب یہ اجتماع و انضمام پیدا ہو جاتا ہے تو اسی سے تخلیق و تکوین اور وجود ہستی کے تمام مراتب ظہور میں آتے ہیں اسی کو قرآن حکیم نے اپنی اصطلاح میں مرتبۂ "تخلیق و تسویہ" سے بھی تعبیر کیا ہے الذی خلق فسوی۔ پس زندگی اور وجود نہیں ہے مگر اجتماع و ائتلاف۔ اور موت و فنا نہیں ہے مگر اس کی ضد۔ یہی حالت جب افعال و اعمال پر طاری ہوتی ہے تو اخلاق کی زبان میں اس کو "خیر" اور شریعت کی زبان میں "عمل صالح" اور "حسنات" کہتے ہیں۔ جب جسم انسانی پر طاری ہوتی ہے تو طب کی اصطلاح میں تندرستی سے تعبیر کی جاتی ہے اور حکیم کہتا ہے کہ یہ "زندگی" ہے۔ اور پھر یہی حالت

حضرت عمرؓ کا وجود تھا۔ جونہی یہ بنیان مرصوص ہٹی وہ سیلاب عظیم امڈا اور پھر کوئی سد و بند اس کی راہ نہ روک سکا۔ اسی سیلاب کو حضرت حذیفہ کی روایت میں التی تموج کموج البحر (رواہ البخاری) سے تعبیر کیا گیا تھا۔ یعنی سمندر کی موجوں کی طرح اس کی موجیں اٹھیں گی۔ سو واقعی اٹھیں اور دور خلافت و رحمت اور خلافۃ علیٰ منہاج النبوۃ کی عظیم الشان عمارت اس کے تلاطم و طغیان میں آناً فاناً بہہ گئی۔

احادیث میں نہایت کثرت کے ساتھ اسلام کے ایک آخری دور کی بھی خبر دی گئی ہے۔ جو اپنے برکات کے اعتبار سے دورِ اول کے خصائص تازہ کر دے گا اور جس کا حال یہ ہو گا کہ لا یدری اولہا خیر ام اخرہا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ امت کی ابتدا زیادہ کامیاب تھی یا اس کا اختتام؟ یہی وہ آخری زمانہ ہو گا جب اللہ کا اعلان اپنے کامل معنوں میں پورا ہو کر رہے گا کہ لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون۔ دین اسلام اور اس کا رسول اس لئے آیا تھا کہ تمام دینوں اور قوموں پر بالآخر غالب ہو کر رہے۔ (کیونکہ آخری غلبہ و تفاصرف اصلح کے لئے ہے اور تمام دینوں میں اصلح صرف اسلام ہی ہے) یہی وجہ ہے کہ مایوسیوں اور نامرادیوں کی اس عالمگیر تاریکی میں بھی جو آج چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے ایک مومن قلب کے لئے فتح و اقبال کی روشنیاں برابر چمک رہی ہیں۔ بلکہ جس قدر تاریکی بڑھتی جاتی ہے اتنا ہی زیادہ طلوعِ صبح کا وقت قریب آجاتا ہے۔ ان موعدھم الصبح، لیس الصبح بقریب۔

تفاوت ست میانِ شنیدنِ من و تو
تو بستن در و من فتح باب می شنوم

عہدِ اجتماع و ائتلاف، و دورِ انشات و انتشار

آپ آزردہ خاطر نہ ہوں اگر موضوع کی وسعت چند لمحوں کے لئے مجھے اپنے طرف و جوانب کی طرف بے اختیار مائل کر لے۔ اس مقام کی مزید وضاحت کے لئے بہتر ہو گا کہ دو خاص اصطلاحی لفظوں کے معانی پر آپ پہلے غور کر لیں۔ ایک "اجتماع اور ائتلاف" ہے۔ دوسرا "انشات اور انتشار" نہ صرف امت اسلامیہ بلکہ تمام اقوامِ عالم کی موت و حیات

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے جابجا اجتماع و ائتلاف کو قومی زندگی کی سب سے بڑی بنیاد، اور اس لئے انسان کے لئے اللہ کی جانب سے سب سے بڑی رحمت قرار دیا ہے اور اس کو اعتصام بحبل اللہ اور اسی طرح کی تعبیرات عظیمہ سے موسوم کیا ہے۔ مسلمانوں کے اولین مادۂ تکوین امت یعنی اہل عرب کو مخاطب کرکے اور پھر تمام عرب و عجم سے فرمایا :-

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا، واذکروا نعمة اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا۔

سب مل جل کر اور پوری طرح اکٹھے ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو سب کے ہاتھ اسی ایک حبل اللہ سے وابستہ ہوں۔ اللہ کا یہ احسان یاد کرو کہ کیسی عظیم الشان نعمت ہے جس سے سرفراز کئے گئے ہو تمہارا حال یہ تھا کہ بالکل بکھرے ہوئے اور ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اللہ نے تم سب کو باہم ملا دیا اور اکٹھا کر دیا۔ پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اب بھائی بھائی ہو گئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ انتشار و انتشار کی زندگی کو بقا و دوام نہیں ہو سکتا۔ وہ ہلاکی کی ایک آگ ہے جس کے دہکتے ہوئے شعلوں کے اوپر کبھی قومی زندگی نشوونما نہیں پا سکتی۔ وکنتم علی شفا حفرة من النار فانقذکم منها کذالک یبین اللہ لکم اٰیاته لعلکم تھتدون۔

اور تمہارا حال یہ تھا کہ آگ کے دہکتے ہوئے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ پر اللہ نے تمہیں بچا لیا۔ اللہ اپنے فضل و رحمت کی نشانیاں اسی طرح کھولتا ہے تاکہ کامیابی کی راہ پا لو۔

یہ بھی جابجا بتلا دیا کہ قوموں اور ملکوں میں اس اجتماع و ائتلاف کی صالح و حقیقی زندگی پیدا کر دینا محض انسانی تدبیر سے ممکن نہیں۔ دنیا میں کوئی انسانی تدبیر امت نہیں پیدا کر سکتی۔ یہ کام صرف اللہ ہی کی توفیق و رحمت اور اس کی وحی و تنزیل کا ہے۔ کہ بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک بنا دے۔ لو انفقت ما فی الارض

ہے کہ جب قومی وجماعتی زندگی کی قوتوں اور عملوں پر طاری ہوتی ہے تو اس کا نام "حیات قومی واجتماعی" ہوتا ہے۔ اور اس کا ظہور قومی اقبال وترقی اور نفوذ وتسلط کی شکل میں دنیا دیکھتی ہے۔ الفاظ بہت سے ہیں۔ معنی ایک ہیں۔ مظاہر گو مختلف ہیں مگر اس حکیم یگانہ وواحد کی ذات کی طرح۔ اس کا قانون حیات وجود بھی اس کائنات ہستی میں ایک ہی ہے۔ ولنعم ما قیل۔

عبارتنا شتی وحسنک واحد ٭ وکل الی ذاک الجمال یشیر

اس حالت کی ضد اشتات وانتشار ہے۔ "اشتات" شتت سے ہے جس کے معنی لغت میں تفریق اور الگ الگ ہوجانے کے ہیں۔ یقال شت جمعھم شتا وشتاتا، وجاؤا اشتاتا۔ ای متفرقی النظام (مفردات ۲۵۶) قرآن حکیم میں ہے یومئذ یصدر الناس اشتاتا اور من نبات شتی اور وہ قلوبھم شتی۔ ای مختلف۔ انتشار "نشر" سے ہے۔ اس کے معنی بھی الگ الگ ہو جانے کے ہیں۔ یعنی تفریق کے۔ سورۃ جمعہ میں ہے۔ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا (یعنی تفرقوا) اشتات وانتشار سے مقصود وہ حالت ہے جب اجتماع واتحاد کی جگہ الگ الگ ہوجائے۔ متفرق اور پراگندہ ہونے اور باہمد گر علیحدگی وبیگانگی کی حالت طاری ہوجائے۔ مواد میں۔ قوی میں۔ اعمال میں۔ افراد میں، ہر بات میں پہلی حالت سے بالکل متضاد حالت پیدا ہوجائے۔ یہ حالت جب مادہ پر طاری ہوتی ہے تو "تکوین" کی جگہ "فساد" اور وجود کی جگہ عدم وفنا کا اس پر اطلاق ہوتا ہے۔ جسم پر طاری ہوتی ہے تو اس کا نام پہلے "بیماری" اور پھر "موت" ہے۔ اعمال پر طاری ہوتی ہے تو اس کو قرآن حکیم اپنی اصطلاح میں "عمل سوء" اور اور عصیان سے تعبیر کرتا ہے۔ اور پھر یہی چیز ہے کہ جب قوموں اور امتوں کی اجتماعی زندگی پر طاری ہوجاتی ہے تو دنیا دیکھتی ہے کہ اقبال کی جگہ ادبار۔ عروج کی جگہ تسافل۔ ترقی کی جگہ تنزل۔ عظمت کی جگہ ذلت۔ حکومت کی جگہ محکومی۔ اور بالآخر زندگی کی جگہ موت اس پر چھا گئی ہے۔

نہ ہو ہمیشہ جماعت بن کر رہو۔ جب کوئی تنہا اور الگ ہوا تو شیطان اس کا ساتھی ہو گیا دو انسان بھی مل کر رہیں تو شیطان ان سے دور ہے۔ یعنی اتحادی و جماعتی قوت ان میں پیدا ہو گئی۔ اب وہ راہِ حق سے نہیں بھٹک سکتے۔ یہ الفاظ مشہور خطبہ جابیہ کے ہیں جو عبداللہ بن دینار، عامر بن سعد، سلیمان بن یسار وغیرہم سے مروی ہے۔ اور بیہقی نے امام شافعی کے طریق سے نقل کیا کہ انہوں نے اجماع کے اثبات میں اسی روایت سے استدلال کیا۔ اسی طرح حدیث متواتر بالمعنی علیکم بالسواد الاعظم اور فانہ من شذ شذ فی النار۔ اور ید اللہ علی الجماعۃ اور لا یجمع اللہ امتی علی بضلالۃ اور کما قال اور خطبہ حضرت امیر کہ وایاکم والفرقۃ فان الشاذ من الناس للشیطان کما ان الشاذ من الغنم للذئب۔ الا من دعا الی ھذا الشعار فاقتلوہ ولو کان تحت عمامتی ھذہ اور غیر ذلک۔

اس بارے میں معلوم و مشہور ہیں۔ آخری قول و دیگر روایات میں بطریق مرفوع بھی منقول ہے۔ خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ ہمیشہ جماعت کے ساتھ ہو کر رہو۔ جو جماعت سے الگ ہوا اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ افراد تباہ ہو سکتے ہیں۔ مگر ایک صالح جماعت کبھی تباہ نہیں ہو سکتی۔ اس پر اللہ کا ہاتھ ہے اللہ کبھی ایسا ہونے نہ دے گا کہ پوری امت گمراہی پر جمع ہو جائے۔

اسی طرح نماز کی جماعت کی نسبت ہر حال میں التزام پر زور دینا اور اگرچہ امام نااہل ہو۔ لیکن سعی قیام اہل کے ساتھ التزام جماعت کو بھی جاری رکھنا۔ حتیٰ کہ صلوا خلف کل بر و فاجر تو اس میں بھی یہی حقیقت مضمر ہے کہ زندگی جماعتی زندگی ہے انفراد و فرقہ ہر حال میں بربادی و ہلاکت ہے۔ پس جماعت سے کسی حال میں باہر نہ ہونا چاہیئے۔

اور یہی سبب ہے کہ سورہ فاتحہ میں جو قومی دعا مسلمانوں کو سکھلائی گئی اس میں متکلم واحد نہیں ہے بلکہ جمع، حالانکہ وہ فرداً فرداً ہر مومن کی زبان سے نکلنے والی تھی۔ اھدنا الصراط المستقیم فرمایا اھدنی نہیں کہا گیا۔ یہ اسی لئے ہے

جمیعا ۔ ما الفت بین قلوبھم و لکن اللہ الف بینھم انہ عزیز حکیم ۔
اگر تم زمین کا سارا خزانہ بھی خرچ کر ڈالتے جب بھی ان بکھرے ہوئے دلوں کو محبت
و اتحاد کے ساتھ جوڑ نہیں سکتے تھے ۔ یہ اللہ ہی کا فضل ہے ۔ جس نے متفرق دلوں
کو اکٹھا کر دیا ۔

اور اسی لئے قرآن حکیم ظہور شریعت و نزول وحی کا پہلا نتیجہ یہ قرار دیتا ہے
کہ اجتماع و ائتلاف پیدا ہو ۔ اور بار بار کہتا ہے کہ تفرقہ و انتشار شریعت و وحی کے
ساتھ جمع نہیں ہو سکتے ۔ اور اسی لئے یہ نتیجہ شریعت سے بغی و عدوان اور اس کو بالکل
ترک کر دینے کا ہے ۔ فما اختلفتم حتیٰ جاء ھم العلم ۔ و آتیناھم بینات من
الامر فما اختلفوحتیٰ جاء ھم العلم بغیا بینھم ولا تکونوا کالذین تفرقوا
من بعد ما جاء ھم البینات ۔

اور اسی بنا پر شارع نے اسلام اور اسلامی زندگی کا دوسرا نام جماعت
رکھا ہے اور جماعت سے علیحدگی کو " جاہلیت " اور " حیات جاہلی " سے تعبیر کیا ہے
جیسا کہ آگے بالتفصیل آئے گا من فارق الجماعہ فمات فمیتتہ الجاھلیۃ
وغیر ذالک ۔ اور اسی بنا پر بکثرت وہ احادیث و آثار موجود ہیں جن میں نہایت
شدت کے ساتھ ہر مسلمان کو ہر حال میں التزام جماعت اور اطاعت امیر کا حکم دیا گیا
اگرچہ امیر غیر مستحق ہو ۔ نااہل ہو ۔ فاسق ہو ۔ ظالم ہو ، کوئی ہو ۔ بشرطیکہ مسلمان ہو ۔
اور نماز قائم رکھے (ما اقاموا الصلوٰۃ) اور ساتھ ہی بتلا دیا گیا کہ جس شخص نے
جماعت سے علیحدگی کی راہ اختیار کی تو اس نے اپنے تئیں شیطان کے حوالے کر دیا
یعنی گمراہی اور ٹھوکر اس کے لئے ضروری ہے ۔ زنجیر کا توڑنا مشکل ہوتا ہے ۔ لیکن
کوئی کڑی زنجیر سے الگ ہو گئی ہو تو ایک چھوٹے حلقہ کا حکم رکھتی ہے جس کو انگوٹھے
سے مسل دیا جا سکتا ہے ۔ حضرت عمرؓ اپنے خطبوں میں بار بار آنحضرت صلعم سے روایت
کرتے ۔ علیکم بالجماعۃ فان الشیطان مع الفذ و ھو من الاثنین ابعد
دوسری روایت میں ہے ۔ فان الشیطان مع الواحد ۔ یعنی جماعت سے الگ

یعنی مسلمانوں کی قومیت ایسی ہے جیسے ایک جسم اور اس کے مختلف اعضا ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم محسوس کرتا ہے اور اس کی بے چینی اور تکلیف میں اسی طرح حصہ لیتا ہے جیسے خود اس کے اندر درد اٹھ رہا ہو۔ اور ان کی مثال دیوار کی سی ہے۔ ہر اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے۔ پھر تشبیک اصابع کرکے اس کی تصویر بتلادی یعنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں رکھ کر دکھلادیا کہ اس طرح ایک دوسرے سے جڑا ہوا اور متصل ہے۔ سو ان تمام تصریحات میں بھی اسی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ اسلام کی قومیت متفرق اینٹوں کا نام نہیں۔ دیوار کا نام ہے۔ الگ الگ اینٹ کا کوئی اور مستقل وجود نہیں ہے۔ نہ اجتماعی وجود ہے یعنی دیوار کا ایک جز ہے اور انہی اجزا کے ملنے سے دیوار متشکل ہوتی ہے۔

اور یاد رہے کہ جو نماز میں تسویۂ صفوف پر سخت زور دیا گیا یعنی صف بندی پر اور سب کے سروں، سینوں اور پاؤں کے ایک سیدھ میں ہونے پر لتسوّنّ صفوفکم اوّ لیخالفن اللہ بین وجوھکم (بخاری) اور روایت انس کہ سوّوا صفوفکم فان تسویۃ الصفوف من اقامۃ الصلوٰۃ (بخاری) و فی لفظ من تمام الصلوٰۃ تو اس میں بھی یہی بھید ہے اور تشریح کا یہ موقع نہیں۔ قرآن و سنت کی تصریحات و حکمیات اس بارے میں اس قدر کثرت سے اور محتاج تفسیر و کشف ہیں کہ ایک ضخیم مجلد مطلوب، تفسیر البیان میں مفصل لکھ چکا ہوں۔

جمع و تفرقہ قویٰ و مناصب

اس قانون الٰہی کے مطابق مسلمانوں کی قومی زندگی و عروج کا اصلی دور وہی تھا۔ جب ان کی قومی و انفرادی، مادی و معنوی، اعتقادی و عملی زندگی پر اجتماع و ائتلاف کی رحمت طاری تھی اور ان کے تنزل و ادبار کی اصلی بنیاد اسی دن پڑی جب اجتماع و ائتلاف کی جگہ اشتات و انتشار کی نحوست چھانی شروع ہو گئی۔ ابتدا میں ہر مادہ مجتمع تھا۔ ہر طاقت سمٹی ہوئی تھی، ہر چیز بندھی ہوئی تھی لیکن تفرقہ و انتشار کی ایسی ہوا چلی کہ ہر بندھن کھلا۔ ہر جماؤ پھیلا۔ ہر ملی جلی اور اکٹھی طاقت الگ الگ ہو کر منتشر اور تتر بتر ہو گئی۔ قرآن حکیم کے بتلائے ہوئے قانون تنزل اقوام کے مطابق یہ حالت ہر چیز اور ہر گوشۂ موجود عمل پر طاری ہوئی۔ اور ایک ہزار برس پر تین صدیاں

کہ قرآن کے نزدیک فرد اور فرد کی ہستی کوئی شے نہیں ہے۔ ہستی صرف اجتماع اور جماعت کی ہے اور فرد کا وجود اور اعمال بھی صرف اسی لئے ہے تاکہ ان کے اجتماع و تالیف سے ہیئتِ اجتماعیہ پیدا ہو اور اسی لئے اس دعا میں کہ حاصلِ ایمان و خلاصۂ قرآن و عصارۂ اسلام ہے۔ متکلم جمع کا صیغہ آیا نہ کہ واحد کا اور اسی لئے مسلمانوں کی باہمی ملاقات کے وقت جو امتیازی دعا سکھلائی گئی وہ بھی بصیغہ جمع آئی۔ اگرچہ مخاطب واحد ہو۔ یعنی "السلام علیکم" بصیغہ جمع رکھا گیا۔ واحد کا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا۔ علت اس کی یہی ہے۔ نہ وہ لوگوں نے سمجھی۔

اور اسی بنا پر احکام و اعمال شریعت کے ہر گوشے اور ہر شاخ میں یہی اجتماعی و اتحادی حقیقت بطور اصل و اساس کے نظر آتی ہے۔ نماز کی جماعت خمسہ اور جمعہ و عیدین کا حال ظاہر ہے۔ حج بجز اجتماع کے اور کچھ نہیں۔ زکوٰۃ کی بنیاد ہی اجتماعی زندگی کا قیام اور ہر فرد کے مال و اندوختہ میں جماعت کا ایک حصہ قرار دے دینا ہے۔ علاوہ بریں اس کی ادائیگی کا نظام بھی انفرادی حیثیت سے نہیں رکھا گیا بلکہ جماعتی حیثیت سے یعنی ہر فرد کو اپنی زکوٰۃ خود خرچ کر دینے کا اختیار نہیں دیا گیا جیسا کہ بدقسمتی سے آج مسلمان کر رہے ہیں اور جو صریح غیر شرعی طریقہ ہے بلکہ مصارف زکوٰۃ متعین کر کے حکم دیا گیا کہ اپنی زکوٰۃ کی رقم امام و خلیفہ کے وقت کے سپرد کر دے۔ پس اس کے خرچ کی بھی اصلی صورت جماعتی ہے نہ کہ انفرادی۔ یہ امام کا کام ہے کہ اس کا مصرف تجویز کرے اور مصارف منصوصہ میں سے جو مصرف زیادہ ضروری ہو اسی کو ترجیح دے۔ ہندوستان میں اگر امام کا وجود نہ تھا تو جس طرح جمعہ و عیدین وغیرہ کا انتظام عذر کی بنا پر کیا گیا زکوٰۃ کا بھی کرنا تھا۔

اور پھر یہ حقیقت کس قدر واضح ہو جاتی ہے جب ان تمام مشہور احادیث پر غور کیا جائے جن میں مسلمانوں کی متحدہ قومیت کی تصویر کھینچی گئی ہے مثل المومنین توادھم وتعاطفھم کمثل الجسد الواحد۔ اذا اشتکی منہ عضو۔ تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی (صحیحین) اور المسلم للمسلم کالبنیان۔ یشد بعضہ بعضا (بخاری

کرتا اور ساتھ ہی بدر کے کنارے دشمنوں کا حملہ بھی روکتا اور مکہ کی گھاٹیوں میں سے ایک فاتح حکمراں کی طرح نمایاں بھی ہوتا تھا۔ غرض کہ اس کی ایک شخصیت کے اندر مختلف حیثیتیں اور منصب جمع تھے۔ اور اسلام کا نظام دینی یہی تھا کہ یہ ساری قوتیں ایک ہی فرد میں جمع رہیں۔

جب آپ دنیا سے تشریف لے گئے تو خلفاء راشدین کی خلافت خاصہ اسی اجتماع قویٰ و مناصب پر قائم ہوئی اور اسی لئے اس کو "منہاج نبوت" سے تعبیر کیا گیا۔ یعنی یہ نہایت ٹھیک ٹھیک ہر لحاظ اور ہر پہلو سے شخص جامع نبوت کی سچی قائم مقامی اپنے اندر رکھتی تھی۔

منصب نبوت مختلف اجزاء نظر و عمل سے مرکب ہے۔ ازاں جملہ ایک جزو وحی و تنزیل کا مورد ہونا اور شریعت میں تشریع و تاسیس قوانین کا اختیار رکھنا ہے۔ یعنی قانون وضع کرنا اور اس کے وضع و قیام کی معصومانہ و غیر مسئولانہ قوت۔ اس جز کے اعتبار سے نبوت آپ کے وجود پر ختم ہو چکی تھی اور قیامت تک کے لئے شریعت و قانون کے وضع و قیام کا معاملہ کامل ہو چکا تھا۔ جب نعمت کامل ہو گئی تو پھر کامل چیز ہی کو ہمیشہ باقی رہنا چاہیئے۔ اس کی جگہ کسی دوسری چیز کا آنا نقص کا ظہور ہوگا نہ کہ تکمیل کا الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔

لیکن منصب نبوت اس اصلی جز کے ساتھ بہت سے طبعی اجزاء پر بھی مشتمل تھا اور ضرور تھا کہ ان کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے۔ اس چیز کو مختلف احادیث میں مختلف تعبیرات سے موسوم کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے لئے محدث (بالفتح) کا مقام بتلایا گیا۔ علماء کو انبیاء کا وارث کہا گیا۔ مبشرات صادقہ کو نبوت کا چالیسواں جزو قرار دیا۔ لم یبق الا المبشرات حدیث تجدید بھی اسی مسئلہ میں داخل ہے۔ پس خلفائے راشدین کو جو نیابت پہنچی اس میں وحی و تشریع کی قائم مقامی تو نہیں ہو سکتی تھی لیکن اور تمام اجزاء و خصائص نبوت کی نیابت داخل تھی۔ داعی اسلام کا وجود نبوت کے ساتھ خلافت ارضی، حکومت و سلطنت نظام قوام، سیاست، قیادۃ، فوج و حرب، فتح و عمران ممالک، ریاست مجالس شوریٰ۔

گزر چکی ہیں کہ برابر طاری ہو رہی اور بڑھتی جاتی ہے۔ لوگ اسباب تنزلِ امت پر بحث کرتے اور پھر طرح طرح کی علتیں ٹھہراتے اور طرح طرح کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن و سنت اور عقلیاتِ صادقہ کے نزدیک تنزل کے تمام فسادات و نتائج صرف اسی ایک چیز کا نتیجہ ہیں۔ اس ایک حقیقت کو کتنے ہی مختلف ناموں سے پکار لو۔ مگر اصلی علت اس کے سوا کوئی نہیں۔

قوموں کے انتشار کا دور ساری چیزوں پر طاری ہوا لیکن یہاں صرف ایک ہی پہلو واضح کرنا مقصود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اسلامی طاقت کی اصلی شخصیت تھی۔ آپ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو صرف ایک داعیٔ شریعت و حامل وحی ہی کی جگہ خالی نہیں ہوئی بلکہ ان ساری قوتوں، سارے منصوبوں، ساری حیثیتوں اور ہر طرح کے نظری و عملی اختیارات و قویٰ کی، جو آپ کی شخصیت مقدسہ میں اکٹھی تھیں اور جن کا آپ کے تنہا وجود مقدس میں جمع ہونا اسلام کی شرعی و دینی خصوصیات میں سے تھا۔ اسلام کا داعی مسیحیت کے مقدس پہاڑی واعظ کی طرح صرف ایک اخلاقی معلم ہی نہ تھا اور نہ دنیا کے فاتح حکمرانوں کی طرح محض ایک جہاں گیر اور عالم ستاں شہنشاہ۔ اسلام نے دین کو دنیا سے اور شریعت کو حکومت و جہانبانی سے الگ نہیں رکھا۔ وہ تو یہ سکھانے آیا تھا کہ دین و دنیا دو نہیں ایک ہی چیز ہیں اور شریعت سے حکومت و سلطنت الگ نہیں ہے۔ بلکہ سچی حکومت اور خدا کی مرضی کے مطابق سلطنت وہی ہے جس کو شریعت نے خود پیدا کیا ہو۔ پس اسلام کے داعی کا وجود ایک ہی وقت میں ان تمام حیثیتوں اور منصوبوں کا جامع تھا جو ہمیشہ دنیا کی صدہا مختلف شخصیتوں کے اندر منقسم رہی ہیں۔ وہ اللہ کا پیغمبر تھا۔ شریعت کا مقنن تھا۔ امت کا بانی تھا۔ ملکوں کا حاکم اور سلطنت کا مالک تھا۔ وہ ہاگر پتوں اور چھال سے پٹی ہوئی مسجد کے ممبر پر وحی الٰہی کا ترجمان اور انسانی سعادت و ہدایت کا واعظ تھا۔ تو اسی کے صحن میں یمن کا خراج تقسیم کرنے والا اور فوجوں کو میدانِ جنگ میں بھیجنے کے لئے سپہ سالار لشکر بھی تھا۔ وہ ایک ہی وقت اور ایک ہی زندگی میں گھروں کا نظامِ معاشرت درست کرتا اور نکاح و طلاق کے قوانین نافذ

کے حکم میں نہ صرف سنت نبوت بلکہ خلافت راشدہ و خاصہ کی سنت بھی داخل ہوئی۔ اور شرح اس سرّ الہٰی کی بہت طولانی ہے۔ یہاں محض اشارات مطلوب ہیں۔

لیکن جیسا کہ پہلے سے خبر دی گئی تھی۔ اجتماع و ائتلاف کی یہ حالت حضرت علی رضؓ پر ختم ہو گئی۔ اس کے بعد سے اشتات و انتشار کا دور شروع ہوا۔ ازاں جملہ مرکزی قوتوں اور منصبوں کا انتشار و اشتات تھا جس نے فی الحقیقت امامت کا تمام نظام شرعی و اصلی درہم برہم کر دیا۔ خلافت خاصہ کے بعد یہ ساری یک جا قوتیں الگ الگ ہو گئیں۔ ایک وجود کی جگہ مختلف وجودوں میں ان کا ظہور اور نشو و نما ہوا۔ حکومت و فرمانروائی کا ٹکڑا الگ ہو کر مجرد پادشاہی کی شکل میں آ گیا۔ اسی کی طرف اشارہ تھا الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم ملک۔ سو واقعی اس کے بعد صرف پادشاہی رہ گئی۔ اجتہاد و قضاء شرعی کا جزء خلافت سے الگ ہوا تو مجتہدین و فقہا کی ایک الگ جماعت پیدا ہو گئی۔ انھوں نے یہ کام سنبھالا۔ اسی طرح تعلیم و تربیت روحانی کے کاروبار سے نظام حکومت بالکل الگ ہو گیا پہلے خلافت کی ایک ہی بیعت تمام مقاصد کی کفیل تھی۔ اب خلیفہ کا وجود محض پادشاہی کے لئے اور فقہا کا مجرد استنباط احکام و مسائل کے لئے رہ گیا۔ تو تزکیۂ نفوس اور ارشاد قلوب کے لئے ایک دوسری جماعت مستقلاً قائم ہوئی۔ جو بیعت توبہ و ارشاد ہوئی اور اس طرح اصحاب طریقت و تصوف کی بنیاد پڑی۔ پہلے صرف ایک وجود تھا۔ وہ پادشاہ۔ مجتہد۔ مرشد، قاضی القضاۃ۔ سپہ سالار جنگ، میر عدل و احتساب سب کچھ تھا۔ اب یہ ساری قوتیں الگ الگ ہو گئیں۔ حکومت و فرمانروائی الگ ایک وجود میں آئی۔ اجتہاد و فقہ کے لئے دوسرا وجود مرکز بنا۔ قضا کے لئے تیسرا۔ ارشاد و تزکیۂ قلوب کے لئے جو تھا ھلم جرا۔ غرضکہ عہد اجتماع قوی و مناصب کے بعد دور انتشار قوی و مناصب شروع ہو کر رفتہ رفتہ کمال ظہور و بلوغ تک پہنچ گیا۔ حتیٰ کہ یہ تمام قوتیں اس طرح ایک دوسرے سے بیگانہ و مخالف ہو گئیں کہ یا تو ایک ہی وجود میں جمع تھیں یا اب مختلف وجودوں میں بٹ کر بھی متفق نہ رہ سکیں۔ صرف اختلاف تعداد و تنوع ہی نہیں رہا۔ بلکہ اختلاف تضاد کی شکل پیدا ہو گئی۔ یہی سب سے بڑی مصیبت و ہلاکت تھی جو امت پر طاری ہوئی۔ مسلمانوں کے تنزل

وغیرہ، جہانبانی وحکمرانی کے تمام منصب تنہا اپنی شخصیت کے اندر رکھتا تھا۔ اس لئے ٹھیک ٹھیک اسی طرح خلافت خاصہ میں بھی خلفائے راشدین کا تنہا وجود ان ساری نظری وعملی قوتوں اور تمام منصوبوں کا جامع ہوا۔ وہ ایک ہی وجود کے اندر صاحب امارت وخلافت بھی تھے، صاحب اجتہاد وقضا بھی تھے۔ اور صاحب سیاست ونظام احکام وبلاد بھی۔ اصلاً امامت کبریٰ کا مقام اجتہاد دینی اور سیاست ملکی دونوں سے مرکب ہے اس لئے ان کی امامت میں یہ دونوں قسمیں اپنی تمام شاخوں کے ساتھ اکٹھی تھیں۔ حضرت عمرؓ مسجد کے دارالشوریٰ میں مسائل شرعیہ کا بحیثیت ایک مجتہد کے فیصلہ کرتے تھے۔ عدالت میں مقدمات سنتے تھے اور دیوان فوجی میں فوجوں کو تنخواہ بھی بانٹتے تھے۔ اگر وہ نماز جنازہ کی معین تکبیرات پر صحابہ کا اجماع کراتے تھے تو راتوں کو شہر میں گشت لگا کر امن وامان کا فرض ادا کرتے تھے۔ میدانِ جنگ میں احکام بھی وہی بھیجتے اور روم کے سفیر کو بہ حیثیت شہنشاہِ اسلام اپنے سامنے بھی بلاتے۔

اس طرح نبوت کا مقام، تعلیم وتربیت، امت کی مختلف قوتوں سے مرکب تھا قرآن حکیم نے ان کو تین اصولی قسموں میں بانٹ دیا ہے۔ یتلوا علیہم ایاتہ، ویزکیہم، ویعلمہم الکتاب والحکمۃ۔ تلاوت آیات، تزکیۂ نفوس، تعلیم کتاب وحکمت۔ خلفائے راشدین ان تینوں منصبوں میں وجود نبوت کے نائب تھے۔ وہ منصب اجتہاد وقضاء شرع کے ساتھ قوت ارشاد وتزکیہ وتربیت بھی رکھتے تھے۔ وہ ایک صاحبِ وحی کی طرح خدا کے کلام کی منادی کرتے۔ ایک نبی کی طرح دلوں اور روحوں کو پاکی بخشتے اور ایک رسول کی طرح تعلیم کتاب اور حکمت وسنت سے امت کی تربیت وپرورش کرنے والے تھے۔ وہ ایک ہی وجود میں ابوحنیفہ وشافعی بھی تھے (رح) اور جنید وشبلی بھی (رح) نخعی وحماد بھی تھے اور ابن معین اور ابن راہویہ (رح) بھی۔ جسموں کا نظام بھی انہی کے ہاتھوں میں تھا۔ دلوں کی حکمرانی بھی اُن ہی کے قبضہ میں تھی۔ یہی حقیقی اور کامل معنی منصبِ نبوت کی نیابت کے ہیں اور اسی لئے ان کا وجود اور ان کے اعمال بھی اعمالِ نبوت کا ایک آخری جز تھے۔ کہ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین اور اسی لئے وعضوا علیہا بالنواجذ

شکل میں اس کے چاروں طرف وجود پاتے ہیں اور پورے دائرہ کی زندگی اور بقا صرف اس مرکزی وجود کی زندگی اور بقا پر موقوف ہوتی ہے۔ اگر ایک چشم زدن کے لئے بھی دائرہ کے اجسام اپنے مرکز سے الگ ہو جائیں یا مرکز کی اطاعت و انقیاد سے باہر ہو جائیں تو معاً نظام ہستی درہم برہم ہو جائے۔ اور دائرہ کی اکیلی ہستیاں مرکز سے الگ رہ کر کبھی قائم و باقی نہ رہ سکیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کو بعض اصحاب اشارات نے یوں تعبیر کیا ہے کہ "الحقیقۃ کالکرہ" اور صاحب فتوحات نے کہ دائرہ "قاب قوسین" ہے۔

یہ قانون مرکزیہ دوائر نظام ہستی کے ہر جزا اور ہر حصہ میں صاف صاف دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ نظام شمسی جو ہمارے اوپر ہے، ستاروں کی یہ گنجان آبادی۔ کروں کا یہ صحرائے بے کنار، زندگی اور حرکات کا یہ محیر العقول طلسم کیا ہے؟ کس نظام پر یہ پورا کارخانہ چل رہا ہے۔ اسی قانون مرکزیہ پر متحرک سیاروں کے حلقے اور دائرے ہیں ہر دائرہ کا نقطۂ حیات و بقا سورج کا مرکزی نقطہ ہے۔ تمام ستارے اپنے اپنے کعبۂ مرکز کا طواف کر رہے ہیں اور ہر دائرہ کی ساری زندگی اور بقا صرف مرکز شمسی کی اطاعت و انقیاد پر موقوف ہے ذالک تقدیر العزیز العلیم۔ خود ہماری زمین بھی ایک ایسے ہی دائرہ کی ایک کڑی ہے۔ اور شب و روز اپنے مرکز کے طواف اور انقیاد میں مشغول ہے۔ ہر ستارے کے طواف و دوران کے لئے حکمت الٰہی نے ایک خاص راہ اور ایک خاص زمانہ قرار دیا ہے۔ وہ اس سے باہر نہیں جا سکتا۔ سب بحکمہ و لہ اسلم من فی السموات والارض اور ان اللہ یسجد لہ من فی السموات ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم۔ خدا کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق اپنی اپنی جگہوں میں کام کر رہے ہیں لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا الیل سابق النھار وکل فی فلک یسبحون۔

قانون مرکز کا یہ پہلا اور بلند ترین نظارہ تھا۔ اب اس کے بعد جس قدر نیچے اترتے آئیں گے اور حرکت و حیات کی بلندیوں سے لے کر زندگی کے چھوٹے سے

اور ادبار کی اصلی علت یہ ہے۔ افسانے نہیں ہیں جن میں تم سرمست ہو۔ افسوس کہ سطحی و جزئی حالات کے استغراق نے اصلی اسباب و علل پر غور کرنے کی تمہیں کبھی مہلت نہ دی اور نہ بحث و نظر میں یورپ کی تقلید سے آزاد ہو سکے۔ کہ خالص اسلامی فکر و نظر سے اسباب ترقی و تنزل پر تدبر کرتے۔

غرضکہ خلافت راشدہ کے بعد جو سلسلۂ خلافت قائم ہوا وہ خواہ قریشی رہا ہو یا غیر قریشی مجرد ملوکی و بادشاہی کا سلسلہ تھا۔ اور بجز چند مستثنیٰ اوقات کے (جیسا کہ عہد حضرت عمر بن عبدالعزیز) یہ بیانات بنوت کے اور تمام اجزا سے یک قلم خالی رہا۔ منصب بٹ چکے تھے قومیں منتشر ہو چکی تھیں۔ البتہ جو انقلاب سلطان عبدالحمید خاں کے زمانے میں ہوا اور جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلاطین عثمانیہ کی خلافت طریق استبدادی و شخصی طریق سے طریق شوریٰ میں تبدیل ہو گئی سو بلاشبہ خلافت راشدہ کی طرف عود و رجعت کا یہ ایک مبارک قدم تھا۔ جس کے لئے شوریٰ اور پارلیمنٹ کا ہونا سب سے پہلی شرط ہے لیکن ان جزئی مستثنیات کے علاوہ عام حالات و خصائص ہر دور اور ہر سلسلے کے وہی رہے جو ایک جامع لفظ "ملک عضوض" میں بتلا دیئے گئے تھے۔ اس میں کبھی کوئی نمایاں اور پائیدار تبدیلی نہ ہوئی۔

اطاعت خلیفہ و التزام جماعت

اس اجمالی تمہید کے بعد سب سے زیادہ اہم مسئلہ سامنے آتا ہے یعنی اسلام کا وہ نظام شرعی جو ہر مسلمان کو خلیفۂ وقت کی معرفت و اطاعت پر اسی طرح مجبور کرتا ہے جس طرح اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر۔ جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کوئی حکم نہ دے۔ اسلام کا قانون اس بارے میں اپنی تمام شاخوں اور تعلیموں کی طرح فی الحقیقت کائنات ہستی کے قدرتی نظام کو ایک جزو اور قوام ہستی کی زنجیر فطرت کی ایک قدرتی کڑی ہے کائنات کے ہر حصہ اور ہر گوشہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی قدرت و سنت ایک خاص نظام پر کارفرما ہے جس کو "قانون مرکز" یا "قانون دوائر" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے یعنی قدرت نے خلقت و نظام خلقت کے بقاء و قیام کے لئے ہر جگہ اور ہر شاخ وجود میں یہ صورت اختیار کر رکھی ہے کہ کوئی ایک وجود تو بمنزلہ مرکز کے ہوتا ہے اور بقیہ اجسام ایک دوائر کی

مما قضیت وسلموا تسلیما اور لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ
پھر قوم وملت کے بقا کے لئے ہر طرح کے دائرے اور ہر طرح کے مرکز قرار دیئے۔ اعتقاد
میں اصل مرکز عقیدہ توحید کو ٹھہرایا۔ جس کے گرد تمام عقائد کا دائرہ قائم ہے۔ ان
اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء عبادات میں
نماز کو مرکز عمل ٹھہرایا۔ جس کے ترک کر دینے کے بعد تمام دائرۂ اعمال منہدم ہو جاتا ہے۔
فمن اقامھا اقام الدین، ومن ترکھا فقد ھدم الدین اور اسی لئے یہ بات ہوئی
کہ کان اصحاب رسول اللہ صلعم لا یرون شیئاً من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوٰۃ
(ترمذی) یعنی صحابہ کرام کسی امر کے ترک کر دینے کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ مگر نماز کے ترک کو۔ اسی طرح
تمام قوموں اور ملکوں کا اعنی مرکز سعادت وادی حجاز کا کعبۃ اللہ قرار پایا۔ جعل اللہ
الکعبۃ البیت الحرام قیاما للناس "قیاما للناس" پر غور کرو اور چونکہ یہ مرکز ٹھہرا۔ اس
لئے تمام دائرہ کا رخ بھی اسی طرف ہوا۔ خواہ دنیا کی کسی جہت میں مسلمان ہوں لیکن ان
کا منہ اسی طرف ہونا چاہیئے۔ وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ
پھر جس طرح شخصی اور اعتقادی وعملی زندگی کے لئے مراکز قرار پائے ضرور تھا کہ
جماعتی اور ملی زندگی کے لئے بھی ایک مرکزی وجود قرار پاتا لہذا وہ مرکز بھی قرار دے دیا
گیا۔ تمام امت کو اس مرکز کے بطور دائرہ کے ٹھہرایا۔ اس کی معیت۔ اس کی رفاقت۔ اس
کی اطاعت، اس کی حرکت پر حرکت، اس کے سکون پر سکون، اس کی طلب پر لبیک
اس کی دعوت پر انفاق جان ومال ہر مسلمان کے لئے فرض کر دیا گیا ایسا فرض جس کے
بغیر وہ جاہلیت کی ظلمت سے نکل کر اسلامی زندگی کی روشنی میں نہیں آسکتا۔ اسلام
کی اصطلاح میں اسی قومی مرکز کا نام "خلیفہ" اور امام ہے۔ اور جب تک یہ مرکز اپنی جگہ
سے نہیں ہٹتا یعنی کتاب وسنت، اس کی اطاعت اسی طرح فرض ہے جس طرح خود اللہ
اور اس کے رسول کی۔ یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی
الامر منکم، فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول، ان کنتم تؤمنون با
للہ والیوم الآخر ذالک خیر واحسن تاویلا۔ مسلمانو اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے

چھوٹے گوشوں تک نظر ڈالیں گے ہر جگہ زندگی اور بقا اسی قانون سے وابستہ نظر آئے گی۔ عالم نباتات میں درخت کو دیکھو اس کی ایک مجتمع وحدت کتنی وسیع کثرت سے مرکب ہے، ڈالیاں ہیں۔ شاخیں ہیں، پتے ہیں، پھول ہیں۔ لیکن سب کی زندگی ایک ہی مرکز یعنی جڑ سے وابستہ ہے۔ جڑ سے جہاں کوئی شاخ الگ ہوئی، موت و فنا اس پر طاری ہوگئی۔ آفاق کو چھوڑ کر عالم انفس کی طرف آؤ اور خود اپنے وجود کی طرف دیکھو جس کے دیکھنے کے لئے نظر اٹھانے کی بھی ضرورت نہیں، تمہارا وجود کتنے مختلف ظاہری و باطنی اعضا سے مرکب ہے۔ جسموں اور وجودوں کی ایک پوری بستی ہے۔ جو تم میں آباد ہے۔ ہر قسم کا فعل ہے اور ایک خاصہ۔ لیکن دیکھو یہ ساری آبادی کس طرح ایک ہی مرکز کے آگے سربسجود ہے۔ سب کی حیات کا مرکز صرف قلب ہے۔ اس سے الگ رہ کر ایک عضو بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اذا صلحت، صلحت کلہا فسدت، فسدت کلہا۔

اسلام فی الحقیقت سنت اللہ اور فطرت اللہ ہی کا دوسرا نام ہے۔ اگر نوع انسانی کی سعادت و ارتقا کے لئے قانون اسلام اسی فاطر السموات والارض کا بنایا ہوا ہے جس نے تمام کائنات کے لئے قانون حیات بنایا تو ضرور ہے کہ دونوں میں اختلاف نہ ہو۔ بلکہ پہلا قانون پچھلے قانون عام کا ایک ایسا قدرتی جزء نظر آئے جیسے زنجیر کی ایک کڑی۔ پس اسلام کا نظام شرعی ٹھیک اسی قانون مرکزیہ پر قائم ہوا۔ قرآن نے یہ حقیقت جابجا واضح کی ہے کہ جس طرح اجسام دانیالکی زندگی اپنے اپنے مرکزوں سے وابستہ ہے اسی طرح نوع انسانی اور اس کی جماعت و افراد کا جسمانی و معنوی بقا بھی قانون مرکزیہ پر موقوف ہے۔ جس طرح ستاروں کی زندگی اور حرکت کا مرکز و محور سورج کا وجود ہے اسی طرح نوع انسانی کا بھی مرکز سعادت انبیاء کرام کا وجود ہے۔ پس ان کی اطاعت و انقیاد بقا و حیات کے لئے ناگزیر ٹھہری وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اسی لئے فرمایا فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا

کرنا پڑے گا کہ اولی الامر سے مقصود وہی لوگ ہیں جن کے سپرد ملک کا انتظام اور جنگ و امن کا نظم و نسق ہوتا ہے اور جو ان جزوں کی تحقیق کر سکتے ہیں جن کا اثر ملک کے امن و خوف پر پڑ سکتا ہے یعنی ارباب حکومت و امارت۔

ثانیاً کتاب و سنت اور صدر اول کے آثار عربیہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ "امر" جب ایسی ترکیب کے ساتھ بولا جائے جیسی کہ یہاں ہے تو اس کا اطلاق عموماً حکومت و سلطنت ہی کے معنوں پر ہوتا ہے۔ احادیث میں یہ استعمال اس کثرت سے موجود ہے کہ ایک صاحب نظر کے لئے کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں۔ نیز لغت کی بنا پر بھی ظاہر ہے کہ "امر" کے معنی حکم کے ہیں۔ اور "اولی الامر" کے معنی امام بخاری نے "ذوی الامر" کے کئے ہیں۔ یعنی "حکم والا" اور معلوم ہے کہ صاحب حکم وہی ہو سکتا ہے جو صاحب حکومت ہو۔

ثالثاً احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ خود یہ آیت جس واقعہ کی نسبت اتری وہ امیر جماعت کی اطاعت ہی کا معاملہ تھا۔ بخاری و مسلم میں ہے عن ابن عباس نزلت فی عبد اللہ بن حذافہ بن قیس ابن عدی اذ بعثہ النبی صلعم فی سریۃ اور امام طبری نے تفسیر میں ایک روایت درج کی ہے کہ عمار بن یاسر اور خالد بن ولید کی باہمی نزاع کے بارے میں اتری خالد امیر تھے اور عمار نے بلا ان کے حکم کے ایک شخص کو مزدوری پر رکھ لیا تھا۔ نزلت فی قصۃ حبوت لعمار مع خالد وکان خالد امیرا فاجار عمار رجلا بغیر امرہ فتخاصما دونوں روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ معاملہ امیر کی اطاعت و عدم اطاعت کا تھا۔ کہ احکام و مسائل کے حکم و افتار کا۔

رابعاً کہ اقوال مروی صحابہ و تابعین سے بھی یہی تفسیر ثابت ہوتی ہے بلکہ صدر اول میں صرف یہی تفسیر مشہور و معلوم تھی۔ بہت سی موشگافیاں جو پیدا کی گئی ہیں سب کے بعد کے مفسرین کی طبع زاد ہیں۔ حافظ ابن حجر نے عینیہ کا قول نقل کیا ہے۔ سألت زید بن اسلم عنہا ولم یکن بالمدینۃ اعلم بتفسیر القرآن بعد محمد بن کعب مثلہ فقال اقرأ قبلہا تقرف فقرأت: ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلہا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل فقال ھذا فی یعنی مدینہ میں محمد بن کعب کے بعد

رسول کی اور تم میں جو اولی الامر ہو۔ اس کی۔ پھر اگر کسی معاملہ میں تم مختلف ہو جاؤ تو چاہیئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹو اور اس کے فیصلہ پر متفق ہو جاؤ۔

اس آیت میں بالترتیب تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ کی، رسول کی مسلمانوں میں جو اولی الامر ہو اس کی، اللہ کی اطاعت کتاب اللہ کی اطاعت ہے، رسول کی اطاعت سے مقصود سنت قولی و فعلی ہے۔ باقی رہی اطاعت اولی الامر، تو نہایت قوی و روشن وجوہ ہیں کہ "اولی الامر" سے مقصود مسلمانوں کا خلیفہ و امام ہے جو کتاب و سنت کے احکام نافذ کرنے والا، نظام امت رکھنے والا اور تمام اجتہادی امور میں صاحب حکم و سلطان ہے اولا بحکم القرآن یفسر بعضہ بعضا۔ اولی الامر کی تفسیر خود قرآن ہی کے اندر تلاش کرنی چاہیئے اسی صورت میں آگے چل کر یہ لفظ دوبارہ آیا ہے۔ واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔

اور جب کوئی امن یا خوف کی خبر ان تک پہنچتی ہے تو بلا سوچے سمجھے لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ اللہ کے رسول کی طرف اور ان لوگوں کی طرف رجوع کرتے جو ان میں اولی الامر ہیں تو فوراً اصلیت کھل جاتی اور وہ اس خبر کے سچے جھوٹے ہونے کا پتہ لگا لیتے۔

اس آیت میں ایسے وقتوں کا ذکر کیا گیا ہے جب امن و خوف یعنی صلح و جنگ اور فتح و شکست کی افواہیں ملک میں پھیلتی ہیں اور بے اصل خبروں کی اشاعت سے لوگوں میں اضطراب و غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی صورتیں منافقین اور بعض ضعیف القلب مسلمانوں کی وجہ سے عہد نبوی میں پیش آجاتی تھیں۔ پس فرمایا کہ جب کوئی افواہ سنو تو پہلے اللہ کے رسول اور اپنے اولی الامر تک پہنچاؤ تاکہ وہ اس کی صحت اور عدم صحت کی تحقیق کر لیں اور خبر کی نوعیت اور راوی کی حالت پر غور کر کے صحیح نتائج کا استنباط کریں۔ ایسا نہ کرو کہ جہاں کوئی افواہ سنی۔ فوراً اس پر یقین کر لیا اور لوگوں میں پھیلانا شروع کر دیا۔

اب غور کرنا چاہیئے کہ اس آیت میں "اولی الامر" سے مقصود کون لوگ ہو سکتے ہیں؟ یہ ظاہر ہے کہ ذکر امن و خوف کے حالات کا ہے یعنی صلح و جنگ اور فتح و شکست کا۔ ان حالات کا تعلق صرف حکام و امرار ملک ہی سے ہو سکتا ہے، علماء و فقہا سے نہیں ہو سکتا۔ معاملہ نظم ملک و قیام امن کا ہے۔ استنباط مسائل اور حلال و حرام کا نہیں ہے۔ پس لامحالہ تسلیم

تھی اس لئے خصوصیت کے ساتھ ان کو اس بات کا خوگر بنانا تھا۔ حافظ عسقلانی نے امام شافعی کا قول نقل کیا ہے۔ ورجح الشافعی الاول واحتج بأن قریشا کانوا لا یعرفون الامارۃ ولا ینقادون الی امیر، فامروا بالطاعۃ لمن ولی الامر، ولذالک قال صلعم من اطاع امیری فقد اطاعنی۔

خامساً تاریخ اسلام کے سب سے بڑے فقیہ امام بخاری کا بھی مذہب یہی ہے۔ کتاب الاحکام میں باب باندھا ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم اور اس میں ابو ہریرہ کی روایت درج کی ہے۔ من اطاع امیری فقد اطاعنی جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اُس نے خود میری اطاعت کی۔ جس نے اس سے انکار کیا اس نے خود مجھ سے انکار کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خود ان کے نزدیک اولی الامر کی اطاعت سے مقصود امیر و امام ہی کی اطاعت ہے۔ حافظ عسقلانی لکھتے ہیں۔ فی ھذا اشارۃ من المصنف الی ترجیح القول الصائر الی ان الآیۃ فی طاعۃ الامراء خلافا لمن قال نزلت فی العلماء۔

سادساً سب سے زیادہ قدیم اور مکمل تفسیر جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہے وہ امام ابن جریر طبری کی تفسیر ہے۔ اور صحابہ و تابعین کی تفاسیر پر ان کا احاطۂ نظر معلوم، انہوں نے بھی تمام اقوال نقل کر کے ترجیح اسی تفسیر کو دی ہے۔

سابعاً اس نکتہ پر نظر رہنی چاہیئے کہ تفسیر قرآن کے معاملہ میں جس قدر اختلاف کی کثرت اور مذاہب و طرق کا تعدد و تنوع نظر آتا ہے وہ تمام متاخرین کی فلسفیانہ کاوش پسندی کا نتیجہ ہے جب کہ معقولات کے شیوع اور یونانیت کے غلبہ و احاطہ سے علوم دینیہ میں اس "تعمق" کی بنیادیں پوری طرح بڑھ چکی تھیں۔ جس کی نسبت کہا گیا تھا کہ ھلک المتعمقون۔ فکر و نظر میں عجمیت کے ظہور۔ عربیت خالصہ و صالحہ کے بعد اور علوم سنت کے ترک و ہجر نے اس معاملہ کو اور گہرا و وسیع کر دیا ہے۔ لیکن اوائل و سلف میں یہ تمام اختلافات یک قلم ناپید تھے۔ ہر آیت اور ہر لفظ کے ایک ہی صاف اور سادہ معنی تھے۔ جو عربی لغت و محاورہ میں ہو سکتے ہیں۔ اور لوگ اس پر قانع تھے۔ ابداع معانی کثیرہ اور تفحص اشارات و

زید بن اسلم سے بڑھ کر قرآن کا کوئی مفسر نہ تھا۔ میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا۔ اس آیت سے ماقبل آیت پڑھو۔ میں نے پڑھا۔ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔ پس کہا کہ مقصود اس سے حکام ہیں۔ یعنی چونکہ پہلے سے ذکر حکومت و قضا کا ہو رہا ہے۔ پس اولی الامر سے مقصود وہی ارباب اقتدار ہیں جو حکومت رکھتے ہوں۔ طبری نے بسند صحیح حضرت ابوہریرہ اور میمون بن مہران وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ ہم "الامرا" اور علامہ ابن حزم نے ان تمام صحابہ و تابعین کو شمار کیا جن سے یہ تفسیر منقول ہے تو ۱۳ سے زیادہ ثابت ہوئے۔ باقی رہا بعض صحابہ و تابعین کا یہ کہنا کہ مقصود اہل علم و نظر ہیں۔ مثلاً جابر بن عبداللہ کا قول کہ ھم اھل العلم والخیر۔ اور مجاہد عطا و ابو العالیہ کا قول کہ ھم العلما تو ان اقوال میں اور صحابہ کی مشہور تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دراصل اسلام کا نظام حکومت و جماعت۔ تو یہی تھا کہ حکومت و ولایت کا منصب تمام شرعی اور علمی قوتوں سے مرکب ہو۔ اور اس وقت تک قوتوں کے انتشار اور مناصب کے تفرقہ کی بنیادیں نہیں پڑی تھیں۔ جو شخص والی ملک اور حاکم مسلمین ہوتا تھا وہ بدرجۂ اولیٰ عالم و فقیہ بھی ہوتا تھا۔ پس جن صحابہ و تابعین نے "اولی الامر" کی تفسیر میں علم وغیرہ کا ذکر کیا۔ انہوں نے واقعی بہت صحیح تفسیر کی۔ گویا ظاہر کر دیا کہ مسلمانوں کا اولی الامر ایسے ہی افراد کو ہونا چاہیے جو اہل علم و خیر ہوں۔ مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اولی الامر سے مقصود علماء و فقہا کا وہ مخصوص و متعارف گروہ ہے جو اسلام کے نظام جماعت کے انقراض کے بعد پیدا ہوا۔ اور جس کا صدر اول کے مفسرین کو وہم و گمان بھی نہ ہوا ہوگا۔

امام ابن جریر نے عکرمہ کا ایک قول نقل کیا ہے۔ "ابوبکر و عمر" اس سے بھی ان کا مقصود یہی ہے کہ اولی الامر مسلمانوں کا خلیفہ و امام ہے۔ جیسے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما۔

اصل یہ ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے حجاز میں ایک طرح کی باقاعدہ طوائف الملوکی قائم تھی۔ اور مکہ میں قریش کا قبیلہ بالکل خود مختار اور غیر مسئول تھا۔ اسلام کا جب ظہور ہوا تو اس نے جماعت اور امارت کے نظام پر زور دیا۔ اور بڑے بڑے گردن کشوں کو بھی مجبور کر دیا کہ اطاعت امیر و التزام جماعت سے باہر نہ ہوں۔ قریش کی نسلی فطرت اس اطاعت کیشی کے خلاف

اطاعت عین بادشاہ کی اطاعت ہے بلکہ ایک سپاہی کی اطاعت میں بھی قانون اور بادشاہ کی اطاعت ہوتی ہے اور اس سے مقابلہ کرنا عین قانون اور بادشاہ سے بغاوت کرنا ہے، یہ ساری بحثیں اس لئے پیدا ہوگئیں کہ اسلام کے جماعتی نظام کی اہمیت پر نظر نہ ڈالی گئی۔ اگر یہ حقیقت پیش نظر ہوتی کہ شریعت کے نفاذ اور امت کے قوام و نظام کے لئے ایک مرکزی اقتدار ناگزیر ہے اور وہی امام اور اس کے نائب امرا ہیں تو اولی الامر کا مطلب بالکل صاف تھا کسی کاوش و بحث کی ضرورت ہی نہ تھی فان تنازعتم سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ اسلامی خلیفہ کا وجود مسیحیت کے پوپ سے کس درجہ مختلف ہے۔ جو اسلام کے نزدیک اربابا من دون اللہ میں داخل ہے مسیحیت کا خلیفہ ارضی خلیفہ نہیں ہے آسمانی دینی فرمانروا ہے جو مذہب کی آخری طاقت اپنے قبضہ میں رکھتا ہے۔ لیکن اسلامی خلافت کی اصلی بنا خلافت ارضی یعنی حکومت و سلطنت ہے۔ وہ صرف شریعت اور امامت کی حفاظت کرنے والا اور احکام شریعت نافذ کرنے والا ہے یعنی محض ایک قوت نافذہ ہے نہ کہ مقننہ اس کی ذات کو اصل شریعت اور اس کے احکام میں کوئی دخل نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتو فردوہ الی اللہ والرسول نہ فرمایا جاتا یعنی اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے جس میں نزاع و اختلاف پیدا ہو تو پھر اس کے آخری فیصلہ کی قوت خلیفہ کا حکم نہیں ہے بلکہ مرکز اولی و حقیقی کا یعنی قرآن و سنت کا اور خود خلیفہ بھی اس کی اطاعت پر اسی طرح مجبور ہے جس طرح جماعت امت کا ہر فرد۔

یہی وجہ ہے کہ اطیعو اللہ کے بعد پھر اطیعو الرسول میں فعل کا اعادہ کیا گیا مگر "اولی الامر" میں نہیں کیا گیا تاکہ واضح ہو جائے کہ اصل اطاعت جو مطلوب ہے وہ اللہ کی ہے اور رسول کی ہے یعنی کتاب و سنت کی اور اولی الامر کی اطاعت صرف اسی لئے کہ کتاب و سنت کی اطاعت کی جائے بالا ستقلال نہیں ہے پھر فان تنازعتم کہہ کر اور زیادہ واضح کر دیا کہ اگر اولی الامر کتاب و سنت کے خلاف حکم دے تو پھر اس حکم میں ان کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ الخ اور اس کے رسول ہی کے حکم کی طرف لوٹنا چاہیے۔
قالہ الطیبی فی الشرح۔

مفہومات بعیدہ کی کاوش ہی نہیں کی جاتی تھی، نہ فرضی و تخمینی شکوک و ایرادات گھڑ کر نئے نئے معانی فرض کئے جاتے تھے۔ "اولی الامر" کا لفظ جب کبھی ایک ایسے عرب کے سامنے کہا جائے گا جس کی عربیت خالص و صحیح ہو تو صرف ایک ہی معنی اس کے ذہن میں آئیں گے۔ یعنی صاحب حکومت۔ کسی دوسرے مفہوم کا اسے وہم بھی نہ گزرے گا۔ صحابہ و تابعین اس پر قانع تھے۔ لیکن امام رازی کی دقیقہ سنجی اس سہل پسندی اور لغوی سادگی پر قانع نہیں ہو سکتی۔ اس لئے وہ امکانی مطالب کا وسیع سے وسیع میدان ڈھونڈتے ہیں اور ہر ممکن مفہوم کو بحث و نظر کی ورزش کے لئے اختیار کر لینا چاہتے ہیں۔ پس متاخرین کے اختلافات سے متاثر نہیں ہونا چاہیئے۔ صرف اسی تفسیر کو اختیار کرنا چاہیئے جو حدیث و آثار سے ماخوذ ہو اور لغت اور عربیت اس کی تصدیق کرے متاخرین کی کاوشیں دراصل ایک طرح کا منطقی تفنن ہے جس سے دماغ کو ورزش ملتی اور ذہن میں حدت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن تفسیر قرآن نہیں ہے۔ قرآن کی تفسیر صرف وہی ہو سکتی ہے جو خود حاصل قرآن کے علوم سے ماخوذ ہو۔ اور ان لوگوں نے بتلائی ہو جن کے علم و عمل پر خود اللہ نے اپنی رضا و پسندیدگی کی شہادت دی ہے۔ (رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ) اگر سلف سے اغراض و انکار اس بنا پر ہے کہ اصول فقہ و علم کلام کی یونانی دقیقہ سنجیوں سے ناآشنا تھے تو کم از کم قرآن کا علم تو ان کے لئے چھوڑ دینا چاہیئے۔ یہ کیا مصیبت ہے کہ قرآن نازل تو ہوا ہو محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم پر لیکن اس کے معانی و مطالب اس وقت تک مسلمانوں کو معلوم نہ ہوں جب تک ارسطو سے یونانی ان کی رہنمائی نہ کرے۔

امام رازی وغیرہ کو زیادہ حیرانی اس بنا پر ہوئی ہے کہ اولی الامر کی اطاعت کا ذکر بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اور عطف تسویہ پیدا کر رہا ہے پس اولی الامر ایسا ہونا چاہیئے جس کی اطاعت عین خدا کی اطاعت ہو۔ سلاطین و امراء کو یہ منصب کیونکر حاصل ہو سکتا ہے؟ حالانکہ بات بالکل صاف تھی۔ حیرانی کی کوئی وجہ نہیں۔ قرآن و سنت قانون ہے۔ لیکن قانون بالکل بیکار ہے۔ اگر کوئی قوت نافذہ ہو یعنی اس قانون پر عمل کرانے والی قوت۔ اور ظاہر ہے کہ جو قوت نافذ ہو گی۔ اس کی اطاعت عین قوت منفذہ کی اطاعت ہو گی۔ ایک دیہاتی تک جانتا ہے کہ گورنر اور نائب السلطنت کی

ایک بالشت بھر بھی باہر ہوا تو اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا اور جس نے اسلام کی جماعتی زندگی کی جگہ جاہلیت کی بے قیدی کی زندگی کی طرف بلایا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے لوگوں نے عرض کیا۔ کیا ایسا شخص جہنمی ہوگا حضورؐ نے فرمایا۔ اگرچہ روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو اور اپنے زعم میں اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو۔

اس حدیث میں پانچ باتیں بتلائی ہیں۔

۱۔ پہلی چیز جماعت ہے۔ یعنی تمام امت کو ایک خلیفہ و امام پر جمع ہو کر اور اپنے مرکز قومی سے جڑ کے رہنا چاہیئے۔ الگ الگ نہیں رہنا چاہیئے۔ آگے چل کر کثرت کے ساتھ وہ حدیثیں ملیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ جماعت سے الگ ہو کر رہنے کو یا ایسی منتشر زندگی کو جو ایک بندھی اور سمٹی ہوئی جماعت کی شکل رکھتی ہو اور کسی امیر کے تابع نہ ہو، اسلام نے غیر اسلامی اور ابلیسی راہ قرار دیا ہے۔ انفرادی زندگی کو وہ زندگی ہی نہیں مانتا۔ اسلامی زندگی "جماعت" ہے۔

جماعت سے مقصود افراد کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں اتحاد۔ ائتلاف، امتزاج اور نظم ہو۔

"اتحاد" سے مقصود یہ ہے کہ اپنے اعمالِ حیات میں منتشر نہ ہوں۔ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں اور ان کے تمام اعمال مل جل کر انجام پا جائیں۔ کسی گوشۂ عمل میں پھوٹ اور بیگانگی نہ ہو۔

"ائتلاف کا مرتبہ اتحاد سے بلند تر ہے، "اتحاد" صرف باہم مل جانا ہے ضرور نہیں کہ کسی تناسب کے ساتھ ترکیب ہوئی ہو لیکن ائتلاف سے مقصود ایسا اتحاد ہے جو محض اتحاد ہی نہ ہو بلکہ ایک صحیح و مناسب ترکیب کے ساتھ اتحاد ہو۔ یعنی منتشر افراد اس طرح باہم ملے ہوں کہ جس فرد کو اس کی صلاحیت و قوت کے مطابق جو جگہ ملنی چاہیئے وہی جگہ اسے ملی ہو اور ہر فرد کی انفرادی قوت کو جماعتی ترکیب میں اتنا ہی دخل دیا جائے جتنی مقدار میں دخل پانے کی اس میں استعداد ہو۔ ایسا نہ ہو کہ زید کو سردار ہونا چاہیئے اور اس سے چاکری کا کام لیا جائے اور عمرو کی قابلیت کا عنصر صرف چھٹانک بھر جزو جماعت ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کو سیر بھر

بعض امرائے بنو امیہ نے اپنے مظالم و بدعات کی اطاعت کرانے کے لئے جب اس آیت سے استدلال کیا اور کہا الیس اللہ امرکم ان تطیعونا فی قولہ واولی الامر منکم کیا خدا نے تم لوگوں کو ہماری اطاعت کا حکم نہیں دیا کہ اولی الامر منکم تو بعض آئمہ تابعین نے کیا خوب جواب دیا کہ فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول۔ ہاں مگر پھر اس منصب سے تم محروم بھی تو کو دیئے گئے۔ جب فرمایا کہ فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ و الرسول۔

غرضکہ اس آیہ کریمہ میں قرآن نے اس قانون شریعت کا اعلان کیا ہے کہ خلیفہ و امام کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہے اور اسی کا وجود نظام جماعت کا مرکزی اقتدار ہے۔

احادیث صحیحہ میں اس کی مزید توضیح ہوتی ہے۔ اس بارے میں اس کثرت کے ساتھ حدیثیں موجود ہیں اور عہد صحابہ سے لے کر عہد تدوین کتب تک مختلف طبقات، روایات و حفاظ میں اس قدر ان کی شہرت رہ چکی ہے کہ اسلام کے عقیدہ توحید و رسالت کے بعد شاید ہی کوئی اور چیز اس درجہ تواتر و یقین تک پہنچی ہوگی۔

اسلام کا نظام عمل۔ پانچ عالمگیر صداقتیں

سب سے پہلے میں سند امام احمد وغیرہ کی ایک روایت نقل کروں گا جس میں بالتر تیب اسلام کا نظام عمل بیان کیا گیا ہے۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم۔ انا امرکم بخمس اللہ امرنی بھن۔ الجماعۃ و السمع والطاعۃ، والھجرۃ، والجہاد فی سبیل اللہ فانہ من خرج من الجماعۃ قید شبر فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ الا ان یراجع، ومن دعا بدعوی جاھلیۃ فھو من جثی جھنم۔ قالوا یا رسول اللہ وان صام وصلی؟ قال وان صلی وصام وزعم انہ مسلم اخرجہ احمد والحاکم من حدیث الحارث الاشعری علی شرط الصحیحین قال ابن کثیر ھذا حدیث حسن ولہ الشواھد۔

یعنی فرمایا میں تم کو پانچ باتوں کے لئے حکم دیتا ہوں۔ جن کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ جماعت، سمع، طاعت، ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد۔ یقین کرو کہ جو مسلمان جماعت سے

ہونے چاہییں۔ مسلمانوں کے کسی چھوٹے سے چھوٹے گروہ کے لئے بھی شرعاً جائز نہیں کہ بلاقیام امام کے زندگی بسر کریں۔ حتیٰ کہ اگر صرف تین مسلمان بھی ہوں تو چاہیئے کہ ایک ان میں سے امام تسلیم کر لیا جائے۔ اذا کان ثلاثۃ فی سفر فلیؤمروا احدھم۔

پانچ وقت کی جماعت نماز میں جماعتی نظام کا پورا نمونہ مسلمانوں کو دکھا دیا گیا کیونکہ نماز ہی وہ عمل عظیم ہے جو اسلام کے تمام عقائد و اعمال کا جامع ترین نمونہ ہے کس طرح سینکڑوں، ہزاروں منتشر افراد مختلف مقاموں، مختلف جہتوں، مختلف شکلوں اور مختلف لباسوں میں آتے ہیں۔ لیکن یکایک صدائے تکبیر سب کے انتشار کو ایک کامل اتحادی جسم میں تبدیل کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ ہزاروں اجزا کا یہ منتشر سواد بالکل ایک ہی جسم واحد کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ سب کے وجود ایک ہی صف میں جڑے ہوئے، سب کے کاندھے ایک دوسرے سے ملے ہوئے، سب کے قدم ایک ہی سیدھ میں، سب کے چہرے ایک ہی جانب قیام کی حالت ہے تو سب ایک جسم واحد کی طرح کھڑے ہیں، جھکاؤ ہے تو تمام صفیں بیک وقت جھکی ہوئی ہیں۔ ظاہر کے ساتھ باطن بھی یکسر متحد و ممزوج۔ سب کے دل ایک ہی یاد میں محو، سب کی زبانیں ایک ہی ذکر میں مترنم۔ پھر دیکھو سب کے آگے صرف ایک ہی وجود امام کا نظر آتا ہے۔ جس کے اختیار میں جماعت کے تمام اعمال و افعال کی باگ ہوتی ہے جب چاہے سب کو جھکا دے۔ جب چاہے سب کو اٹھا دے۔

اسلام کی زبان میں جماعت سے مقصود ایسا اجتماع ہے۔ انبوہ اور بھیڑ کا نام جماعت نہیں۔

جماعت کے جن اوصاف و خواص کا ذکر اوپر کیا گیا وہ تمام تر قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں لیکن شواہد کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

۲۔ دوسری چیز "السمع" ہے یعنی امام جو احکام دے ان کو سننا اور ان سے تعلیم و ارشاد حاصل کرنا۔ سمع کے لفظ میں قبولیت احکام و طلب تعلیم دونوں کی طرف توجہ دلائی ہے اور امام کی معلمانہ حیثیت کو نمایاں کیا ہے۔

۳۔ تیسری چیز "طاعت" ہے۔ یعنی امام کی کامل درجہ اطاعت و فرمانبرداری اور

قرار دے دیا جائے۔

"امتزاج" ترکیب کا تیسرا مرتبہ ہے۔ اس میں کمیت سے زیادہ کیفیت کا اتحاد ہونا چاہیئے یعنی مختلف افراد کو باہم اس طرح ملایا جائے کہ جس فرد کا اجتماعی مزاج جس قسم کے مزاج کے ساتھ مل کر ایک متحدہ کیفیت حاصل کر سکتا ہے۔ ویسا ہی مزاج اس کے ساتھ ملایا جائے یہ نہ ہو کہ دو ایسے آدمیوں کو ملا دیا گیا جن کی طبیعت و خصلت اور استعداد و صلاحیت باہم دگر میل نہیں کھا سکتی اور اس لئے خواہ کتنا ہی دونوں کو ملاؤ لیکن تیل اور پانی کی طرح ہمیشہ الگ الگ ہی نظر آئیں باہم مل کر ایک جان نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح عناصر کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ باہم دگر مل کر ایک نئے مرکب وجود میں متشکل ہوں۔ اسی طرح افراد انسانی کو بھی اس لئے پیدا کیا تاکہ ان کے باہم ملنے سے جماعت پیدا ہو۔ جماعت ایک مرکب وجود ہے، افراد اس کے عناصر ہیں۔ فرد بجائے خود کوئی کامل وجود نہیں رکھتا۔ محض ایک مستثنےٰ ہے اور جب تک اپنے بقیہ ٹکڑوں سے مل نہ جائے۔ کامل وجود نہیں پا سکتا۔ لیکن یہ باہم ملنا "امتزاج" کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ تاکہ ہر ٹکڑا اپنے صحیح و مناسب ٹکڑے کے ساتھ مل کر اس طرح جڑ جائے کہ معلوم ہو یہ نگینہ اسی انگشتری کے لئے تھا۔

"نظم" سے مقصود جماعت کی وہ ترتیبی و تکوینی حالت ہے جب اس کے تمام افراد اپنی اپنی جگہوں میں قائم، اپنے اپنے دائرہ میں محدود اور اپنے اپنے فرائض و اعمال کے انجام دینے میں سرگرم ہوں۔

اجتماع کے یہ خواص و اوصاف نہ تو حاصل ہو سکتے ہیں، نہ قائم رہ سکتے ہیں جب تک کوئی بالاتر فعال و مدبر طاقت وجود میں نہ آئے۔ اور وہ منتشر افراد کو ایک متحد، مؤلف۔ ممزوج، منظم جماعت کی شکل میں قائم نہ رکھے۔ پس ایک امام کا وجود ناگزیر ہوا اور اسی لئے ضروری ہوا کہ سب سے پہلے تمام افراد ایک ایسے وجود کو اپنا امام و متبوع تسلیم کر لیں جو بکھرے ہوئے اجزا کو اتحاد و ائتلاف اور امتزاج و نظم کے ساتھ جوڑ دینے اور اڑتے ہوئے ذروں سے ایک حی و قائم جماعتی وجود پیدا کر دینے کی قابلیت رکھتا ہو۔ اصل مرکز اس طاقت کا امام اعظم یعنی خلیفہ ہے۔ اور پھر ہر ملک، ہر آبادی، ہر گروہ میں اس کے ماتحت امام جماعت

ضرورت ہو، ہر قسم جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ وجاھدوا المشرکین باموالکم وانفسکم (رواہ ابو داؤد) و احمد و نسائی و ابن حبان عن انس۔

یہ کہنا ضروری نہیں کہ یہی پانچ چیزیں دنیا میں قوموں اور ملکوں کے بقاو قیام کی اصلی بنیاد ہیں، دنیا میں کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی جس کی قومی ہستی ان پانچ عنصروں سے مرکب نہ ہو۔ سعی و عمل کا کوئی گوشہ ہو۔ کامیابی بغیر ان اصول خمسہ کے نہیں مل سکتی۔ تم مٹھی بھر گیہوں کے طالب ہو یا قطب شمالی کی تحقیق کے۔ مگر کوئی چیز بھی بغیر جماعت، اطاعت، ہجرت اور جہاد کے حاصل نہ ہو سکے گی۔ دنیا نے آج تک جو کچھ پایا ہے۔ غور کرو گے تو وہ سب انہی پانچ سچائیوں کے ثمرات و نتائج ہیں۔

دنیا کے تمام نزاعات و اختلافات کی ایک سب سے بڑی علت حقیقت کی وحدت اور اسماء و مصطلحات کی کثرت ہے۔ طلب صداقت کے اکثر جھگڑے حکایت شہد و عسل سے زیادہ نہیں۔ یعنی سچائی ہر جگہ اور ہر گوشۂ عمل میں حقیقت و مسمی کے اعتبار سے ایک ہی ہے۔ لیکن بھیس مختلف ہو گئے ہیں اور نام متعدد۔ مصیبت یہ ہے کہ دنیا معانی کی جگہ لفظوں کی پرستش کرتی ہے اور گو سب طلبگار و پرستار ایک ہی حقیقت کے ہیں لیکن محض ناموں کے اختلاف کی وجہ سے باہم گریڈ رہے ہیں۔ ایک کہتا ہے شہد۔ دوسرا کہتا ہے عسل۔ مگر کوئی نہیں جو دونوں کو سمجھا دے کہ مقصد دونوں کا ایک ہی ہے۔ اختلاف مسمیٰ میں نہیں ہے۔ صرف اسم میں ہے ایک شخص شب و روز ایک حقیقت کو مانتا اور جانتا ہے یعنی اپنی اصطلاح و رسم میں کسی خاص لقب سے پکارتا ہے۔ وہی حقیقت جب ایک دوسرے نام سے اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو فوراً انکار کر دیتا ہے اور اپنا فرض سمجھتا ہے کہ اس سے ہر طرح نفرت کرے مذاہب کے اختلاف سے لے کر معاشرت و رسوم کے چھوٹے چھوٹے اختلافات تک ہر جگہ یہی علت کام کر رہی ہے اگر کبھی ایسا ہو سکے کہ ظواہر و اسماء کے تمام پردے اٹھا دیے جائیں اور حقیقت بے نقاب ہو کر سب کے سامنے آجائے تو یکایک دنیا کے تمام نزاعات ختم ہو جائیں۔ اور تمام لڑنے والے دیکھ لیں کہ سب کا مطلوب ایک ہی ہے۔ اگرچہ بھیس مختلف ہیں اور سب کا مقصود ایک ہی ہے۔ اگرچہ نام بہت سے ہیں۔

اپنی تمام عملی قوتوں کو اس کے سپرد کر دینا اور اس کے ہر حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کرنا۔ البتہ اطاعت معروف میں ہے نہ کہ معصیت میں کہ انما الطاعۃ فی المعروف۔

۴۔ چوتھی بات "ہجرت" ہے، ہجرت ہجر سے ہے جس کے معنی ترک کر دینے اور چھوڑ دینے کے ہیں الھجر والھجران مفارقۃ الانسان غیرہ۔ اما بالبدن او باللسان او بالقلب والمھاجرۃ مصارمۃ الغیر ومتارکۃ اسلام کی اصطلاح میں کبھی کوئی فرد یا جماعت، سعادت و صداقت کے کسی مقصد اعلیٰ کے لئے اپنی دینوی محبوبات و مالوفات ترک کر دے۔ مثلاً دولت کو، آرام و راحت کو، عزیز و اقربا کے قرب کو، وطن کو، مکان کو تو اس کا نام ہجرت الی اللہ اور ذہاب، الی اللہ ہے، خدا کے ہر رسول اور ان کے پیروؤں کے قیام حق کی راہ میں یہ منزل طے کرنی پڑی انی مھاجر الی ربی اور انی ذاھب الی ربی چونکہ وطن و مکان کا علاقہ ایک ایسا علاقہ ہے جس کے ترک کرنے میں اہل و عیال، مال و متاع، دوست و احباب ہر طرح کے علاقوں کو ترک کر دینا پڑتا ہے اور اس کی محبت و الفت کی زنجیر اور ساری زنجیروں سے بھاری ہے اس لئے ترک وطن کی ہجرت اعلیٰ اور جامع قسم کی ہجرت ہوئی۔ اور زیادہ تر مہاجرت کا اطلاق تارکین وطن ہی پر کیا گیا۔ ولکل امری ما نوی۔ فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ لدنیا یصیبھا او امرأۃ ینکحھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ۔ یعنی ہر شخص کے لئے وہ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ پس جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اور اس کے رسول کے لئے ہوئی۔ اور جس نے اس لئے گھر چھوڑا کہ دنیا کمائے یا نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی کام کے لئے ہوئی۔ جس کے لئے اس نے گھر چھوڑا۔ پھر ہجرت کے بھی اقسام ہیں اور مراتب بعضھا فوق بعض۔ کتاب و سنت اس کی تفصیل سے لبریز ہیں یہ موقع تفصیل کا نہیں۔

۵۔ پانچویں چیز "جہاد فی سبیل اللہ" ہے۔ جہاد، جہد سے ہے جس کے معنی استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو ظاھرا او باطنا ہیں (مفردات راغب) یعنی دشمن اور دشمن کی تمام قوتوں کو دور کرنے اور اپنے کو قائم و باقی رکھنے کے لئے انتہا درجہ کی کوشش کرنا۔ یہ کوشش زبان سے بھی ہوتی ہے۔ مال سے بھی ہوتی ہے۔ جان سے بھی ہوتی ہے۔ جس قسم کی کوشش کی

قوم۔ ملک، فوج۔ ان سب سے مقصود کیا ہے۔ یہی کہ "جماعت" اور التزام جماعت، وحشی قوموں تک کو دیکھتے ہو کہ جنگل کے درختوں کے نیچے اکٹھے ہو جاتے ہیں اور مل جل کر اپنے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ پھر جماعت بے سود ہے اگر اس کا نظام نہ ہو اور کوئی سردار و رہنما نہ ہو۔ تم پانچ آدمیوں کی بھی کوئی مجلس منعقد کرتے ہو تو سب سے پہلے ایک پریزیڈنٹ کا انتخاب کرتے ہو اور کہتے ہو کہ جب تک کسی کو صدر مجلس نہ مان لیں گے، یہ پانچ آدمیوں کی مجلس بھی باقاعدہ کام نہ کر سکے گی۔ فوج ترتیب دیتے ہو تو دس آدمیوں کو بھی بغیر ایک افسر کے نہیں چھوڑتے۔ اس کی اطاعت ماتحتوں کے لئے فرض سمجھتے ہو اور یقین کرتے ہو کہ بغیر اس کے فوج کا نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ پانچ دس آدمی بھی اگر بغیر امیر کے کام نہیں کر سکتے تو قومیں کیونکر اپنے فرائض بلا امیر کے انجام دے سکتی ہیں؟ اس سے بھی سادہ تر مثال یہ ہے کہ اپنے اپنے گھروں اور خاندانوں کو دیکھو۔ خود تمہارا گھر بھی تو ایک چھوٹی سی آبادی ہے؟ اگر بیوی تمہارا حکم نہ مانے تو تم کیوں بگڑتے ہو۔ اگر گھر کے لوگ تمہارے کہنے پر نہ چلیں تو تم کیوں لڑتے ہو۔ تم کہتے ہو کہ فلاں گھر میں امن و انتظام نہیں۔ روز خانہ جنگی ہوتی ہے۔ یہ سب کیوں؟ صرف اس لئے کہ الجماعۃ والسمع والطاعۃ۔ کوئی جماعت امن و نظم نہیں پا سکتی جب تک اس کا کوئی امیر نہ ہو۔ اور جب تک امیر کی اطاعت نہ کی جائے۔ گھر اور خاندان بھی ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔ تم گھر کے بڑے ہو یعنی امیر سو بس گھر کی عافیت اور کامیابی اس پر موقوف ہے کہ سب تمہاری سنیں اور تمہارے کہنے پر چلیں۔

"ہجرت" کا لفظ کس قدر تمہارے لئے ناآشنا اور نامانوس ہے تم سمجھتے ہو کہ یہ دنیا کے اس عہد جہل و وحشت کی یادگار ہے جب مذہبی جذبات کی برانگیختگی نے تمدنی احساسات کو مغلوب کر دیا تھا۔ اور انسان دین پرستی کے جنون میں اپنی عقل و تمدنی زندگی تک کو قربان کر دیتا تھا۔ لیکن بلاؤ اب دنیا کی اعلےٰ سے اعلیٰ تمدنی ترقیاں بھی تم کو جس راہ کی طرف بلا رہی ہیں وہ "ہجرت" کی حقیقت سے کب خالی ہیں؟ خود علم و تمدن کا تمام ذخیرہ عروج بھی کس عملی حقیقت کا نتیجہ ہے۔ ہجرت سے مقصود یہ ہے کہ اعلیٰ مقاصد کی راہ میں کمتر فوائد کو قربان کر دینا۔ اور حصول مقاصد کی راہ میں جو چیزیں حائل ہوں ان سب کو ترک

عبادا تنا شتی وحسنک واحد وکل الی ذالک الجمال یشیر

علوم وحقائق کے مشاہد ومناظر میں یہ مشہد سب سے اعلیٰ وارفع مقام رکھتا ہے اسی کو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ علم الجمع بین المختلفات سے تعبیر کرتے ہیں (۱) اور عامہ اصحاب اشارات وسلوک نے "مشہد وحدت" کی اصطلاح اختیار کی ہے جو سالک طریق کے لئے کشف حجب اور سیر حقائق کا سب سے بلند تر مقام ہے بمقصود اس سے وہ قوت نظر وفکر ہے جو ظاہر سے گزر کر حقیقت تک پہنچ جائے۔ اور اسماء وتعبیرات کے اختلافات دور کر کے مقاصد ومعانی کا اتحاد حاصل کرلے۔ بحدیکہ سارے نزاعات واختلافات دور ہوجائیں۔ اور سخت سے سخت منازع ومتضاد راہوں پر چلنے والے بھی دیکھ لیں کہ اصل مطلوب دونوں کا ایک ہی ہے۔

اس اصل کو پیش نظر رکھ کر اگر غور کروگے تو واضح ہوجائے گا کہ جماعت۔ تعلیم۔ اطاعت ہجرت اور جہاد دنیا کی وہ عالمگیر صداقتیں ہیں جن کی حقیقت سے کسی نوع بشر کو انکار نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی کوئی صالح جماعت ایسی نہیں ہے جس نے ان سے الگ رہ کر کامیابی حاصل کی ہو۔ ہر عقل نے ان کا اقرار کیا ہے۔ ہر دل میں ان کا اعتقاد موجود ہے۔ اور ہر عامل جماعت شب وروز ان پر عمل کر رہی ہے البتہ ناموں کے اختلاف نے ساری الجھنیں ڈال دی ہے۔ اسلام نے جن ناموں سے ان کو تعبیر کیا ہے اُن سے دنیا کو اختلاف ہے۔ لیکن اسلام جن حقیقتوں کو پیش کرتا ہے ان سے دنیا اختلاف نہیں کرسکتی۔ اگر کرے تو زندگی اور مراد سے محروم ہوجائے۔

اس نظام میں پہلی چیز "جماعت" ہے جس کی مختصر تشریح اوپر گزر چکی۔ غور کرو دنیا کا کونسا کام ایسا ہے جس کو بلا اجتماع وجماعت کے انجام دیا جاسکتا ہے۔ جماعت کی زیادہ سے زیادہ دقیق اور فلسفیانہ تعریف چھوڑ دو۔ صاف اور سیدھے سادے معنی جو ہوسکتے ہیں صرف انہی پر غور کرلو۔ سوسائٹی۔ پارٹی۔ کمیٹی۔ کلب۔ انجمن۔ کانفرنس۔ پارلیمنٹ بلکہ

---

(۱) تفہیمات میں لکھتے ہیں لما تمت بی دورۃ الحکمۃ، البستنی اللہ خلعت المجددیۃ فعلمت علم الجمع بین المختلفات۔

اُن کے گھروں میں کھنچکر نہ جاتی یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اگر صرف قطب شمالی کی تحقیق کے لیے مہاجرین کشف کے ڈیڑھ سو قافلے یکے بعد دیگرے نکلیں اور یکسر قربان ہلاک ہو جائیں تو تم یہ کہو کہ یہ تحقیق علم کا کمال اور جذبۂ نوع پرستی کی انتہا ہے۔ لیکن اگر اسی چیز کو اللہ کی شریعت ایک جامع تر لفظ "ہجرت" سے تعبیر کرے تو تم اس کا انکار کر دو؟ تمہارے نزدیک یہ تو تمدن ہے کہ دریائے نیل کا مخرج دریافت کرنے کے لئے سینکڑوں انسان اپنا گھر بار چھوڑ دیں اور ہلاک ہو جائیں لیکن یہ وحشت کہ قیام حق اور اشاعت صداقت کی راہ میں اللہ کے بندے ترک وطن کریں؟ اگر نیوٹن اپنی راتوں کی نیند اور بستر کی راحت چھوڑ دے تاکہ کشش ثقل کا قانون دریافت کرلے تو تم اس کی پرستش کرو اور کہو کہ یہ علم پرستی ہے لیکن اگر تم عزم و طلب کے ایسے ہی پرستار ہو تو اس عازم صادق کے لئے کیا کہتے ہو جو قانون کشش ثقل کے لئے نہیں بلکہ قانون نجات عالم کے لئے اپنا گھر چھوڑ دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ حق پرستی ہے۔

آج تمام یورپ قومی ترقی اور ملکی استحکام کی سب سے بڑی بنیاد "کالونیل" سسٹم" کو یقین کرتا ہے۔ یعنی نوآبادیوں کے اصول کو، اور اس کا اس درجہ پرستار ہے کہ صرف اسی کی خاطر پانچ سال تک دنیا کو عالمگیر جنگ و قتال میں مبتلا رکھتا ہے لیکن نوآبادیوں کے اصول کے کیا معنی ہیں؟ یہی کہ ترک وطن کرکے اپنی نئی نئی آبادیاں قائم کرنا اور قومی دولت و طاقت کو بڑھانے کے لئے دنیا میں دور دور تک پھیل جانا۔ اب غور کرو کہ یہ وہی "ہجرت" اور ترک وطن کی بات ہوئی یا نہیں؟ اور الجماعۃ والسمع والطاعۃ والطیبۃ پر دنیا عمل کر رہی ہے یا نہیں؟ نام مختلف ہیں مگر حقیقت ایک ہی ہے۔

"جہاد" کے معنی یہ ہیں کہ دفع اعداء میں اپنی جان و مال سے کمال درجہ سعی و محنت کرنا۔ دنیا میں کوئی قوم، کوئی ملک، کوئی جماعت، کوئی قبیلہ، کوئی خاندان، کوئی گھر، کوئی انسان بلکہ کوئی وجود اور زندگی بغیر جہاد کے زندہ اور قائم نہیں رہ سکتی، کون ہے جو زندہ رہنا چاہتا ہے اور جہاد نہیں کرتا؛ جس چیز کو تم ہزاروں نامور اور لفظوں میں بولتے ہو اور کارزار ہستی میں بقاء و قیام کی اصل بنیاد سمجھتے ہو، اسی کو اسلام نے ایک جامع لفظ "جہاد" سے تعبیر کیا

کر دینا۔ خواہ آرام و راحت ہو۔ مال و دولت ہو۔ نفسانی خواہشیں ہوں۔ حتیٰ کہ قوم ہو۔ ملک ہو۔ وطن ہو۔ اہل و عیال ہوں۔ سب کو چھوڑ دینا۔ پھر بتلاؤ علم و عمل کا کون گوشہ ہے جس میں کامیابی بغیر اس جذبہ کے مل سکتی ہے۔ انسان کی معلومات میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ایسی بتلا سکتے ہو جو بلا ہجرت کے مقام سے گزرے۔ اُس نے پائی ہو؟ دنیا کی علمی و تمدنی ترقیاں۔ حیرت انگیز اکتشافات۔ انقلاب انگیز ایجادات، دولت کی فراوانی تجارت کی عالمگیری۔ نئی نئی آبادیوں کا قیام طرح طرح کے وسائل معیشت و فلاح کا ظہور پھر ملکوں کا عروج۔ قوموں کی بالادستی۔ تمدن کی وسعت، فی الحقیقت انسان کے کس عملِ حق کے نتائج و ثمرات ہیں؟ اگر کج نظری چھوڑ دو تو معلوم کر لوگے کہ صرف عملِ ہجرت کے۔ اگر انسان اور انسانوں کی جماعتوں نے طلبِ مقاصد و عزائم میں ہزاروں قربانیاں نہ کی ہوتیں۔ ہر طرح کے آرام و راحت سے مفارقت نہ کر جاتے۔ اپنی ساری خواہشوں اور ولولوں کو ترک نہ کر دیتے۔ گھر کے عیش۔ اہل و عیال کی محبت۔ خویش و بیگانہ کی الفت اور ملک و وطن کی دامن گیریوں سے بالکل آزاد ہو کر راہِ ہجرت میں قدم نہ اٹھاتے تو آج دنیا میں علم کی جگہ جہل ہوتا۔ تمدن کی جگہ وحشت ہوتی۔ آبادیوں کی جگہ جنگل ہوتے اور تمام ترقیوں میں سے ایک ترقی بھی کرۂ ارضی کی پیٹھ پر نظر نہ آتی۔ دنیا میں جس قدر علوم و فنون موجود ہیں ان سب کی تکمیل کیونکر ہوتی۔ اگر دولۂ ہجرت سے انسان کا قلب خالی ہوتا! کتنے ہی انسانوں نے اپنے گھروں اور وطنوں سے ہجرتیں کی ہیں۔ دنیا کے ایک ایک گوشے ایک ایک چپے کو چھان مارا ہے۔ جب کہیں جا کر فنِ طب کی تکمیل ہوئی ہے اور ادویہ و اشیا کے خواص کا علم مکمل ہوا ہے۔ اگر مہاجرین علم کے قافلے اپنے اپنے گوشوں سے نہ نکلتے اور گھر کے آرام و راحت کی جگہ سفر و غربت کی صعوبتیں نہ گوارا کر لیتے تو اشیا کی تحقیق کیونکر ہوتی؟ پیداوار کی معلومات کیونکر تکمیل پاتیں؟ جغرافیہ کیونکر وجود میں آتا؟ علم الحیات کے تجارب کی جزئیات کیونکر جمع ہو سکتیں؟ نئی نئی ایجادات اور اکتشافات کی کس طرح راہ کھلتی؟ کولمبس اگر ہجرت نہ کرتا تو آج نیویارک، واشنگٹن کی سر بفلک عمارتوں کا وجود نہ ہوتا۔ اگر یورپ کی قومیں اپنے ملکوں سے مہاجرت نہ کرتیں تو آج تمام دنیا کی دولت

پس جاہلیت کا دوسرا نام تفرقہ ہوا۔ اور اسلام کا دوسرا نام جماعت اور التزام جماعت یہی وجہ ہے کہ تمام احادیث میں بہ حقیقت واضح کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ جو شخص جماعت اور اطاعتِ امام سے الگ ہو گیا۔ گویا وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ اس کی موت اسلام پر نہیں جاہلیت پر ہوگی۔ اگرچہ نماز پڑھتا ہو۔ روزہ رکھتا ہو اور اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو[1]۔

مسلمانانِ ہند اور نظامِ جماعت

اس بارے میں مسلمانوں کے لئے راہِ عمل ہمیشہ سے الگ رہی ہے اور ہمیشہ کی طرح اب بھی ایک ہی ہے۔ یعنی ہندوستان کے مسلمان اپنی جماعتی زندگی کی اس معصیت سے باز آجائیں جس میں ایک عرصہ سے مبتلا ہیں اور جس کی وجہ سے فوز و فلاح کے تمام دروازے ان پر بند ہو گئے۔

"جماعتی زندگی کی معصیت" سے مقصود یہ ہے کہ ان میں ایک جماعت بن کر رہنے کا شرعی نظام مفقود ہو گیا ہے۔ وہ بالکل اس گلے کی طرح ہیں جس کا ابنوہ جنگل کی جھاڑیوں میں منتشر ہو گیا ہو، وہ بسا اوقات یک جا کٹھے ہو کر اپنی جماعتی قوت کی نمائش کرنی چاہتے ہیں۔ کمیٹیاں بناتے ہیں۔ کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں۔ لیکن یہ تمام اجتماعی نمائشیں شریعت کی نظروں میں "بھیڑ اور ابنوہ" کا حکم رکھتی ہیں۔ جماعت کا حکم نہیں رکھتیں۔ بھیڑ اور جماعت میں فرق ہے۔ پہلی چیز بازاروں میں نظر آجاتی ہے۔ جب کوئی تماشہ ہو رہا ہو۔ دوسری چیز جمعہ کے دن مسجدوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ جب ہزاروں انسانوں کی منظم و مرتب صفیں ایک مقصد، ایک جہت اور ایک حالت اور ایک ہی کے پیچھے مجتمع ہوتی ہے۔

شریعت نے مسلمانوں کے لئے جہاں انفرادی زندگی کے اعمال مقرر کر دیئے ہیں

---

[1] یہاں سے وہ ابواب کاٹ دیئے گئے ہیں جن میں حضرت مولانا نے انہیں مفاہیم و مطالب کو احادیث و تواریخ کے تذکرے و بیان سے آراستہ کی ہے اور آخر میں اس بحث کو جزیرۃ العرب عثمانی خلافت، برطانوی حکومت اور مسلمانانِ ہند کے سیاسی اعمال کے ذکر پر ختم کیا ہے۔ مسلمانانِ ہند اور نظامِ جماعت اس طویل و مبسوط تحریر کی آخری فصل ہے لیکن اس میں فصول و مباحث کا خلاصہ و مقصد آگیا ہے۔ مزید تشریحات کے لئے مرتب کی تصریحات دیکھئے۔

کیا ہے۔ اگر تم سے ڈارون اور رسل ویلیس تنازع للبقا (STRUGIE FORE XISTANCE) اور انتخاب طبیعی (NATURAI SOIECTION) اور بقاء اصلح (SURVIYALOF THE FITTEST) کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کارزارِ حیات میں بقا صرف اصلح و امثل کے لئے ہے تو تم پوری طرح کان دھرتے ہو اور فطرت کے قتل و غارت کا افسانۂ خونیں تم کو پریشان خاطر نہیں کرتا۔ لیکن اس حقیقت کو قرآن و اسلام زیادہ مکمل شکل میں بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جو قانون الہٰی زمین کے کیڑے مکوڑوں تک نافذ ہے۔ اس پر جمعیت بشری کیونکر بری ہو سکتی ہے؛ پس دنیا میں اسی قوم کو باقی رہنا چاہیئے جو حق و ہدایت کے اعتبار سے اصلح ہو، غیر اصلح عقائد و اعمال کو مٹ جانا چاہیئے۔ اور قانونِ الہٰی کا ہاتھ بن کر مٹا دینا چاہیئے۔ ہدایت یافتہ اقوام کا یہ حق ہے کہ غیر ہدایت یافتہ قوموں پر غالب آئیں (لیظہرہ علی الدین کلہ۔ پھر اس بات پر تم کیوں مضطرب ہوتے ہو۔ کیوں اس قدر قانونِ ہستی کے ذکر میں تم کو قتل و غارت گری کی دہشت نیکی نظر آتی ہے۔ یورپ کی قومیں تمام دنیا کو اپنی نوآبادیوں سے بھر دیں اور کہیں کہ افریقہ کے وحشیوں کی جگہ ہم متمدن اقوام زیادہ خدا کی زمین کی حقدار ہیں۔ اس کو تم گوارا کرو۔ لیکن اگر اسلام کہے کہ ان الارض اللہ و رسولہ خدا کی زمین حق پرستوں کے لئے ہے۔ کفر و ضلالت کے پرستاروں کے لئے نہیں تو تم اس کو وحشت اور خونخواری کہو۔

یہاں ایک اہم اور قابلِ غور امر یہ بھی ہے کہ اس حدیث (حدیثِ حارث اشعری) اور نیز دیگر احادیث میں ہمیشہ جماعت اور اطاعتِ خلیفہ کی زندگی کو اسلامی زندگی قرار دیا ہے اور اس کے عکس کو جاہلیت، جاہلیت کی زندگی میں ہلاکت کا اصلی تخم کیا تھا؛ قرآن نے واضح کیا ہے کہ تفرقہ اور باہمد گر علیحدگی اور کسی ایک مرکزی قوت کے ماتحت نہ ہونا۔ اسلام نے ظاہر ہو کر زندگی کی جو تخم ریزی کی وہ کیا تھی؛ باہمی اتحاد و ائتلاف۔ تمام منتشر افراد کو ایک متحدہ جماعت بنا کر نفس واحدہ کر دیا اور سب کے سر ایک ہی چوکھٹ پر جھکا دیئے واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم، فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔ وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا۔

یہ وقت فصل کاٹنے کا تھا نہ کہ دانہ ڈالنے کا۔ لیکن مسلمانوں نے اپنی جد وجہد کی تمام گزشتہ زندگی کم گشتگی و بے حاصلی میں ضائع کر دی۔ حتیٰ کہ سچ مچ وہ وقت آگیا جس کی تباہیوں کا تخیل پیدا کر کے کبھی ڈرانے والے ڈرایا کرتے تھے فقد جاء اشراطھا فانی لھم اذ جاءتھم ذکراھم ؟ اب بھی اگر کام ہے تو یہی کام ہے اور غم ہونا چاہیئے تو اسی کا۔ سچے کام کے کرنے میں کتنی ہی دیر ہو جائے مگر جب کبھی کیا جائے۔ سچائی ہے۔ اس کے لئے نہ تو کوئی وقت ناموافق ہے نہ کوئی مخالف۔ اس کے کرنے میں جس قدر دیر کی جائے گی مصیبت اور ہلاکی ہے۔ لیکن جب کبھی کر دیا جائے۔ سچائی اور نیکی ہے اور اس کا ثمر زندگی اور کامرانی۔

تمہاری سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ خاص خاص وقتوں میں خاص خاص کاموں کا نام سن پاتے ہو اور پھر چیخنے چلانے لگتے ہو اور جس طرح اونگھا ہوا آدمی ایک مرتبہ چونک اٹھتا ہے۔ یکایک اعتقاد اور عمل دونوں تمہیں یاد آجاتے ہیں۔ حالانکہ نہ تو خاص خاص وقتوں ہی میں تمہاری مصیبت وجود میں آتی ہے نہ کہ کامیابی کی راہ کسی خاص کام کے پڑجانے پر موقوف ہے۔ تمہاری مصیبت دائمی۔ تمہارا ماتم ہمیشگی کا۔ تمہارا روگ تمہاری ہڈیوں کے اندر سمایا ہوا اور تمہاری نحوست چوبیس گھنٹے تمہاری ساتھی ہے۔ اور ٹھیک اسی کی طرح تمہاری کامیابی و خوش حالی بھی ہر وقت تمہارے سائے کے ساتھ دوڑ رہی ہے اور ہر آن و ہر لمحہ تمہارے وجود کے اندر سمائی ہوئی ہے۔

تم وقت پر آجانے والی چیزوں کے غم میں کیوں گھلے جاتے ہو؟ اپنا ہمیشہ کا معاملہ ایک مرتبہ درست کیوں نہیں کر لیتے۔ جب تک دل و جگر کا علاج نہ ہوگا روز نئے نئے روگ لگتے رہیں گے۔ خلافت کا مسئلہ کل سے سامنے آیا ہے۔ مگر تمہاری بربادی کا مسئلہ کل ہی سے نہیں شروع ہوا پس تمہارا اصلی کام کوئی خاص مسئلہ اور کوئی خاص تحریک نہیں ہو سکتی ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لئے صرف یہی ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو مسلمان بننا چاہیئے۔ اور قوم و فرد دونوں اعتباروں سے ٹھیک ٹھیک اسلامی زندگی اختیار کر لینی چاہیئے۔ اس ایک کام کے انجام پانے پر سارے کام خود بخود انجام پا جائیں گے۔ سوال حکومتوں

وہاں ان کے لئے ایک اجتماعی نظام بھی قرار دے دیا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ زندگی اجتماع کا نام ہے۔ افراد و اشخاص کوئی شے نہیں۔ جب کوئی قوم اس نظام کو ترک کر دیتی ہے تو گو اس کے افراد فرداً فرداً کتنے ہی شخصی اعمال و طاعات میں سرگرم ہوں۔ لیکن یہ سرگرمیاں اس بارے میں کچھ سود مند نہیں ہو سکتیں اور قوم جماعتی معصیت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

قرآن و سنت نے بتلایا ہے کہ شخصی زندگی کے معاصی کسی قوم کو یکایک برباد نہیں کر دیتے۔ اشخاص کی معصیت کا زہر آہستہ آہستہ کام کرتا ہے۔ لیکن جماعتی زندگی کی معصیت کا تخم (یعنی نظامِ جماعتی کا نہ ہونا) ایسا تخمِ ہلاکت ہے جو فوراً بربادی کا پھل لاتا ہے اور پوری قوم کی قوم تباہ ہو جاتی ہے۔

شخصی اعمال کی اصلاح و درستگی بھی نظامِ اجتماعی کے قیام پر موقوف ہے۔ مسلمانانِ ہند جماعتی زندگی کی معصیت میں مبتلا ہیں اور جب جماعتی معصیت سب پر چھا گئی ہے تو افراد کی اصلاح کیونکر ہو سکتی ہے؟

کتاب و سنت نے جماعتی زندگی کے تین رکن بتلائے ہیں۔

تمام لوگ کسی ایک صاحب علم و عمل مسلمان پر جمع ہو جائیں اور وہ ان کا امام ہو۔

وہ جو کچھ تعلیم دے۔ ایمان و صداقت کے ساتھ قبول کریں۔

قرآن و سنت کے ماتحت اس کے جو احکام ہوں ان کی بلا چون و چرا تعمیل و اطاعت کریں۔

سب کی زبانیں گونگی ہوں۔ صرف اسی کی زبان گویا ہو۔ سب کے دماغ بیکار ہو جائیں صرف اسی کا دماغ کارفرما ہو۔ لوگوں کے پاس نہ زبان ہو نہ دماغ۔ صرف دل ہو جو قبول کرے۔ صرف ہاتھ پاؤں ہوں جو عمل کریں۔

اگر ایسا نہیں ہے تو ایک بھیڑ ہے۔ ایک انبوہ ہے۔ جانوروں کا ایک جنگل ہے کنکر پتھر کا ایک ڈھیر ہے۔ مگر نہ تو "جماعت" ہے نہ "امت" نہ "قوم" ہے نہ "اجتماع" اینٹیں ہیں مگر دیواریں نہیں۔ کنکر ہیں مگر پہاڑ نہیں۔ قطرے ہیں مگر دریا نہیں۔ کڑیاں ہیں جو ٹکڑے ٹکڑے کر دی جا سکتی ہیں۔ مگر زنجیر نہیں جو بڑے بڑے جہازوں کو گرفتار کر لے سکتی ہے۔

بھی بغیر مشین اور سائنس (ڈرائیور) کے کچھ نہیں کر سکتی۔ مشین اس کی طاقت کو ترتیب دیتی اور ڈرائیور اس سے کام لیتا ہے۔ اگر یہ دونوں باتیں نہیں ہیں تو اس سے زیادہ کوئی خطرناک اور مہلک چیز بھی نہیں ہو سکتی۔ کاش وہ نہ ہوتی، وہ ٹرین کو منزلِ مقصود پر پہنچاتی ہے۔ مگر انجنوں کو ٹکرا کر ہزاروں انسانوں کو ہلاک بھی کر دیتی ہے۔

جذبات اسی وقت کام دے سکتے ہیں جب ان کو مرتب کرنے اور ان پر حکم و قضا کے لئے "ادراک" اور دماغ بھی موجود ہو۔ ذالک من عمل الثبوت ولکن لا یعقلھا الا العالمون۔

بہرحال اس وقت اور ہمیشہ کے لئے راہِ عمل بھی ہے کہ مسلمان سب سے پہلے اسلام کی جماعتی زندگی اختیار کریں۔ اسی پر مسئلہ خلافت اسلامی کے بھی تمام مہمات و اعمال موقوف ہیں۔

تمام مسلمانوں کو ان ہمدردانِ ملت کا شکرگزار ہونا چاہیئے جنہوں نے آل انڈیا خلافت کمیٹی کی بنیاد ڈالی اور تمام ملک میں اس کی شاخوں کے قیام کا سروسامان کیا لیکن خلافت کمیٹی کا نظام جماعتی و شرعی کے قیام سے مستغنی نہیں کر دے سکتا۔ خلافت کمیٹی روپیہ جمع کرے گی۔ ایجی ٹیشن جاری رکھے گی، تبلیغ و اشاعت کرے گی، نہ تو وہ قوم کو سنبھال سکتی ہے، نہ کمیٹیوں سے جماعت پیدا ہو سکتی ہے، نہ شرعی نظام کی قائم مقامی ہو سکتی ہے، وہ خود احکامِ شرعیہ کے علم کے لئے اپنے قیام و تکمیل کے لئے، دفع تفرقہ و انتشار کے لئے اور روحِ اجتماع و اقوام کے نفوذ کے لئے ایک بالاتر قوتِ حاکمہ و نافذہ کی محتاج ہے اور اگر وہ قوت نہیں ہے تو پھر اس کی ہستی بھی قائم نہیں رہ سکتی۔

نظامِ شرعی یہ نہیں ہے کہ ہر شخص فرداً فرداً سوچتا ہے کہ مسئلہ خلافت کے لئے کیا کرنا چاہیئے اور اخباروں میں آرٹیکل لکھے جائیں کہ عملی راہ کیا ہونی چاہیئے، اور نہ ہر شخص یا چند آدمیوں کی گھڑی ہوئی کمیٹی کو یہ حق ہے کہ لوگوں کو کسی خاص راہ کی طرف دعوت دینا شروع کر دے یہ کام صرف ایک صاحبِ نظر و اجتہاد کا ہے۔ جس کو قوم نے بالاتفاق تسلیم کر لیا ہو، وہ وقت اور حالت پر اصول و احکامِ شریعت کو منطبق کرے گا۔ ایک ایک جزئیہ حوادث و واقعات پر بولی

کے نکل جانے کا نہیں ہے۔ ایمان کی گم گشتگی اور محرومی کا ہے۔

درازیٔ شب و بیداریٔ من ایں ہمہ نیست
زبخت من خبر آرید تا کجا خفت ست

اسی مسئلۂ خلافت کو دیکھو! شرعی اور سیاسی دونوں پہلوؤں سے کس قدر اہم اور نازک معاملہ ہے؟ اگر آج مسلمانوں میں ان کے آئمہ و مشاہیر موجود ہوتے تو ان میں سے بھی ہر شخص زبان نہ کھولتا۔ کسی ایک صاحب نظر و عمل کے احکام پر سب کاربند ہو جاتے لیکن اس کے مقابلے میں آج تمہارا حال کیا ہو رہا ہے؟ کمیٹیوں اور تجویزوں کی عادت برسوں سے پڑی ہوئی ہے۔ اسی قینچی سے اس پہاڑ کو بھی کترنا چاہتے ہیں۔ ہر زبان تجویز پیش کر رہی ہے ہر قلم امام و مجتہد کی طرح احکام نافذ کر رہا ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے۔ کوئی داہنے بلاتا ہے۔ کوئی بائیں۔ کیا اس طوائف الملوکی اور ذہنی انتشار کی کے ساتھ جو عالم فکر و نظر کا ایک پورا پورا عذر ہے۔ یہ مہم سر ہو سکتی ہے؟

شرعی پہلو سے مسئلہ کا یہ حال کہ ایک صاحب نظر و اجتہاد دماغ کی ضرورت ہے جس کا قلب کتاب و سنت کے معارف و علوم سے معمور ہو، وہ اصول شرعیہ کو مسلمانان ہند کی موجودہ حالت پر، ان کے توطن ہند کی حدیث العہد نوعیت پر۔ ایک ایک لمحہ کے اندر متغیر ہو جانے والے حوادث جنگ و صلح پر ٹھیک ٹھیک منطبق کرے اور پھر تمام صالح مقاصد شرعیہ و ملیہ کے تحفظ و توازن کے بعد فتویٰ شرع صادر کرے۔ ہر عالم اس کا اہل ہے نہ ہر مدرسہ نشین اس کا اسرار شناس۔

سیاسی پہلو سے دیکھا جائے تو جو کام فوجوں اور حکومتوں کی طاقت سے انجام پا سکتا ہے اس کو تم صرف اپنی جماعتی قوت کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہو۔ پھر کس قدر نامرادی ہے کہ وہ قوت بھی ناپید۔

بلاشبہ لوگوں میں احساس اور طلب کی کمی نہیں۔ نہ جوش و سرگرمی کی کمی ہے اور یہ بڑی ہی قیمتی چیز ہے۔ لیکن اگر صحیح راہ عمل اختیار نہ کی گئی تو یہی بات سب سے زیادہ مضر بھی ہو جا سکتی ہے۔ جذبات کی مثال اسٹیم کی سی ہے بغیر اسٹیم کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن وہ

تھیں۔ مگر تمہارے سینے کے اندر پتھر کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس سے ٹکرا ٹکرا کر واپس آجاتی تھیں اور تم یک قلم انکار و اعراض میں غرق تھے۔

تم نے ہمیشہ اعراض کیا، تم نے اعراض ہی نہیں کیا بلکہ جعلوا اصابعھم فی اذانھم و استغشوا ثیابھم، واسرّوا واستکبروا استکبارا کی ساری سنتیں غفلت و انکار کی تازہ کردیں۔ میں نے تم میں سے ہوکر ہر گروہ کو ٹٹولا۔ میں نے دلوں اور روحوں کا ایک ایک گوشہ چھان مارا۔ جب کبھی کوئی بھیڑ دیکھی فریاد کی۔ جب کبھی انسانوں کو دیکھا اپنی طرف بلایا فلم یزدھم دعائی الا فرارا۔

بہت کم روحیں ایسی نکلیں جن کو حقیقت کا فہم ہو اور بہت کم دل ایسے ملے جو طلب و عشق سے معمور ہوں۔ یہاں تک کہ میں تمہاری آبادیوں سے الگ ہوکر رانچی کے گوشۂ قید و بند میں چلا گیا اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہاں بھی میری صبحیں اور میری شامیں کن فکروں اور کن کاموں میں بسر ہوتی رہیں۔ اب میں پھر تم میں واپس آگیا ہوں لیکن تمہاری بھیڑوں اور غولوں میں سچی جستجو کا چہرہ اسی طرح مفقود ہے جیسا کہ ہمیشہ سے مفقود ہو رہا ہے۔ اب تک حقیقت شناسی کی کوئی گہرائی تم میں نظر نہیں آتی۔ تم مجھے بلاتے ہو کہ استقبال سے بھرے ہوئے ریلوے اسٹیشنوں پر اتارو اور ایسے پرجوش انسانوں کے نعرے سناؤ جن کے ہاتھوں میں فتحمند فوجوں کی طرح جھنڈیاں ہوں اور پھر اتنے انسان میری گاڑی کے چاروں طرف اکٹھے کردو کہ ان کے ہجوم میں دو چار آدمیوں کا خون ہو جائے۔ مگر آہ! میں تمہاری ان بھیڑوں کو لے کر کیا کروں جب دلوں میں سناٹا چھایا ہوا ہے۔ اور تمہارے اس جوشِ استقبال سے مجھے کیا خوشی ہو جب تمہاری روحیں موت کی افسردگی سے مرجھائی ہوئی ہیں۔ افسوس تم میں کوئی نہیں جو میری زبان سمجھتا ہو۔ تم میں کوئی نہیں جو میرا شناسا ہو۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تمہارے اس پورے وطن میں ایک بے یار و آشنا غریب الوطن ہوں۔

من بہر جمعیتے نالاں شدم — جفتِ خوشحالان و بدحالاں شدم
ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من — وز درونِ من جست اسرارِ من
سرِّ من از نالۂ من دور نیست — لیک کس را گوشِ آں منظور نیست

FOR CULTURE ... 9965

کاردانی و نکتہ شناسی کے ساتھ نظر ڈالے گا۔ امت و شرع کے اصولی مصالح و مقاصد اس کے سامنے ہوں گے۔ کسی ایک گوشے ہی میں ایسا مستغرق نہ ہو جائے گا کہ باقی تمام گوشوں سے بے پرواہ ہو جائے۔

حَفِظْتَ شَیْئًا وَغَابَتْ عَنْکَ اَشْیَاءُ

سب سے بڑھ کر یہ کہ اعمال مہمہ امت کی راہ میں منہاجِ نبوت پر اس کا قدم استوار ہوگا اور ساری باتوں کے علم و بصیرت کے بعد ہر وقت، ہر تغیر، ہر حالت، ہر جماعت کے لئے احکامِ شرعیہ کا استنباط کر سکے گا۔

زبانِ نکتہ فرو ماند و رازِ من باقیست　　بضاعتِ سخن آخر شد و سخن باقیست

عزیزانِ ملت! اس طول طویل صحبت میں جو کچھ بیان کیا گیا۔ اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو میری زبان پر نئی ہو، یہ تمام وہی افسانۂ کہن ہے جو پہلے دس سالوں سے برابر دہراتا رہا ہوں اور اگر الہلال والبلاغ کی پیہم صدائیں تمہارے حافظہ میں فراموش نہیں ہو گئی ہیں تو تم اس کی تصدیق کرو گے، تمہارے رہبروں اور پیشواؤں کی راہیں اور صدائیں کتنی ہی مضطرب و متزلزل رہی ہوں لیکن میری طرف دیکھو! میں ایک انسان تم میں موجود ہوں جو دس سال سے صرف ایک ہی صدائے دعوت بلند کر رہا ہے اور صرف ایک ہی بات کی جانب تڑپ تڑپ کر پکار رہا اور لوٹ لوٹ کر بلا رہا ہوں ولکن تحبون الناصحین۔ افسوس کہ تم حقیقی اور سچی بات کہنے والوں کو پسند نہیں کرتے، تم نمائش کے پجاری، شور و ہنگامہ کے بندے، اور وقتی جذبات و انفجارِ ہیجان کی مخلوق ہو۔ تم میں نہ امتیاز ہے نہ نظر، نہ تم جانتے ہو نہ پہچانتے ہو۔ تم جس قدر تیز دوڑ کر آتے ہو اتنی ہی تیزی کے ساتھ فرار بھی کر جاتے ہو، تمہاری اطاعت جس قدر سہل ہے اور تمہاری ارادت جتنی سستی، اتنا ہی انحراف آسان ہے اور اسی نسبت تمہاری مخالفت بھی ارزاں ہے۔ پس نہ تمہاری تحسین کی کوئی قیمت، نہ تمہاری توہین کا کوئی وزن۔ نہ تمہارے پاس دماغ ہے نہ دل۔ وساوس ہیں جن کو تم افکار سمجھتے ہو، خطرات ہیں جن کو تم عزائم کہتے ہو۔ خدارا بتلاؤ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ آج جن باتوں کے لئے تم رو رہے ہو یہ وہی باتیں ہیں جو ایک زمانے میں میری زبان سے فریاد کا اضطراب اور طلب کی چیخ بن کر نکلتی

خطبۂ صدارت

جمعیتہ العلماء ہند لاہور

نومبر ۱۹۲۱ء

حضرات! مجھ کو اس موقع پر جو معروضات آپ کی خدمت میں پیش کرنا تھیں۔ خاص طور پر اصرار کیا گیا کہ میں اپنی عادت کے خلاف انہیں قلمبند کروں۔ یہ جس قدر بھی حصہ خطبہ کا تھا۔ اگرچہ ایک حد تک بے صبری اور بد ذوقی سے سنا گیا۔ لیکن بہر حال میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے یہ تمام حصہ سن لیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان متفرق داستانوں کے سننے کے بعد جو مختلف طرق رہ چکے ہیں۔ اس کا ایک سرسری خاکہ آ گیا ہوگا۔

اب اس کے بعد اس امر کی ضرورت تھی کہ دوسرے ٹکڑے کی جانب توجہ ہوتی کہ جو اگرچہ جمعیتہ العلماء کے عظیم مقصد میں داخل نہیں ہے۔ نفسِ جمعیتہ کے مقصد میں داخل نہیں ہے لیکن فی الحقیقت وقت کا یہ عظیم الشان مسئلہ ہے جو نہ صرف جمعیتہ العلماء بلکہ عالم اسلامی کے ہر قابل لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کے لئے بلکہ ہر انسانیت دوست اور انسانیت پسند انسان کے لئے جو مسئلہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ وقت کا مسئلہ تھا۔ اور ضرورت تھی کہ اس کی جانب میں متوجہ ہوتا۔ اور اس بارے میں بھی جمعیتہ العلماء کے مقاصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ آپ کے سامنے پیش کرتا۔ لیکن اب اس وقت جلسہ کا زیادہ بہتر زیادہ مستفد حصہ اس خطبہ میں صرف ہو چکا ہے اور جلسہ کی موجودہ حالت اس کے لئے متحمل نہیں ہے کہ اب میں اس ٹکڑے کو زیادہ صراحت و تفصیل کے ساتھ عرض کروں۔ لیکن

میری رایوں میں نہ کبھی تبدیلی ہوئی۔ نہ میرے سفر میں کبھی یمین و یسار کا تذبذب پیش آیا ہے۔ تبدیلیاں فکروں میں ہوسکتی ہیں۔ قیاسوں میں ہوسکتی ہیں۔ پولیٹیکل حکمت عملیوں میں ہو سکتی ہیں، انسانی تقلید اس کا سرچشمہ ہے اور انسانوں اور قوموں کا اتباع اس کا منبع۔ لیکن ان عقائد میں کبھی تبدیلی نہیں ہوسکتی جو وحی و تنزیل کی اٹل اور دائمی ہدایتوں سے ماخوذ ہوں الحمد للہ کہ میں جو کچھ کہتا اور کرتا رہا وہ میرے عقائد و معلومات تھے، بڑوں کی طرح آراء و مظنونات نہ تھے وان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ اس وقت تم میں سے اکثروں نے اعراض کیا بہتوں نے استہزار کیا۔ کتنوں نے کہہ دیا کہ یہ تو ایک طرح کی مذہبی بناوٹ اور مافوق الفطرت دعووں کا اعلان ہے۔ یریدون ان یتفضل علینا۔ بعضوں نے تو فیصلہ ہی کر دیا کہ یہ صرف فصاحت و بلاغت کی ساحری اور ایک طرح کی ادیبانہ افسوں گری ہے اکتبتھا فھی تملی علیہ بکرۃ و اصیلا۔ لیکن دیکھو بالآخر رفتہ رفتہ سب نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ سب اسی راہ پر چل پڑے۔ بہتوں نے دانستہ اور بہتوں نے نادانستہ۔ مگر راہ سب نے وہی اختیار کی۔ آج تم سب اسی مافوق الفطرت دعووں اور ساحرانہ فصاحت طرازیوں کو اپنا اصل الاصول بنائے ہوئے ہو۔ اور قیام شریعت اور تقدیم و اتباع شریعت اور حفظ و دفاع ملت کے ناموں سے موسوم کرتے ہو۔

پس جب کہ یہ پہلا تجربہ و مشاہدہ تمہارے سامنے ہے تو آج میں اعلان کرتا ہوں کہ دوسرے تجربہ کا وقت آگیا۔ راہ عمل کے لئے تمہارا رخ وہ ہے جس کی طرف تم دوڑ رہے ہو اور میری راہ وہ ہے جس کی طرف پچھلے صفحوں میں بلا چکا ہوں، تم بارش کے وجود سے انکار نہیں کرتے مگر منتظر رہتے ہو کہ پانی برسنے لگ جائے تو اقرار کریں۔ لیکن میں ہواؤں میں پانی کی بو سونگھ لینے کا عادی ہوں۔ اور صرف بادلوں ہی کو دیکھ کر میرے علم کے لئے کافی ہوتا ہے۔ پس اگر پہلا تجربہ بس کرتا ہے تو اس سے عبرت پکڑو اور اگر ابھی اور انتظار کرنا چاہتے ہو تو انتظار کرو دیکھو فستذکرون ما اقول لکم و افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد۔

مسئلہ خلافت کے متعلق جو ہمارے مطالبات تھے اُن میں نہ تو کچھ گھٹا سکتے ہیں نہ بڑھا سکتے ہیں، نہ کوئی قدم پیچھے لے جا سکتے ہیں، نہ واپس لے جا سکتے ہیں نہ بائیں۔ اس میں کسی طرح کا سمجھوتہ یا مفاہمت کا سوال نہیں ہو سکتا۔

اس بارے میں مسلمانوں کے مطالبات یہ تھے کہ جزیرۃ العرب کو غیر مسلم اثر سے بالکل پاک کر دینا چاہیئے۔ جزیرۃ العرب کے متعلق ہمارا یہ اعلان تھا کہ جزیرۃ العرب صرف حرمین کا نام نہیں ہے۔ بلکہ عراق کا دو تہائی حصہ بھی حسب جغرافیہ اس میں داخل ہے۔ اس لئے عراق کی سرزمین، بصرہ کا علاقہ اور بغداد کا علاقہ جزیرۃ العرب میں داخل ہے جس وقت تک انگریزوں کا اثر جزیرۃ العرب کی ایک چپہ زمین پر باقی رہے گا، مسلمانان عالم کے لئے ناممکن ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے صلح و سمجھوتہ کا ہاتھ برٹش گورنمنٹ کی طرف بڑھا سکیں۔ جس وقت تک ایک چپہ زمین پر، ایک انچ زمین پر، اتنے حصہ پر کہ جتنے حصہ میں عراق کے اڑنے والے گرد و غبار کا ایک ذرہ آسکتا ہے۔ اگر انگریز حکومت کا بلاواسطہ یا بالواسطہ اثر باقی رہے۔ یہ مسلمانوں کے لئے آسان ہے کہ بچھوؤں کے ساتھ، سانپوں کے ساتھ صلح کر لیں۔ پہاڑوں کے غاروں اور بھٹوں میں چلے جائیں۔ وہاں درندوں کے ساتھ صلح کر لیں۔ مگر یہ ممکن نہیں کہ انگریزوں کے سامنے صلح کا ہاتھ بڑھائیں۔

جزیرۃ العرب کے بعد مسئلہ خلافت کے مطالبات کیا ہیں؟ وہ بھی آپ کو یاد ہیں وقت کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے میں اس امر کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ وہ بھی آپ کو یاد دلا دوں۔

دوسری اہم چیز ہمارے سامنے فلسطین کی وہ سرزمین ہے جس کی تحریم ہمارے لئے ویسی ہی ضروری ہے جب تک کہ اس کا ایک چپہ بھی غیر مسلم اثر میں باقی ہے اس وقت تک محال ہے کہ ہمارے واسطے کسی صلح یا مفاہمت کا دروازہ کھل سکے۔ میں اس وقت ان دفعات کی تشریح نہ کروں گا جو خلیفۃ المسلمین پر بصورت شرائط عائد کئے گئے۔ یا خلافت کے ان حقوق پر۔ جس وقت تک ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی

چند ضروری ٹکڑے ہیں جن کو اختصار کے ساتھ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے گوش گزار کردوں۔

اس وقت میری آپ کے اس مجمع میں حیثیت کیا ہے؟ اس وقت آپ کے سامنے ایک واعظ۔ ایک داعی۔ ایک مقرر نہیں ہوں۔ اس لیے یہاں نہیں کھڑا ہوں کہ آپ کے کانوں اور آنکھوں کے لئے تماشہ بنوں۔ میرا کام ایک خاص فرض کا ادا کرنا ہے لوگوں کے حسنِ ظن نے مجھے اس پر کھڑا کر دیا ہے۔ میرا فرض یہ ہے کہ جمعیۃ العلماء کے تعلق کو ملحوظ رکھتے ہوئے جن خیالات کا اعلان ہونا چاہیئے وہ عرض کردوں۔ اس وقت اگر آپ واعظانہ صحبتوں کا وقت لے کر آئے ہوئے ہیں تو اس کا بہترین وقت آپ کے سامنے آنے والا ہے۔ اس وقت جو بیان آئے گا۔ وہ ادائے فرض ہے۔ سب سے پہلے جو مسئلہ اس سلسلے میں ہمارے سامنے آتا ہے، وہ وہی مسئلہ ہے جو تمہاری زبانوں پر نہیں بلکہ تمہارے دلوں کے صفحوں پر نقش ہے۔ یعنی **مسئلہ خلافت**۔ مسئلہ خلافت کا تعلق، اس کی اہمیت، اس کے متعلق عمل میں مسلمانوں کے اوپر کا وجوب، مسلمانوں کے لئے ان کی ضرورت نہ صرف ضرورت بلکہ ایمان و کفر کے امتحان گاہ کا ان کے لئے پیدا ہو جانا۔ ان تمام پہلوؤں کو نہایت تشریح کے ساتھ گزشتہ دو سال کے اندر میں بیان کر چکا ہوں۔ اور میں نہ چاہوں گا کہ وہ دہرائی ہوئی داستان پھر آپ کے سامنے دہراؤں۔

وقت کے حالات اس امر کا ضرور داعیہ رکھتے ہیں کہ اس امر کو ظاہر کروں کہ خلافت کے متعلق مسلمانانِ عالم اور علی الخصوص مسلمانانِ ہند کے مطالبات شرعی کیا تھے۔ تاکہ ایک مرتبہ ان مطالبات کا اعادہ موجودہ حالت کے اعتبار سے اس امر کا فیصلہ کرلے کہ ہمارے مطالبات کیا ہیں؟ اور ان مطالبات کی نوعیت اور صورت کیا ہے اور وہ دنیا کے ہر طرح کے خیالات سے، ہر طرح کی مفاہمت سے، سمجھوتوں سے بالکل بالا تر ہے۔ کسی طرح کی گنجائش باقی نہیں ہے۔

مسئلہ خلافت کے سلسلے میں صحبت میں مجھ کو جو کچھ عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ

سامنے آچکے ہیں۔ اس موقع پر جمعیۃ العلماء کے اس مجمع میں یقیناً اپنا فرض محسوس کرتا ہوں کہ پوری ذمہ داری کے ساتھ اس واقعہ کی نسبت احکام شرع کی رو سے جو ہمارا اعلان ہو سکتا ہے اس اعلان کو اختصار کے ساتھ میں بیان کردوں۔ تاکہ اس کے متعلق نہ کسی طرح اخفاء رہے نہ غلط فہمی رہے اور نہ پیچیدگی باقی رہے۔ اس واسطے آپ مجھے اجازت دیں گے کہ موپلاؤں کے متعلق کچھ عرض کردوں۔

میں اس وقت اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ جو واقعات ہوئے ان کے علل کیا ہیں اور جو داستانیں اس وقت تک ہمارے کانوں سے ٹکرا چکی ہیں ان کی صداقت کیا ہے۔ اب تک وہاں کے حالات تاریکی میں ہیں۔ ان کی روشنی ہم تک نہیں آئی۔ ایک واقعہ ہمارے سامنے آتا ہے اور ایک پہلو کو نمایاں کرتا ہے۔ مدراس میل کا نامہ نگار ایک واقعہ لکھتا ہے اس سے دوسری صورت ہمارے سامنے نمایاں ہوتی ہے۔ حقیقت میں اور صداقت میں اور ان واقعات میں ایسی صورت حائل ہے کہ وہاں کے اصلی حالات کو ہمارے سامنے آنے نہیں دیتی۔ آپ اس امر کا فیصلہ کرلیں کہ اس حادثہ کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے۔ میں جو کچھ عرض کروں گا کہ وہ اس قدر صاف اور واضح ہے کہ آپ میں سے کسی کو اس سے متفق ہوتے ہوئے تامل نہ ہوگا۔

دو چیزوں کے متعلق میرا فرض ہے کہ میں صاف صاف اعلان کردوں۔ پہلی چیز وہ واقعہ ہے کہ جو وہاں رونما ہوا، یعنی وہ لڑائی، وہ جنگ، وہ فساد، وہ تشدد کہ جو وہاں واقع ہوا ہے اور اس وقت تک اصلیت ہمارے سامنے موجود نہیں ہے۔ یہ خبر بھی بار بار بیان کی گئی ہے کہ موپلاؤں نے وہاں انگریزی حکومت سے لڑائی کی، تلوار اٹھائی اس کی عدالتوں اور اس کی حکومتوں سے لڑائی کی۔ اور یہ جو انہوں نے شمشیر زنی کی یہ واقعی انہوں نے خلافت کا نام لے کر کیا۔ اور اس اعلان کے ساتھ کیا کہ خلافت کے مسئلہ سے جو فرائض ہم پر عائد ہوئے ہیں ان کی وجہ سے ہم نے تلوار اٹھائی۔ میں نہیں جانتا کہ وہاں کے اصل واقعات کیا ہیں۔ اگر بالفرض یہ واقعہ صحیح ہو اور وہاں کے موپلاؤں نے یہ کیا ہو، تو ہمارے واسطے یہ بالکل صاف اور ہر طرح کے شبہ سے پاک ہے۔

باقی ہے۔ اس وقت تک مسلمانانِ ہند کے لئے محال قطعی ہے کہ وہ صلح کا، اتفاق کا کوئی ہاتھ بھی اس گورنمنٹ کی طرف بڑھا سکیں۔ میں یہ بھی کہے دیتا ہوں کہ اب جب کہ حالات نے پلٹا کھایا، واقعات نے اپنا ورق الٹا اور حضرت غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی فوجوں نے یقیناً موجودہ جنگ کے میدان ہی کو نہیں بلکہ وسط ایشیا کے میدان کو ہمیشہ کے لئے فتح کر لیا تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے بار بار اس طرح کی چیزیں لائی جاتی ہیں اور ظاہر کیا جاتا ہے کہ آج مسلمانوں کے مطالبات خلافت کے لئے سب سے زیادہ اہم چیز اور سمرنا ہے۔

لیکن میں اس وقت اس امر کا اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ سمرنا اور تھریس کا میدان فی الحقیقت وہ دونوں ایسے میدان تھے کہ اس کا فیصلہ ہو سکتا تھا تو ہندوستان کے مسلمانوں کی آہ و فغاں سے نہیں۔ بلکہ زندہ انسانوں کے ذریعہ ہو سکتا تھا۔ اس کی بنیاد یہ تھی کہ فی الحقیقت تمام مسئلہ خلافت میں یہ ظلم اتنا نمایاں اور ابھرا ہوا تھا کہ بار بار مقررین خلافت اپنی تقریروں میں ذکر کیا کرتے تھے۔ یہ دونوں علاقے یونان کو دلائے گئے۔

یونان فریق جنگ نہ تھا جنگ سے اس کا تعلق نہ تھا، اس کو بار بار نمایاں کر کے پیش کیا جاتا تھا لیکن اس سے یہ مقصد نہ تھا کہ مطالبات خلافت میں اس کی اہمیت بمقابلہ دیگر معاملات کے ہے، میں اس امر کا اعلان کر دینے کے لئے تیار ہوں کہ سمرنا اور تھریس کو غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی تلوار کی نوک کی قسمت پر چھوڑ دیجئے ہمارا مطالبہ جزیرۃ العرب۔ فلسطین اور شام کے لئے ہے۔ بیت المقدس کے لئے ہے اور ان شرائط کے لئے ہے جو پائگاہ خلافت کے لئے عائد کی گئیں۔

مسئلہ خلافت کے متعلق جو عرض کرنا تھا، وہ چند اشارات تھے جو آپ کے گوش گزار کر دیئے۔ میرے فرائض میں سے ایک نہایت اہم فرض یہ بھی ہے کہ ایک دوسری جانب بھی کچھ نہ کچھ اشارہ کروں۔

میرا مقصد وہ حادثہ ہے جس حادثہ کو آپ میں سے تقریباً تمام اخبار بین اور باخبر حضرات مختلف اخبارات میں پڑھ چکے ہوں گے۔ میرا مقصد جنوبی ہند سے مدراس و مالابار کے اس حادثہ سے ہے جس کے متعلق طرح طرح کے نتائج و حالات آپ کے

سکتی ہے) جس وقت اس امر کا اعلان کر دیا تو میں ان کو احکام شرعی کی رو سے بتلانا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کی کسی جماعت، کسی گوشۂ ملک کو خواہ وہ مالابار ہو یا ہندوستان کا کوئی گوشہ جہاں مسلمان بستے ہوں، بشرطیکہ ان کی جماعت کو اس فیصلہ کی اطلاع ہو چکی ہو احکام شرعیہ کی رو سے ان احکام کے بعد جائز نہیں ہے کہ اس جماعتی فیصلہ سے اپنے قدم کو باہر نکالے اور اس طرز عمل کو اختیار کرے کہ جس طرز عمل کو مسلمانوں نے بحیثیت جماعت رد کر دیا ہے۔ اس میں اس امر کا اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر موپلاؤں نے خلافت کے مقصد کو لے کر تلوار اٹھائی اور جنگ کی تو ان کا یہ عمل اس جماعتی فیصلہ کے خلاف تھا جو ہندوستان کے علماء نے کیا ہے۔ اس لئے یقیناً ان کو ملامت کی جا سکتی ہے۔ ان کو کسی حالت میں یہ حق نہ تھا کہ وہ ہندوستان کے جماعتی فیصلہ سے قدم باہر نکالیں۔ اور ہندوستان کے کسی گوشہ کو اس امر کا اختیار نہ ہوگا کہ مسلمانوں کی جماعت نے جو فیصلہ کر دیا ہے اس سے روگردانی کریں انفراداً اس کا اصول تم کو معلوم ہے، اس کا معیار تم کو معلوم ہے۔ بحیثیت جماعت کے جو عمل انہوں نے اختیار کیا۔ بلا کسی تاویل کے یہ کھلی ہوئی چیز ہے کہ جب جمعیۃ العلماء نے فیصلہ کر لیا خواہ استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے، خواہ سروسامان نہ ہونے کی وجہ سے۔ جب انہوں نے فیصلہ کیا کہ جو راہ تم کو اس وقت اختیار کرنا ہے، وہ تلوار کی نہیں ہے۔ بلکہ اور حقیقتیں ہیں جن کے ذریعہ سے اس مقصد کو ڈھونڈنا چاہیئے۔ جب مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ یہ ہوا تو مسلمانوں کو یہ جائز نہ تھا کہ اس سے قدم باہر نکالیں۔ اگر انہوں نے قدم باہر نکالا تو انہوں نے ترک اجماع کیا۔ اس کے لئے ہم ان کو ملامت کر سکتے ہیں، سرزنش کر سکتے ہیں۔ ان کے اس ترک اجماع سے ہماری اس جماعت کو نقصان پہنچا ہے تو احکام شرع کی رو سے ان کی تعزیر کی جا سکتی ہے۔ بلاشبہ اس اعتبار سے یہ کھلی ہوئی چیز ہے۔ یہ حقیقت ہر شخص کو معلوم ہے کہ خلافت کے مطالبات کی رو سے اور خلافت کے مقاصد کو اگر ترک کر دیجئے جب بھی ہندوستان کے مقتضیات کی رو سے ہندوستان کے مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ اللہ کی راہ میں قتال کے لئے اٹھتے اور اپنی لاشوں کو تڑپاتے۔ موپلاؤں یا کسی مسلمان نے اگر یہ سمجھ کر کہ ہم اس کو احکام شرع کی رو سے جہاد فی سبیل اللہ کر رہے ہیں تو یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہم

فی الحقیقت اسلام کا نظامِ شرعی یہ ہے کہ جب مسلمانوں کے تمام علما مسلمانوں کے عام اہل الرائے، مسلمانوں کے عام اہل حل وعقد مجتمع ہو کر ایک فیصلہ کر دیں اور اس فیصلہ کا اعلان کر دیں تو بلاشبہ تمام مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اس فیصلہ کو جمعیتہ کا فیصلہ سمجھیں۔ جمعیتہ کے ساتھ رہیں اور اس سے قدم نہ ہٹائیں۔ ہندوستان میں بدبختی سے کوئی نظامِ شرعی جماعت اور قوم کے لئے نہیں ہے۔ ایسی حالت میں فی الحقیقت اگر منصب امامت کے فرض کو ادا کرنے کا کسی جماعت کو حق حاصل ہے تو وہ علماء کی جماعت ہے، اہلِ بصیرت کی جماعت ہے۔ اور ان تمام لوگوں کی جماعت ہے جن کو اسلام اپنے یہاں ارباب حل وعقد کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ خواہ خلافت کی جماعت ہو یا جمعیتہ العلماء کی مقدس جماعت۔ اس جماعت نے کامل غور و فکر کے بعد، تمام حالات کے دیکھنے کے بعد اس امر کا فیصلہ کیا اور اعلان کر دیا کہ اس وقت ہم نے اپنے فرائض شرعی کے انجام دینے کے لئے مطالبات خلافت کے پورا کر دینے کے لئے جو راہ اختیار کی ہے۔ یہ راہ بلا قتل کئے اور بلا جنگ کئے ہے۔

میں نے وہ لفظ نہیں کہا جو تمہاری زبان پر جاری ہوتا ہے۔ یعنی تشدد یا عدم تشدد اس امر کا انہوں نے قطعی فیصلہ کر دیا کہ مسلمانوں نے اپنے فرائض شرعی کی انجام دہی کے لئے جو طریقہ اختیار کیا ہے، یہ وہ ہے جس کو سکون کے ساتھ بلا کسی قتل کے یا بلا کسی ایسی حرکت کے جو لڑائی کی ہو سکون اور امن کے ساتھ اس راہ کو طے کرنا چاہیئے۔ میں اس کے دلائل پر بحث نہ کروں گا۔ اگر وقت نے موقع دیا تو سن لوگے کہ اس کی تشریح کیا ہے۔ اب تمام حقیقتیں آپ کے سامنے منکشف ہو گئیں۔ پھر جب مسلمانوں کی بڑی سے بڑی ذمہ دار جماعت جو ہو سکتی تھی، احکام شرع کی رو سے وہ یہی جمعیتہ العلماء ہے۔ اس نے یہ راہِ عمل قرار دی کہ مطالباتِ خلافت پورا کرنے کے لئے مسلمانوں کو جو طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے وہ طرزِ عمل لڑائی کا نہیں ہے۔ قتال کا نہیں ہے۔ جنگ کا نہیں ہے۔ خونریزی کا نہیں ہے۔ بلکہ اس راہ کو امن و سکون کے ساتھ طے کرنا چاہیئے۔

پھر جمعیتہ العلماء کا یہ فیصلہ تھا، اس نے جو بڑی سے بڑی جماعت ملک میں ہو

اس کے بعد اگرچہ مطالبات بے شمار ہیں لیکن ابھی میں نے ضمناً ایک چیز کہہ دی ہے۔ قبل اس کے کہ میں اپنے مختصر بیان کو ختم کروں۔ چاہتا ہوں کہ ایک غلط فہمی جو عام طور پر پھیلی ہوئی ہے۔ الحمد للہ عمل میں نہیں۔ فعل میں نہیں۔ لیکن لفظوں میں، اختصار کے ساتھ اس غلط فہمی کا ازالہ کر دوں۔

تشدد و عدم تشدد، یہ دو چیزیں ہیں جو اس وقت ہمارے سامنے آئی ہیں۔ اور جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ہم نے عدم تشدد کی راہ اختیار کی ہے۔ نیز یہ بھی بار بار کہا جاتا ہے، بطور ایک مسلم عقیدہ کے کہ اگرچہ بحیثیت مسلمان ہونے کے مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ تشدد کریں۔ لیکن وقت کی ضرورتوں کو دیکھ کر انہوں نے اس عقیدہ کو ملتوی کر دیا ہے۔ اس بارے میں چند الفاظ عرض کروں گا۔ اگرچہ وقت کوتاہ ہے اور جتنی تفصیل کی ضرورت ہے اتنی گنجائش نہیں ہے۔

سب سے پہلے یہ چیز لوں گا کہ فی الحقیقت تشدد اور عدم تشدد کی لفظی ترکیب جو اختیار کی گئی، یہ ترکیب ہی غلط ہے۔ اگر تشدد سے مقصود ہے تشدد لغوی۔ تو میں آپ سے کہتا ہوں کہ اسلام نے کسی حالت میں ایک لمحہ کے لئے مسلمانوں کی کسی جماعت کو، کسی فرد کو تشدد کا حکم نہیں دیا ہے۔

تشدد کے معنی ہیں ظلم کے، اصراف و اتلاف حق کے۔ پھر کیا ایک لمحہ کے لئے بھی اسلام نے ظلم کا حکم دیا ہے۔ اصراف کا حکم دیا ہے، بیجا زیادتی کا حکم دیا ہے؟ اسلام نے ان میں سے کسی ایک چیز کا حکم نہیں دیا۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر تشدد سے مقصود یہی ہے کہ جو معنی اس کے ہیں، زیادتی کرنا۔ سختی کرنا۔ تو میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ ایک منٹ کے لئے بھی اسلام نے کسی حالت میں، زیادتی و سختی کی اجازت نہیں دی۔ ایک اور چیز ہے جس کی اسلام نے اجازت دی ہے۔ وہ تشدد نہیں ہے، زیادتی نہیں ہے۔ ظلم نہیں ہے۔ مار پیٹ نہیں ہے۔ بلکہ وہ دوسری چیز ہے۔ اس کا نام ہے۔ جنگ و قتال، لڑائی۔ یہ ایک منظم عمل ہے جس کے شرائط ہیں، حالات ہیں جو اس لئے نہیں ہیں کہ ظلم کو قائم کرے۔ زیادتی کرے۔ سختی کرے بلکہ اس لئے ہے

اس کو گناہ نہیں کہہ سکتے۔ اس وقت نفسِ عمل سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن بحث یہ ہے کہ جن حالات میں وہ عمل کیا گیا۔ جن وقتوں میں وہ عمل کیا گیا۔ اس کے اعتبار سے اس کے احکام کیا ہیں۔ بلاشبہ شریعت نے جو روشنی ہمارے سامنے پھیلائی ہے، ہم دیکھ سکتے ہیں کہ علماء کا فیصلہ اس کے خلاف تھا۔ اس وقت جو راہ ہم نے اختیار کی ہے یہ تلواروں کی نہیں ہے۔ جب انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا تو مالابار کے مسلمانوں کو یہ حق نہ تھا کہ وہ جمعیتہ کے التزام کو ترک کر دیں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تھا تو ان کو سرزنش کی جا سکتی ہے۔ لیکن حقیقتاً وہاں واقعات کیا رونما ہوئے ہیں اس کے متعلق میں صحیح حالات نہیں بتا سکتا۔

بعض لوگوں نے بیان کیا کہ موپلا مسلمانوں نے جو کچھ کیا منجملہ ان کے ایک بات یہ بھی بیان کی گئی کہ اس بستی والے ہندوؤں پر جبر کیا۔ اور جبراً ان کو مسلمان بنانا چاہا۔ صحیح واقعات ہمارے سامنے نہیں، یہ چیز جو ہمارے سامنے پیش کی گئی۔ بیسیوں افسانے ہیں جو اس کے خلاف ہمارے پاس پہنچ چکے ہیں۔ خود میرے پاس متعدد خطوط مالابار سے آ چکے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ یہ واقعات صحیح ہیں تو ہم کو چاہیئے کہ جو ہمارے اعتقادات ہیں وہ مخفی نہ ہوں۔ ہمارا کھلا ہوا آشکارا مذہب ہے۔ ہم کو چاہیئے کہ ہم بیان کر دیں کہ ہمارا مقصد کیا ہے۔ جیسا کہ ہمارے بہت سے علماء نے شائع کیا ہے۔ ہر شخص متفق ہوگا کہ اگر وہاں کے مسلمانوں نے محض اپنے دل کا غبار نکالنے کے لئے یا ان سے انتقام لینے کے لئے ظلم و جبر کر کے مسلمان بنانا چاہا ہے، تو ہم میں سے ہر شخص جس کو شریعت کا علم ہے اس کا اعلان کرے گا کہ اگر انہوں نے ایسا کیا ہے تو اُن کا یہ کرنا شریعت کا عمل نہیں ہے بلکہ شریعت کی توہین ہے۔ شریعت نے کبھی حکم نہیں دیا ہے کہ جبراً مسلمان بنایا جائے۔ جن پر شریعت نے جبر کیا تھا اُن کے لئے بھی "جزیہ" کی راہ رکھی تھی۔ جن حالات میں یہ کیا گیا ہے، اس بے قاعدگی کو دیکھتے ہوئے کسی طرح کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ ایک لمحہ کے لئے ان کا یہ فعل اسلامی فعل تھا۔ مسلمان اس اعلان کے لئے تیار ہیں کہ ان کے اس جبر سے۔ اس ظلم سے بشرطیکہ جبر ہوا ہو۔ ہندوستان کے کسی مسلمان کو دلی ہمدردی نہ ہوگی۔ ہماری ہمدردیاں انہی اسباب پر ہیں جو حق ہیں۔

اب یہ دیکھو کہ مان لیا جائے کہ تشدد سے مقصود واقعی جنگ ہے۔ لڑائی ہے۔ لیکن اب اس بارے میں ہمارا موجودہ طرزِ عمل کیا ہے۔ اس بارہ میں یہ حقیقت واضح کرنا چاہتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی عزیز جو یہ سمجھتا ہو کہ اس جمعیتہ العلماء کے اعضا و اراکین نے اس امر کا اعلان محض کسی شخصی رائے کی بنا پر کیا ہے، کسی وقتی مصلحت کی بنا پر کیا ہے۔ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی آپ میں سے کسی کا یہ خیال ہو تو آپ پر واضح ہو جائے کہ آپ کا خیال ایک لمحہ کے لئے بھی درست ہو تو مسلمانوں کے لئے کسی ایسے عمل کے ترک کا مستحسن ہونا تو درکنار کوئی ملحدانہ عمل نہیں ہو سکتا۔ اگر مسلمان شریعت کی کسی تعلیم کو محض چند انسانوں کی خوشنودی کی خاطر ایک لمحہ کے لئے بھی چھوڑ دیں۔ ترک کر دیں، کوئی اس طرح کا سمجھوتہ کر لیں، مفاہمت کر لیں تو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ عمل اسلامی عمل نہیں ہے، یہ ایک سخت سے سخت ملحدانہ عمل ہے۔ جس سے بڑھ کر ملحدانہ عمل مسلمانوں کے لئے نہیں ہو سکتا۔ کسی حالت میں مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ اسلام کی چھوٹی سے چھوٹی فرع کو ایک لمحہ کے لئے ترک کر دیں۔

اگر مسلمانوں نے تمہاری بولی میں ترکِ تشدد کی پالیسی اس لئے اختیار کی ہے کہ چند انسانوں کی مصلحتیں اور چند انسانوں کی آراء ان کے سامنے آ گئی ہیں تو اول تو یہ حقیقت کے خلاف ہے اور یہ اتنا بڑا سوءِ ظن ہے کہ اس سے بڑھ کر سوءِ ظن مسلمانوں کے لئے نہیں ہو سکتا۔ کہ اس بڑی جماعت نے وہ عمل کیا ہے۔ جس کے معنی ہیں خدا کی شریعت سے منہ موڑ لینے کے۔ اس نے گردن نہیں موڑی ہے۔ اس نے جو اعلان کیا ہے اس کی بنیاد احکامِ شریعت پر ہے۔ بلاشبہ موجودہ حالت میں احکامِ شرع کی رُو سے ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے جو شرعی عمل ہو سکتا تھا وہ وہی تھا جو انہوں نے کیا اور مسلمانوں کے علماء کا اس پر مستقل ہو جانا کہ مسئلہ خلافت کے لئے جن کاموں کو انجام دیں گے بلا لڑائی لڑے ہوئے ہم کو انجام دینا چاہیئے۔ اس کی بنیاد بھی نظامِ شرعی پر ہے۔ محض ایک فرد یا ایک جماعت کی رائے نہیں ہے۔ اگر ایسا ہو تو اس آسمان کے نیچے کسی بڑے سے بڑے امام و خلیفہ کو، بڑے سے بڑے عالم کو ایک منٹ کے لئے یہ

کہ حقوق و عدل کو دنیا میں قائم کرے۔ بلاشبہ اسلام نے۔ شریعت نے جنگ کا حکم دیا ہے۔ جس طرح انسان کی فطرت اور نیچر جائز رکھتی ہے۔ میں ایک منٹ کے لئے بھی تسلیم نہ کروں گا کہ اس نے تشدد کا حکم دیا ہے۔ جنگ دوسری چیز ہے۔ خونریزی۔ ماریٹ قتل و غارت دوسری چیز ہے۔ اسلام نے اس چیز کا حکم کبھی نہیں دیا ہے جس کو خوں ریزی سے تعبیر کرتے ہو۔ اس واسطے کہ وہ یہ حقیقت پیش کرتا ہے کہ دنیا میں خدا کی عالمگیر برادری کو قائم کرتا ہے۔ لیکن دنیا میں ایک لمحہ کے لئے خدا کی محبت قائم نہیں رہ سکتی۔ جب تک محبت مٹانے والے دنیا میں باقی ہیں۔ اس واسطے عدل کے قیام کے لئے۔ محبت کے قیام کے لئے نوعِ انسانی کی عالمگیر اخوت کے قیام کے لئے ضرورت ہے کہ جنگ کا وجود ہو۔ لڑائی کا وجود ہو۔ قتال کا وجود ہو۔ جو خدا کی زمین کو پامال کرنا چاہیں۔ جن کا وجود دنیا میں ظلم کے لئے ہے۔ بلاشبہ ان کے وجود کی گندگی سے زمین کو پاک کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ تلوار بھی ہو اور وہ سرخی بھی ہو جو انسانوں کے خون سے تلوار پر جمتی ہے۔

ہم کو اس سے انکار نہیں کہ اسلام نے جنگ کی اجازت دی ہے۔ لیکن خاص شرائط کے ماتحت۔ جس طرح دنیا کی تمام قوتوں نے، دنیا کے کل حصہ نے قولاً و فعلاً تقریباً دنیا کی تمام قوموں اور تمام طبیعت بشری نے اس چیز کا اعتراف کیا ہے۔ اس بنا پر تشدد اور عدم تشدد کا جو استعمال کیا جا رہا ہے۔ ان معنوں میں کسی طرح یہ استعمال صحیح نہیں۔ تشدد تو اسلام کے نقطۂ نظر سے کسی حالت میں جائز نہیں ہو سکتا تشدد کا حکم اسلام نے کسی حالت میں نہیں دیا ہے۔ جنگ کا حکم دیا ہے جب کہ جنگ عدل قائم رکھنے کے لئے ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ جج بھی قتل کرتا ہے اور ایک ڈاکو بھی۔ جج قتل کرتا ہے پھانسی کے تختہ پر۔ ڈاکو قتل کرتا ہے مظلوم انسانوں کے بستروں پر لیکن دنیا جج کی تعریف کرتی ہے اور ڈاکو پر لعنت کرتی ہے۔ حالانکہ دونوں نے قتل انسان کا کیا ہے۔ لیکن ایک نے جو قتل کیا ہے زیادتی کے لئے اور دوسرے نے جو قتل کیا ہے وہ دفع تشدد کے لئے۔ خدا نے عدل کے قیام کے لئے انسانی حقوق کی حفاظت کے لئے جنگ کو جائز رکھا ہے۔ اس کے لئے تشدد کا اطلاق کرنا صحیح نہیں ہے۔

کیوں کہ ان کا یہ فعل ایسا فعل ہے کہ انہوں نے جمعیتہ کے فیصلہ کو ترک کر کے کیا بشرطیکہ ان کو جمعیت کے فیصلہ کا علم ہو۔

کالی کٹ تک میں خود جا چکا ہوں اور ان لوگوں سے مل چکا ہوں۔ یہ چیز کہ خلافت کمیٹی کا اعلان کیا ہے۔ ہندوستان کے علماء کا اعلان کیا ہے۔ یہ چیز پہلے ان کی نظروں سے پوشیدہ تھی۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ جس درجہ اعلان ہونا چاہیئے تھا ویسا اعلان نہیں ہوا۔ لیکن اگر ان کو علم تھا اور انہوں نے باوجود علم کے قدم اٹھایا تو ان کا قدم جمعیتہ کے قدم، جمعیتہ کے عمل، جمعیتہ کے فیصلہ کے خلاف ہے۔ اس سبیل کے خلاف ہے جو ہندوستان کے علماء کی جماعت نے اپنے لئے نکالا۔ یقیناً ہم اس کا بھی اعلان کر سکتے ہیں کہ آج کے بعد بھی ہندوستان کے علماء کے خاص جماعتی فیصلہ کے خلاف ہندوستان کے مسلمانوں کا کوئی فرد، کوئی جماعت جو کام کرے گی۔ اگر وہ اس جماعتی فیصلہ کے خلاف ہے تو یقیناً اس کو ملامت کی جائے گی۔ سرزنش کی جائے گی۔ شریعت کے احکام ہم کو مجبور کریں گے کہ ہم انگلیاں اٹھائیں۔

موپلاؤں کی حرکات کے متعلق جو رائے میں دے سکتا ہوں۔ یہ رائے تھی اس وقت بحث یہ ہے کہ جو چیز ہمارے سامنے لائی گئی۔ جو صورت ہمارے سامنے پیش کی گئی ہے کہا جاتا ہے کہ بلا حملہ کے انہوں نے مطالبات خلافت کا نام لے کر تلوار اٹھائی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ واقعات کیا ہیں۔ ہمارے پاس بہت سے ایسے خطوط ہیں جن سے اس واقعہ کی تکذیب ہوتی ہے۔ میرے پاس اس قسم کا مواد موجود ہے۔ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ جھوٹے تھے۔ وہاں بھی وہ واقعات کئے گئے جو آج ہندوستان کے گوشے گوشے میں کئے گئے۔ ایک حد تک انہوں نے صبر کیا۔ جب پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا تو اس کا قدرتی نتیجہ تھا کہ پیمانہ چھلکے، اگر ان پر حملہ کیا گیا۔ اگر ان پر کسی فوج اور کسی حکومت نے، کسی جماعت نے کیا ہو، یا ہم پر اس وقت حملہ ہو تو اس کی کئی صورتیں ہیں۔

ایک تو یہ کہ متعلق عام حالات حملہ آور کے۔ اس کے جواب میں قرآن بتلا چکا کہ

حق حاصل نہیں ہے کہ اللہ کی شریعت کے خلاف، کسی چھوٹی سے چھوٹی فرع کے خلاف علما کے چند بندوں سے سمجھوتہ کر لیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو اس سے بڑھ کر کوئی ضلالت نہیں ہو سکتی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر سوءِ ظن ایک لمحہ کے لئے ممکن ہوتا تو ہم کو اپنی بدبختی پر شہادت دینی پڑتی۔

جمعیتہ العلما رہے اور ذمہ دار جماعتوں نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ راستہ لڑائی کا نہیں ہے۔ جنگ کا نہیں ہے۔ حرب کا نہیں ہے، قتال کا نہیں ہے۔ خونریزی کا نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم کو جو راہ اختیار کرنا ہے وہ امن شرعی اور پرسکون ہے۔ ان کا یہ فیصلہ کسی شخصی رائے پر نہیں ہے۔ بلکہ فی الحقیقت اس کی بنیاد شریعت کے نظام پر ہے اس روشنی پر ہے جو شریعت کی رو سے ہمارے سامنے آتی ہے اور بتاتی ہے کہ ہمارے لئے وہ صحیح راہ ہو سکتی ہے جو ہم نے اختیار کی ہے۔ اور جس کو ہمیں آخر تک پہنچانا ہے۔

میرے دوست مولوی حسرت موہانی نے فرمایا کہ اس امر کا اعلان کر دیا جائے کہ کیا دفاعی جنگ بھی ممنوع ہے۔ دفاعی جنگ۔ ڈیفنس میں لڑنا۔ دفاع کا کیا سوال ہے۔ میرا اعتقاد ہے کہ قرآن نے جن حالتوں میں مسلمانوں کو جنگ کا حکم دیا ہے وہ دفاعی ہی نہیں ہے بلکہ ہجوم کی جنگ بھی ہے۔ موپلاؤں اور مسلمانوں کی جماعت کے لئے بعد اس کے کہ مسلمانوں کے اہل الرائے نے، صاحب بصیرت نے، ان سب نے جو متفق ہو کر، متحد ہو کر اس امر کا اعلان کیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے یہ راہِ عمل ہے تو ہندوستان کے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس سے علیحدہ قدم نہ لے جائے مقصد اس وقت یہ ہے اور بلاشبہ یہ کھلی حقیقت ہے۔ اگر موپلاؤں نے ان ایام میں تلوار اٹھائی۔ تو ان کا یہ فعل ہماری اس جماعت کے فیصلہ کے خلاف ہے۔ اور اب ان کے اس فعل سے ہمارے تمام مقاصد پر جو اثرات پڑیں گے۔ ان کی بناء پر ہم ہمیشہ حکم لگائیں گے۔ اگر ان سے ہم کو مشکلات پیش آئیں جن کی مصالحت کی ہم کو ضرورت ہے تو ہم اس سے زیادہ سخت رائے ظاہر کریں گے۔ اور احکام لگائیں گے

یقیناً ان کو ملامت کی جاسکتی ہے اور ان کو سرزنش کی جاسکتی ہے۔ اس عمل کے وہ ذمہ دار ہیں۔ ہم شریک نہیں ہیں۔

اس امر کے متعلق جو مجھ کو عرض کرنا تھا کر چکا۔ تشدد کے متعلق جس چیز کو ظاہر کرنا چاہتا تھا یہ تھا کہ ہم نے یہ طرز عمل اختیار کیا ہے تو محض اس لیے کہ چونکہ علمائے دین کا فیصلہ ہے۔ اس طرح کسی انسان کا پیش رو ہونا۔ کسی قائل لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کے لئے جائز نہیں ہے۔ پس ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ معلوم کریں کہ تمہاری زبان کے مطابق مسلمان عدم تشدد پر عامل رہیں گے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ امید ہے کہ آنے والے دو دنوں کے اندر وہ بھی آپ کے سامنے آجائے۔

حضرات! اب اس کے بعد جو ضروری ٹکڑے ہیں۔ جن کو میں اس وقت نظر انداز کرتا ہوں وہ ہندو مسلمانوں کا اتحاد ہے۔ اس اتحاد کے متعلق احکام شرعی کیا ہیں۔ اس امر کا قطعی فیصلہ کہ اس بارے میں احکام شریعت کیا ہیں۔ حالات گزشتہ کی بنا پر، کا موجودہ حالات کی بنا پر، اور آئندہ آنے والے حالات کی بنا پر ایک نہایت ضروری موضوع یہ تھا۔ لیکن میں اس کو اس وقت نظر انداز کرتا ہوں شاید کل یا پرسوں عرض کروں گا اس لئے کہ وقت کی صورت مساعدت نہیں کرتی۔

ایک اور مسئلہ ہے جو ایک ہندی لفظ کے بھیس میں سوراج کے لفظ میں آیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ محض لباس کا تغیر آپ کو حقیقت و معانی سے ناآشنا نہ کردے گا آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ حقیقت آپ کے لئے کوئی نئی حقیقت نہیں ہے۔ نیا پیغام نہیں ہے۔ عمل کا کوئی نیا دروازہ کھلنا چاہتا ہے۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کرہ ارضی کے نیچے دنیا کی کوئی جماعت، قوم، فرد نہیں ہے کہ جس کو اس کے خدا اور رسول نے اس حقیقت محبوبہ کو اس کے دل کے ایک ایک گوشہ میں نہ رچایا ہو اور اس کے تمام جسم میں نہ پھیلا دیا ہو۔ یہ حقیقت ہے جو تیرہ سو برس سے آپ کے سامنے موجود ہے۔

(اس موقع پر یکایک بجلی کی روشنی گل ہو گئی اور تمام ہال میں تاریکی چھا گئی

یقیناً مسلمانوں کو حفاظت کرنا چاہیئے۔ تلوار اٹھانا چاہیئے۔ اور مقابلہ کرنا چاہیئے۔
دوسری صورت یہ ہے کہ ہندوستان میں جو ایک خاص طرح کی بدبختانہ زندگی ڈیڑھ سو برس سے ہندوستان کے مسلمان برداشت کر رہے ہیں اور جس طرح انہوں نے اپنی غفلت کی وجہ سے، نامرادی کی وجہ سے، سرکشی کی وجہ سے، تعلیم الٰہی سے اغراض کی وجہ سے جو طریقہ اختیار کر لیا کہ وہ اس درجہ اس حالت میں غرق ہو گئے ہیں کہ اس حالت سے اُن کو نکالنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ایک پوری تعلیم کو الٹ دیا جائے اور ایک انقلاب پیدا کر دیا جائے۔ ہندوستان کے اندر بھی خاص طور پر مظالم کیے گئے خاص طور پر مسلمانوں کے ساتھ بسنے والی حلیف قوموں کا خون بہایا گیا۔ اسلامی حکومت کے مقابلے میں اسی حکومت کی فوجیں صف آرا ہوئیں۔ ایسی حالت میں اب ہندوستان کے مسلمان جن کی تعداد دس کروڑ تک پہنچتی ہے اور جو دو سو برس سے اس زندگی کو گوارا کیئے ہوئے ہیں، اب ہندوستان کے مسلمان کیونکر اپنے فرائض شرعی کو انجام دیں۔ تو اگر ہندوستان کے علماء نے۔ اہل الرائے نے اس امر کا فیصلہ کر لیا کہ بلاشبہ ایسی منزل عمل میں آگئی ہے، ایسے نتائج موجود ہیں۔ اس طرح کی بے استطاعتی، اس طرح کی غفلت و بے سروسامانی آج تمہاری کمر میں نہیں بلکہ تمہارے دلوں میں پیدا ہو گئی ہے۔ تلوار ایک لوہار کے یہاں نہیں تو دوسری جگہ مل جائے گی۔ ہندوستان کے علماء نے اگر یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کے لئے اگر یہ حکم ہے کہ تمام مصائب کو جھیل جائیں حملہ ہو تو اس کو بھی جھیل جائیں۔ قید خانہ کے دروازے کھولے جائیں۔ تو اس کو بھی جھیل جائیں۔ اگر انہوں نے یہ فیصلہ احکام شرع کے خلاف نہیں کیا ہے تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس پر عمل پیرا ہوں۔ مقصد یہ تھا کہ موجودہ حالت میں جب ہندوستان کے مسلمانوں نے بحیثیت جماعت کے یہ فیصلہ کر لیا تو ہندوستان کے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کی پیروی کرے، اس سے منحرف نہ ہو۔

موپلا اور مالابار کے مسلمانوں نے اگر یہ سوچا ہے تو اس کے کہہ دینے میں ہم کوئی باک نہیں رکھتے کہ انہوں نے ایسا کیا کہ مسلمانان ہند کے متفقہ طرز عمل سے انحراف کیا۔

کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ایک حقیقی صورت کے احساس نے مجھ کو مجبور کیا کہ اُس لب و لہجہ کو اختیار کروں۔

ہماری مجلسوں میں سب سے بڑا جو جائز مطالبہ ہے، قولاً و شرعاً ایک نظام ہے، انضباط ہے، صبر ہے، اگر ہم میں اس وقت اتنا صبر نہیں پیدا ہوا ہے کہ ہمارے چند ہزار نفوس موجود ہیں اگر وہ چیز ان کے سامنے آتی ہے اور ان کو بتلایا گیا ہے کہ وہ سکون کے ساتھ سنیں تو یقیناً ہمارے اندر اتنا صبر اور قاعدہ ہونا چاہیئے۔ اور ان لوگوں کی اطاعت کا جذبہ ہونا چاہیئے جن کو ہم مستحق اطاعت سمجھتے ہیں۔ مان لو کہ یہ چیز تمہارے لیے کڑوی کسیلی تھی۔ لیکن اگر آدھ گھنٹہ کے لئے تم اتنی تلخی گوارا نہیں کر سکتے تو اللہ کے راستہ میں قربانی کی تلخی کیسے گوارا کرو گے، وہ ہنگامہ جو بار بار گزرتا تھا میری طبیعت کو ناگوار گزرا اور اس لب و لہجہ میں آپ کو مخاطب کیا، جس کا میں عادی نہیں ہوں۔ اگر کسی عزیز کو ناگوار گزرا ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ وقت بھی زیادہ ہو چکا ہے اس لئے آج کا جلسہ ختم کیا جاتا ہے۔

میں علمائے کرام کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان کا حسنِ ظن میرے لئے توشۂ آخرت ہوگا۔

رضاکاران نے گیس لیمپ اور لالٹینیں ہال میں منگائیں۔ لیکن چند منٹوں
کے بعد ہی بجلی کی روشنی پھر ہو گئی۔ جس پر حاضرین نے نعرۂ اللہ اکبر بلند کیا
عزیزان من آج کی صحبت صرف دس منٹوں کی اور باقی رہ گئی ہے۔ عزیزان من!
یہ روشنی ایسی قیمتی نہ تھی جس کے ملنے پر نعرۂ تکبیر بلند کرو۔ ہاں اگر ایمان کی روشنی مل گئی ہو
تو اس کے لئے جس قدر چاہو نعرۂ تکبیر بلند کرو۔ اگر آپ خاموشی سے کام لیں تو آج کی صحبت
چند منٹوں میں ختم ہو جائے گی۔ بہرحال یہ ضروری مسئلہ تھا اب اس کا اجمالی ذکر بھی آج کی
صحبت میں ملتوی رکھتا ہوں۔ انشاء اللہ بشرط زندگی و توفیق الٰہی کل اور پرسوں کی
صحبتوں میں بیان میں آجائے گا۔

اگر حقیقتاً آپ کے قلب کے اندر وہ شوق معانی وہ ذوق عرفانی پیدا ہو گیا کہ
آپ حق کی صدائیں سننے کے لئے اپنے سینوں کے اندر ایسی لازوال آشفتگی رکھتے ہیں کہ بستر
کی آرام دہ کروٹیں قربان کر دیں۔ رات بھر کی تکلیف اور اختر شماری، تب بھی آپ اس
صدا کے سننے کے لئے تیار ہیں تو میں بتلانا چاہتا ہوں کہ اس کے خرچ کرنے کے لئے یہ موقع نہیں
ہے کہ بہت زیادہ دیر تک میری تقریر سنیں بلکہ اس کے خرچ کرنے کا اصلی محل یہ ہے کہ اللہ
کے عشق میں، اس کے اتباع میں، اس کی پیروی میں، اس کی راہ میں سب چیز قربان کرنے کے لئے
اپنے شوق دکھلاؤ، اپنے دل کے جذبات کو دکھلاؤ۔ تاہم میں آپ کے ذوق و شوق کا معترف ہوں۔

(تحریری خطبۂ صدارت سننے کے وقت لوگوں میں ایک مرتبہ شور ہوا۔
اس پر حضرت مولانا نے پبلک کو سختی سے متنبہ کیا تھا۔ اس کے متعلق یہ
بیانِ معذرت ہے)۔

اور ساتھ ہی اس امر کی بھی معافی چاہوں گا کہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی خطبۂ صدارت کے
اوراق سنائے جا رہے تھے تو موضوع رو کھا پھیکا تھا۔ اور کچھ طرز بیان روکھا پھیکا۔
اگرچہ میرے عزیز سرسری طور پر اسے دیکھ چکے تھے، پڑھنے میں بھی رکاوٹ ہوئی اور
پبلک میں شور ہوا۔ مجھے مجبور ہو کر اس لب و لہجہ میں کہنا پڑا اور علی الخصوص جب کہ
ایسے بزرگوں کا مجمع موجود ہے۔ میں اس لب و لہجہ کا عادی نہیں ہوں۔ مگر میں آپ

ادار عرض و مسئولیت کا بارِ گراں بھی اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ میں آپ تمام بزرگانِ دین کا شکر گذار ہوں اور امید کرتا ہوں کہ جس طرح آپ کے لطف و کرم نے میری بے بضاعتی کو قبول فرمالیا ہے، اسی طرح آپ کی رفاقت و مساعدت میری کمزوری اور درماندگیوں کے لئے بھی پردہ پوش ہوگی۔ آیئے! عزم و عمل کی اس نازک اور پُرآشوب گھڑی میں ہم سب کے دل اس کارفرمائے حقیقی کے آگے جھک جائیں جس کے فضل و کرم کے بغیر ہماری کوئی سعی و جستجو کامیاب نہیں ہوسکتی، وہ کریم کارساز ہماری درماندگیوں اور بیچارگیوں پر رحم فرمائے۔ ہماری خطاؤں اور لغزشوں کو بخش دے، اپنی رحمتوں اور برکتوں کا دروازہ ہم پر کھول دے۔ اور اس کی توفیقِ چارہ ساز کی دستگیریوں سے ایسا ہو کہ ہم سب کی نیتیں خالص، ہم سب کے اعمال صالح، ہم سب کے ارادے راسخ اور ہم سب کے قدم حق و صدق اور صراطِ مستقیم پر قائم و استوار ہو جائیں ربنا اتنا من لدنک رحمۃ وھیی لنا امرنا رشدا۔

نظارۂ مجلس:۔

حضرات علمائے کرام! قبل اس کے کہ ہمارا سفرِ نظر و فکر شروع ہو، مجھے ایک لمحہ کے لئے ان عزیزانِ ملت سے مخاطب ہونے دیجئے جو آج آپ کی مجلس میں چشمِ نظارہ اور دلِ پرشوق لے کر حاضر ہوئے ہیں۔

اے عزیزانِ ملت! آیئے ایک نظرِ تفکر اس منظر پر ڈال لیجئے جو اس وقت آپ کو دعوتِ نظارہ دے رہا ہے۔ آپ میں بہت سی آنکھیں ایسی ہوں گی جنہوں نے دنیوی جاہ و جلال کے بڑے بڑے منظر دیکھے ہوں گے۔ بہت سی آنکھیں ایسی ہونگی جن کے سامنے بارہا اربابِ حکومت و دولت کی شان و شوکت نے جلوہ فروشیاں کی ہوں گی اور عجب نہیں کہ کچھ نظریں ایسی بھی ہوں گی جو حکمرانوں کے درباروں کی ہیبت و جبروت کا نظارہ کر چکی ہوں۔ لیکن آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ کشش و نظر فریبی کے ان تمام سامانوں اور جلوؤں میں سے کوئی ایک بات بھی یہاں نظر نہیں آتی، دولت کی شان و شوکت کا یہاں نام و نشان نہیں ہے، دنیوی حکومت و

خطبۂ صدارت

اجلاس جمعیت العلماء ہند

۱۸ نومبر ۱۹۲۱ء

الحمد للہ الذی جعلنا امۃ التوحید وجعل دیننا دین التوحید و سیاستنا سیاسۃ التوحید واعزّ من استقاموا منا علی التوحید واذلّ من الخوف من محجّۃ التوحید لیعیدنا کما بدانا الی التوحید انہ ھو یبدئ ویعید وھو الغفور الودود ذو العرش المجید فعّال لما یرید ط

والصلوٰۃ والسلام علی محمد خاتم انبیائہ ورسلہ وصفوتہ من خلقہ الذی بعثہ بتوحید الالوھیّۃ والربوبیّۃ، لیحرّر الخلق من رق العبودیۃ للعوالم السماویۃ اولارضیۃ، وبتوحید السیاسۃ، تکون الشعوب و القبائل امۃ واحدۃ تضمنھا شریعۃ عادلۃ واحدۃ لیطلقھم من قیود الحکومۃ المستبدۃ الجائرۃ ویفکھم من اغلال الجنسیۃ الخاسرۃ فعزّ بانتباعہ المؤمنون وذل باعراضھم المعرضون وانہ لکتاب عزیز لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ تیسرا سالانہ اجتماع ہے۔ جس کی صدارت کے لئے آپ نے اس عاجز کو منتخب فرمایا ہے۔ بلاشبہ یہ ایک بڑی عزت ہے جو ہندوستان کی اسلامی آبادی میں کسی خادم علم وملت کو حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن دنیا کی تمام عزتوں کی طرح

ہے۔ لیکن اے نظارگیان مجلس! خواہ زمانہ کے انقلابات و حوادث نے انھیں کتنا ہی حقیر و بے مرتبت بنا دیا ہو۔ لیکن خدارا آپ چشمِ حقارت سے نہ دیکھیں۔ یہی ہیں جنہوں نے اسی دنیا میں خدا کے رسولوں کی نیابت کی ہے۔ یہی ہیں جو ان کی وراثت کے حقدار ٹھہرے ہیں۔ یہی ہیں جن کے ہاتھوں میں امتِ مرحومہ اور خیر الامم کی قیادت و ہدایت کی باگ رہی ہے۔ یہی ہیں جو آج تیرہ سو برس سے خدا کی زمین پر اس کے کلمۂ حق کی حفاظت کر رہے ہیں۔ یہی ہیں جن کی عظمتِ لازوال کے نقوش صفحۂ عالم پر ثبت ہیں۔ اور جن کی ہیبت و سطوت کے افسانے آج تک زبانِ تاریخ پر جاری ہیں۔ اور پھر یاد رکھئے کہ یہی ہیں جو باوجود اپنی تمام کوتاہیوں اور درماندگیوں کے اب بھی آپ کی قسمت کے مالک اور آپ کی سعادت و شقاوت کی باگ اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں۔ آپ کو اگر زندگی مل سکتی ہے تو انھیں کے ہاتھوں سے۔ اور اگر آپ اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں تو صرف انہی کی اطاعت اور پیروی سے۔

در سفالیں کاسۂ رنداں بخواری منگرید
کیں حریفاں خدمتِ جامِ جہاں بیں کردہ اند

قدسیاں بے بہرہ انداز جرعۂ کاس الکرام
ایں نطاول ہیں کہ با عشاقِ مسکیں کردہ اند

اخلاصِ نیت اور اصابۂ عمل

حضرات! ہمارا یہ اجتماع اور احتفال ایک جماعتی عمل ہے۔ ہم سب جمع ہوئے ہیں کہ اپنے گم کردہ مقصد کی جستجو کریں۔ اس لئے ضروری ہے کہ حکمتِ الٰہی نے تمام اعمال کی کامیابی کے لئے جو شرائط مقرر کر دی ہیں وہ اس عمل کی کامیابی کے لئے بھی ضروری ہوں۔ پس ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ مقصد کی جستجو سے پہلے خود اپنے اندر ان شرائط کی جستجو کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو قوتیں عطا کی ہیں۔ دماغ دیا ہے جو ارادہ کرتا ہے اور اعضا و جوارح دیئے ہیں جو اس ارادہ کو فعل میں لاتے ہیں۔ پس ہر انسانی عمل کی کامیابی کے لئے قدرتی طور پر دو باتیں ضروری ٹھہریں۔ ارادہ کا صحیح ہونا۔ اور فعل صحیح طریق پر انجام پانا۔ دنیا کا کوئی عمل نہیں جو ان دو شرطوں کے بغیر وجود میں آسکے

فرماں روائی کی نمود و نمائش سے یہاں کا گوشہ گوشہ خالی ہے۔ نہ زرتیں لباسوں کی آرائش ہے، نہ مسند نشینوں کی زیبائش، فقرا علم کا مجمع ہے۔ بوریا نشینانِ حق کی مجلس ہے۔ نیازمندانِ صدق و بے نیازانِ دنیا کا جمگھٹا ہے۔ یہاں آپ کو اُس دنیا کی شان و شوکت نہیں مل سکتی جسے چھوڑ کر اس وقت آپ آرہے ہیں۔ البتہ اگر اقلیم حق اور شہرستانِ صدق و صفا کا جاہ و جلال دیکھنا مطلوب ہو تو ان ہی فقرا علم کے پھٹے پرانے کپڑوں اور پرشکوہ صورتوں کے اندر ڈھونڈ لے سکتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کا مجمع ہے جنہوں نے فقر و فاقہ کو ہمیشہ اپنی دولت سمجھا، زہد و تقویٰ کو اپنی اقلیم استغنا کا تاج و تخت بنایا۔ بے نیازی و بے مرادی کے لازوال خزانوں پر ہمیشہ قانع رہے اور عشقِ حق اور پرستاریٔ علم کی بوریائے کہنہ پر بیٹھ کر دنیا اور دنیا کی ساری عظمتوں سے بے پرواہ رہے۔ لیکن با ایں ہمہ جن کے کبرِ حق اور سطوتِ الٰہی کا یہ عالم رہا کہ شاہانِ عالم نے ان کے پھٹے پرانے دامنوں پر عقیدت و اطاعت کی آنکھیں ملیں اور تاج و تخت اور حکومت کو ہمیشہ ان کے پائے استقامت کی ٹھوکریں نصیب ہوئیں۔ انہوں نے اللہ کی چوکھٹ پر سرِ نیاز جھکا کر تمام کرۂ ارضی کی عظمتوں اور رفعتوں کو اپنے سامنے سرنگوں کر دیا تھا۔

مبیں حقیر گدایانِ عشق را کیں قوم　　شہان بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

یہ سچ ہے کہ آج یہ خود اپنی ہی غفلت و خود فراموشی کی بدولت اپنی وہ رفعت و عظمتِ الٰہی کھو چکے ہیں اور اب ان کی عظمت و جلال کی حقیقت بھی تاریخِ ماضی کا ایک افسانہ بن کر رہ گئی ہے، خدا نے ان کو جس منصبِ عظیم و جلیل پر سرفراز فرمایا تھا اس کی قدر انہوں نے نہ پہچانی اور خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی شرف عزت کا خلعت پارہ پارہ کر دیا خدا نے دنیا کو ان کے سامنے گرایا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ خود دنیا کے سامنے گر گئے خدا نے ان کو صرف اپنی ہی چوکھٹ پر جھکایا تھا۔ لیکن انہوں نے انسانوں کی چوکھٹوں پر جبہہ سائی کی۔ جب اللہ اور اس کے کلمۂ حق کی خدمت کی جانب سے ان کے دل غافل ہو گئے تو دنیا نے بھی ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں۔ بلاشبہ یہ ایک حقیقت

سے مقصود یہ ہے کہ جو کام کیا جائے اس سے مقصود صرف ادائے فرض ہو اور اللہ اور اس کی مرضات ہوں ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ غرض نفس اور ذات کی خواہشوں اور آلودگیوں کو اس میں دخل نہ ہو۔

قرآن حکیم نے جا بجا انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ ہمیں بتلایا ہے کہ خدمتِ انسانی اور دعوتِ امت کی راہ میں ان کا اعلان کیا تھا؟ ما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علیٰ رب العلمین۔ حضرت عمر رضی اللہ کی نسبت امام دارمی نے روایت کیا ہے کہ ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتے اللھم اجعل عملی کلہ صالحا واجعلہ لوجھک خالصا۔ ولا تجعل لاحد فیہ شیئا۔

حضرات گزشتہ پچاس برس سے ہندوستان میں مختلف اغراض و مقاصد سے مجالس و اجتماعات کا سلسلہ شروع ہوا ہے اور جہاں ان کا وجود ہمارے تمام اجتماعی اعمال کے لئے بحکم شوریٰ ضروری ہے وہاں نیات و مقاصد کے لئے ایک نئی امتحان گاہ بھی پیدا ہو گئی ہے۔ ان مجالس میں شہرت کے ذرائع ہیں، ترفع کے مواقع ہیں، نمود و نمائش کے مطامع ہیں۔ ان میں تقریریں کی جاتی ہیں جن کی تحسین میں نعرہ ہائے توصیف بلند ہوتے ہیں، ان کے عہدے اور مناصب ہیں۔ جن کے لئے امیدواروں میں منافست و مسابقت کی کشمکش ہے، ان کی صدارت و ریاست ہے جس کی طمع بسا اوقات ہمارے اخلاصِ عمل پر غالب آجاتی ہے۔ پس ہم سب کا پہلا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ اپنی اپنی نیتوں اور دلوں کا کامل راستبازی کے ساتھ مراقبہ کریں۔ اور ان مہلکاتِ راہ سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہ ہوں، ہمارا مقصود نہایت عظیم ہے اور ہم نے ادائے فرض اور خدمتِ انسانی کی ایک ایسی راہ میں قدم رکھا ہے جس سے بڑھ کر ذمہ داری کی انسان کے لئے کوئی راہ نہیں ہو سکتی۔ ہمارے کاندھوں پر اللہ کے رسولوں اور نبیوں کی نیابت کا مقدس بوجھ ہے اور ہمارے سامنے حق کی شہادت اور امتِ مرحومہ کی احیاء و تجدید کا عظیم الشان کام ہے۔ حیف ہے اگر ایک ایسے مقدس اور پاک کام میں بھی اپنی نیتوں کو پاک نہ رکھ سکیں اور اغراض و اہوا کی ایک ادنیٰ کدورت بھی ہمارے دلوں کو ملوث

علوم و اخلاق میں ان ہی دو حقیقتوں کو مختلف ناموں سے تعبیر کیا ہے، عزم مصمم تصور، اعتقاد، وغیرہ۔ سب سے وہی حقیقت مراد ہے جو افعال سے پہلے وجود میں آتی ہے اور افعال کے لئے بمنزلہ علت و سبب۔ کے ہوتی ہے۔ جب تک وہ صحیح نہ ہو گی فعل بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ یہ بریڈلا ہال کی عمارت ہے جس میں ہم سب آج مجتمع ہوئے ہیں۔ یقیناً اس کی دیواریں اور محرابیں ہاتھوں نے چنیں۔ اور اینٹ گارا بنا کر طیار کی گئیں لیکن کیا یہ سب کچھ وجود میں آ سکتا۔ اگر معمار اور انجنیئر کے دماغ میں پہلے اس کا صحیح نقشہ ارادہ و تصور کی حالت میں نہ کھنچ جاتا۔ پہلے یہ ہال انجنیئر کے دماغ میں بن چکا تب کہیں جا کر اس زمین پر وجود میں آیا۔ اسی حقیقت کو شریعت نے ایک جامع اصطلاح میں نیت اور عمل سے تعبیر کیا ہے اور تمام ایمانیات اور عبادات کو ان ہی دو حقیقتوں کی تصحیح و اصلاح سے مرکب کیا ہے۔ نیت، دماغ کا ارادہ اور دل کا یقین۔ اعتقاد ہے اور عمل اس کا ظہور ہے جو ظاہر میں مرتب ہوتا ہے۔ پس شریعت بتلاتی ہے کہ تمام کاموں کی کامیابی کے لئے پہلی شرط نیت کی تصحیح اور درستگی ہے۔ یہی اصلی جڑ ہے۔ باقی سب شاخیں۔ انما الاعمال بالنیات اور لکل امرئ ما نوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ و رسولہ فھجرتہ الی اللہ و رسولہ و من کانت ھجرتہ لدنیا یصیبھا او امرأۃ یتزوجھا، فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ فقیہ الامۃ حضرت امام بخاری نے اسی لئے اس جامع الکلم کو اپنی جامع صحیح کا سرنامہ و عنوان قرار دیا۔ کیونکہ تمام اعمال کی بنیاد اور تمام ایمانیات و عبادات کی اصل یہی قانون الٰہی ہے اور اس لئے جو کچھ بھی اس کتاب میں روایت لیا گیا ہے۔ گویا وہ سب کا سب اسی کی شرح اور اسی اجمال کی تفصیل ہے۔

حضرات! آپ نے اپنے بزرگانہ لطف و کرم سے جو خدمت میرے سپرد کی ہے میں اس کی انجام دہی میں خیانت کروں گا اگر اس حقیقت کی طرف سب سے پہلے آپ کو توجہ نہ دلاؤں۔ اس راہ کی سب سے پہلی شرط نیت کا اخلاص ہے اور ہر اس قلب پر فلاح و کامیابی کی لذت حرام ہے جو اخلاص نیت کی دولت سے محروم ہو۔ اخلاص نیت

لا یقبل حتیٰ یکون خالصًا صوابا والخالص ان یکون للہ والصواب ان یکون علی السنۃ۔

لیکن سنت سے یہاں مراد صرف عبادات وطاعات ہی کی سنن نہیں ہے بلکہ اعمالِ نبوت کے تمام سنن ونوامیس مقصود ہیں جن کی راہیں اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر کھول دیتا ہے اور وہ ان کے ذریعہ معالجۂ نفوس وتزکیۂ قلوب وتشکیلِ جماعت وتاسیسِ امت صالحہ کا عمل عظیم انجام دیتے ہیں۔ یہ بات کہ انسان کی بھیڑوں کو ایک منظم ومقوم امت صالحہ وعاملہ کی شکل میں بدل دینا اور بکھرے ہوئے اجزاء سے ایک متحدہ وموتلف جسم میں قومیت ڈھال لینا اور تمام امراض اجتماعیہ اور علی المعانویہ کی مداوی وطبابت سے عہدہ برآ ہونا ایک خالص عملِ نبوت ہے اور انبیاء کرام کے بعد صرف وہی ورثاءِ نبوت اس عمل کو انجام دے سکتے ہیں جو اسوۂ حسنۂ نبوت سے مناسبی ہوں جن پر اللہ تعالیٰ نے حکمتِ نبوت کے اسرار وغوامض کا دروازہ وراثت ونیابت کھول دیا ہو۔ شرح اس اجمال کی بہت طولانی ہے، یہاں صرف اشارہ مقصود ہے اور ان مطالب کو اپنے بعض تالیفات میں مشرح لکھ چکا ہوں۔

حضرات علماء کرام اور ارکان جمعیتہ! اس وقت بہت بڑی آزمائش ہمارے طریقِ عمل کے لئے درپیش ہے، ہم نے مدتوں کی غفلت کے بعد قومی واجتماعی اعمال کی کشمکش وکشاکش میں قدم رکھا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے ہماری نظر آج کل کے مجلسی واجتماعی کاموں کے طرق واسلوب پر پڑتی ہے اور تقلید ومحاکات کا جذبہ ہمیں بے اختیار ان کی جانب کھینچنے لگتا ہے لیکن میں آپ کو یاد دلاؤں گا کہ آپ کی راہ ان راہوں سے بالکل الگ ہے اور کتاب اللہ کی ہدایت اور حکمت نبوت کی سنت نے آپ کو دنیا اور دنیا والوں کے تمام گھڑے ہوئے طریقوں اور قاعدوں سے مستغنی کر دیا ہے۔ آپ اس لئے نہیں ہیں کہ انسانوں کے بنائے ہوئے طریقوں کی تقلید کریں۔ بلکہ آپ کو علم وشریعت اس لئے دیا گیا ہے تاکہ دنیا کی آنکھیں آپ کی طرف امید وطلب سے اٹھیں اور آپ کی ہدایت ان کے لئے اتباع وتقلید کا پیام ہو۔ آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے اور

رکھے۔ بہرحال میں پہلا کام تصحیح و اخلاصِ نیت کا ہے۔ جب تک اس اولین منزل سے قدم کامیاب نہ گزر جائیں گے، فوز و فلاح کی کوئی منزل روشنما نہیں ہو سکتی۔

دوسری شرط اس ارادہ کی صحتِ عمل ہے۔ صحتِ عمل سے یہ مقصود ہے کہ جب ارادہ و اعتقاد صحیح ہو گیا تو اب اس کو فعل میں لانے کے لئے جو طریقے اختیار کئے جائیں۔ وہ نہج حق و صواب پر ہوں، یعنی ہر طرح کی گمراہی، کجروی اور کمزوری و نقائص سے محفوظ ہوں۔ اس بارے میں قرآن حکیم نے ہمیں بتلایا ہے کہ تمام برکاتِ عمل کا اصلی مدار و سرچشمہ انبیاء کرام کا اسوہ حسنہ ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اور قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ ابراھیم والذین معہ اور پانچ وقت ہم خدا کی سکھلائی ہوئی یہ دعا مانگا کرتے ہیں اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔

سورۃ نساء میں بتلا دیا ہے کہ جماعت من انعم اللہ علیہم کون ہے؟ فرمایا ہے سب سے پہلا طبقہ ان میں انبیاء کرام کا ہے الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا۔ پس صرف وہی عمل مقبول ہو سکتا ہے جو وجہِ صواب پر ہوا اور وہ نہیں ہے، مگر انبیاء کرام کا اسوہ، جو عمل اس اسوۂ قدسی طریقہ نبوت سے متحقق اور منہاجِ نبوت کے قدم بقدم ہوگا وہ کبھی مقبول و مشکور نہیں ہو سکتا۔

حضرات! یہی وہ شرطیں ہیں جن کی تکمیل پر ہمارے تمام اعمال کی کامیابی بھی موقوف ہے۔ کتنا ہی اخلاصِ نیت ہو لیکن عمل کی کامیابی حاصل نہ ہوگی۔ اسی طرح خواہ کتنا ہی بہتر طریق صواب اختیار کیا جائے۔ لیکن اگر اخلاصِ نیت کی رو سے عمل خالی ہو تو کبھی کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ اسی بنا پر صحابہ و سلف سے آیہ کریمہ لیبلوکم ایکم احسن عملا کی تفسیر میں منقول ہے (رواہ ابن عساکر وابن کثیر والسیوطی وغیرھم) ای خلصہ واصوبہ۔ پھر اس کی تشریح کی ما ذا کان العمل خالصا ولم یکن صوابا لم یقبل واذا کان صوابا ولم یکن خالصا

جمعیۃ کا گزشتہ اجلاس مجمع علماء ہند کے جس بزرگ و محترم وجود کی رہنمائی و صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ آج وہ ہم میں نظر نہیں آتا۔ اور اس کی موجودگی کی برکتوں سے ہم محروم ہو گئے ہیں۔ میرا اشارہ حضرت مولانا محمود الحسن کی ذاتِ گرامی کی جانب ہے۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ آج میں آپ میں سے ہر فرد کو ان کی یاد دعوتِ غم دے رہی ہوگی۔ ان کی وفات بلاشبہ ایک قومی ماتم ہے اور ہم سب کو ان کی یاد کی عزت میں چند لمحوں کے لئے رک جانا چاہیئے۔

حضرات! مولانا مرحوم ہندوستان کے گزشتہ دور کے علماء کی آخری یادگار تھے۔ ان کی زندگی اس عہدِ حرماں و فقدان میں علماء حق کے اوصاف و خصائل کا بہترین نمونہ تھی۔ ان کا آخری زمانہ جن اعمال حقہ میں بسر ہوا وہ علماء ہند کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ ستّر برس کی عمر میں جب ان کا قد ان کے دل کی طرح اللہ کے آگے جھک چکا تھا عین جوارِ حرم میں گرفتار کئے گئے۔ اور کامل تین سال تک جزیرۂ مالٹا میں نظر بند رہے۔ یہ مصیبت انہیں صرف اس لئے برداشت کرنی پڑی کہ اسلام و ملّتِ اسلام کی تباہی و بربادی پر ان کا خدا پرست دل صبر نہ کر سکا اور انہوں نے اعداء حق کی مرضات و اہواء کی تسلیم و اطاعت سے مردانہ وار انکار کر دیا۔ فی الحقیقت انہوں نے علماء حق و سلف کی سنت زندہ کر دی اور علماء ہند کے لئے اپنی سنتِ حسنہ یادگار چھوڑ گئے۔ وہ اگرچہ اب ہم میں موجود نہیں ہیں۔ لیکن ان کی روح موجود ہے۔ اور اس کے لئے جسم کی طرح موت نہیں۔

وما دام ذکر العبد بالفضل باقیا　　فذالک حی وھو فی التراب ھالک

اسوۂ یوسفی

حضرات! ٹھہریئے۔ ابھی ایک اور جماعت بھی ہے جو آپ کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ یہ ہمارے رفقاءِ طریق ہیں۔ جو کل تک ہمارے ساتھ دعوت و تبلیغِ حق میں سرگرم تھے اور جن کو آج اس جمعیۃ کی صفِ اول میں ہونا تھا۔ مگر وہ یہاں نظر نہیں آتے وہ اس وقت آپ کو کہاں ملیں گے؟ آپ انہیں اس مصر فراعنہ میں نہ ڈھونڈیں جس کی وسیع

اور اس کے رسول کی سنت ہے اور ان دو چیزوں سے بڑھ کر اور کونسا مبدء علم اور سرچشمۂ حکمت ہو سکتا ہے جو انسانی اعمال کے تمام اصول و فروع کے لئے دنیا میں وجود رکھتا ہو۔ دنیا میں علم و یقین صرف وحی الٰہی اور علوم و اعمالِ نبوت ہیں۔ اس کے سوا علم و یقین کا اس سمارِ دنیا کے نیچے وجود نہیں۔ اس کے ماسوا جس قدر بھی ہے۔ قرآن پکار پکار کر کہتا ہے کہ ظن ہے، تخمین ہے، قیاس ہے، اٹکل ہے، تخرص اور تلعب بالرّیب ہے۔ ظلمت ہے ظلمت بعضہا فوق بعض ہے۔ مالہم بذالک من علم ان ہم الا یظنون بل ہم فی شک یلعبون مالہم بہ من علم ان یبتغون الا الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ افمن کان علی بینۃ من ربہ زین لہ سوء عملہ واتبعوا اہواءہم و غیر ذالک من الآیات والقواطع۔ علم یقین، برہان، بصیرت، فرقان، النور اور نور علی نور تو صرف اسی اعلم الخلائق اور اعرف العباد کی درسگاہِ سنت و حکمت سے مل سکتا ہے۔ جو شک کی جگہ یقین کا۔ جہل کی جگہ علم و بصیرت کا، ظن و رائے کی جگہ بینہ و حجت کا قیاس و تخمین کی جگہ برہان و فرقان کا اور ان سب سے بھی بڑھ کر یہ کہ نور کا۔ تبیانا لکل شئ کا، اور عروۃ الوثقیٰ لا انفصام لہا کا تمام نوع انسانی کے سامنے اعلان کر رہا ہے اور تمام کرۂ ارضی کو یہ کہہ کر بلا رہا ہے ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی (یوسف) پس اب سوال یہ ہے کہ ھل یستوی الاعمیٰ والبصیر اور ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔

پس اے علماء ملت آپ کو اپنے طریق عمل و نظم کار کے لئے صرف کتاب و سنت ہی کو دستور العمل بنانا چاہیئے۔ اور ہر طرف سے آنکھیں بند کر لینی چاہییں۔ دنیا علم و بصیرت کے لئے آپ کی محتاج ہے آپ کو علم و بصیرت کے لئے دنیا والوں کی احتیاج نہیں ہے۔

دلارامے کہ داری دل در و بند وگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

فقید الملۃ والدین

حضرات! اس تمہید بیان کے بعد میں بالکل آمادہ تھا کہ مقاصد و مطالب کا سفر شروع کروں۔ لیکن اچانک ایک غمگین حادثہ کی یاد نے میرے قدم روک دیئے۔ آپ کی اس

کو اپنے دست و گردن کا زیور بنالے، ہم تختِ مصر کا جاہ و جلال دیکھ کر للچانے لگتے ہیں۔ مگر زندانِ مصر کی قیدِ محن فراموش کر دیتے ہیں۔ حالانکہ طلبگارانِ تاج آزادی کے لئے پہلی منزل زندان و قید ہی کی ہے۔

اے کہ از دیدارِ یوسف غافلی　　داغِ یعقوب و زلیخا را نگر

بلاشبہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی چشمِ پرشوق ایک مدت کے ہجر و فراق کے بعد جمالِ یوسفی سے روشن ہوئی انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون مگر معلوم ہے کہ فتح و مراد کی یہ روشنی اسی سفیدیِ چشم سے چمکتی تھی جو ایک مدت مدید کے صبر و طلب سے دیدۂ یعقوبی میں پھیل چکی تھی وقال یا اسفیٰ علیٰ یوسف وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم۔ پس اس راہ میں پہلی آزمائش صبر کامل اور طلب صادق ہی کی ہے۔ جب تک طلبِ یعقوبی حاصل نہ ہو طلعتِ یوسفی نظر افروز نہیں ہو سکتا۔

یا من شکی شوقہ من طول فرقۃ　　اصبر لعلک تلقی من تحب غدا

مولانا روم کے اشارات اس مقام پر کیا لطیف و بدیع ہیں۔

تو کہ یوسف نیستی یعقوب باش　　روز و شب در گریہ و آشوب باش

پیشِ یوسف نازشِ خوبی مکن　　جز نیاز و آہِ یعقوبی مکن

سورۂ یوسف نے یہ حقیقت بھی آشکارا کر دی کہ اگر ایک غلام زندانی اپنے حسنِ عمل و استقامت سے ملک کے تاج و تخت کا مالک ہو جا سکتا ہے تو کیا ایک پوری قوم ایمان و عمل کے بغیر مسخر اسلحہ سے مسلح ہو کر اپنی کھوئی حکومت واپس نہیں لے سکتی؟ ولقد احسن القائل۔

ہزار رخنہ بدام و مرا بہ شادہ دلی　　تمام عمر در اندیشۂ رہائی بافت

حضرات! الحمد للہ کہ اسوۂ یوسفی کے اتباع و تاسی کا باب سعادت ملک و ملت پر کھل چکا ہے اور زندانِ ہند میں اب روز بروز آزادگانِ حق کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ ابھی ابھی ہم ملک و ملت کے محبوب و محترم پیشواؤں کو کراچی کے قید خانہ میں وداع کر کے آرہے ہیں اور آپ کی جمعیتہ کے سرگرم و فداکار ناظم مولانا احمد سعید دہلی سے میانوالی کے جیل میں

آبادیاں اگرچہ آلِ فرعون کے لئے عیش کدۂ حکومت و آزادی کا حکم رکھتی ہیں۔ مگر اسیرانِ بنو اسرائیل کے لئے سرتاسر زندانِ استبداد ہیں۔ وہ آپ کے کنعانِ ملت کے عزیز گم گشتہ ہیں۔ اگر آپ ڈھونڈتے ہیں تو اسی یوسف کدۂ عزت و اقبال میں ڈھونڈیے۔ جہاں اگرچہ السجن احب الی مصاید عورتی کے زنجیر و طوق میں وہ گرفتار ہیں مگر فی الحقیقت انک الیوم لدینا مکین امین اور کذالک مکنا لیوسف فی الارض کا تاج و تختِ فتح و مراد بھی اسی زنجیر و طوق سے ڈھالا جا رہا ہے۔ قد من اللہ علینا انہ من یتق ویصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

حضرات! قرآن کریم نے ہمارے سامنے حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ پیش کیا ہے۔ لقد کان فی یوسف واخوتہ آیات للسائلین۔ حضرت یوسف مصر کے بازاروں میں غلام بنا کر فروخت کئے گئے۔ پھر ان کے سامنے دو راہیں کھلیں۔ ایک میں اللہ کی معصیت تھی اور ایک میں انسان کا ظلم۔ انہوں نے قید خانے کی مصیبت گوارا کر لی۔ مگر معصیت کی عیش و آزادی گوارا نہ کی۔ ان کو حق کی فتح اور ظلم کے خسران پر اس قدر یقین و ایمان تھا کہ خوشی خوشی قید خانے چلے گئے اور ان کی روح ہمیشہ اس یقین سے معمور رہی ہے کہ اگر وہ حق پر ہیں تو بالآخر کامیابی و فتحمندی اُن ہی کے حصہ میں آئے گی۔ ان کے استغراقِ ایمانی اور ادائے فرضِ دعوتِ حق کا یہ حال تھا کہ قید خانے میں بھی زبان کھلی تو اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ حق و ہدایت کی تبلیغ و دعوت ہی کے لئے کھلی۔ یا صاحبی السجن ءارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار۔ بالآخر جب فیصلۂ حق و باطل کا وقت آ گیا تو نصرتِ الٰہی ظاہر ہوئی اور جو زنجیریں قید خانۂ مصر میں پہنائی گئی تھیں وہی بالآخر مصر کا تاج و تخت بن کر نمودار ہوئیں۔ رب قد اٰتیتنی من الملک وعلمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السمٰوات والارض انت ولیی فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین۔ اس اسوۂ یوسفی کے بصائر و عبر بے شمار ہیں مگر زیادہ نمایاں حیثیت جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص تاجِ مصر سر پر رکھنے کا طلبگار ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے زندانِ مصر کے طوق و زنجیر

ساری دنیا گرفتار کی جا رہی ہے مگر مجھ مشتاق کے نام کوئی پیام نہیں آتا۔

دیوانہ بہ راہے رود و طفل بہ راہے یاراں مگر ایں شہر شناسنگ نہ دارد

حضرات! مجھے یقین ہے کہ میں آپ کے دلوں کی سچی ترجمانی کروں گا۔ اگر ان تمام عزیزانِ ملت کو آپ کی جانب سے پیامِ محبت و تشکر پہنچاؤں، پس ان سب پر سلام، جو دین و ملت کے نام پر زنداں ہائے ہند میں اسیر ہیں، ان سب کے لئے ہمارے دلوں کی مخلصانہ تبریک، ہماری روحوں کا لازوال عشق اور اللہ کی خوشنودی و محبت کی ابدی و سرمدی بشارت، وہ وقت دور نہیں ہے جب یا تو ہم ان تک پہنچیں گے یا ان کو اپنے حلقۂ محبت و شوق کے اندر موجود پائیں گے عسی اللہ ان یأتینی بہ جمیعًا انہ ھو العلیم الحکیم

دعا اصحاب کہف

حضرات! ابھی تھوڑی دیر ہوئی ہے کہ میں نے اس خطبہ کو شروع کرتے ہوئے اپنے دعائیہ کلمات کا خاتمہ اس دعا پر کیا تھا ربنا اٰتنا من لدنک رحمۃ وھیئ لنا من امرنا رشدا۔ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ دعا بھی منجملہ ادعیہ قرآنیہ کے ہے اور سورۂ کہف میں ہمیں بتلایا گیا ہے کہ اصحابِ کہف نے اتباعِ حق کی راہ میں اپنے وطن و دیار کو چھوڑتے ہوئے یہ مقدس دعا مانگی تھی، اصحاب کہف سے مقصود چند بندگانِ مومن و مخلص ہیں۔ دینی اعلم بعد تھم۔ جو ایک ایسی آبادی میں بستے تھے جس میں ہر طرف ظلم و ضلالت کی حکومت چھائی ہوئی تھی اور کوئی گوشۂ امن و عافیت ایسا نہ تھا جو پیروانِ حق کے لئے مامن و ملجا ہو سکتا۔ ان کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے۔ اور طریقِ حق کو چھوڑ کر ضلالت کے آگے سر جھکانا نہیں چاہتے تھے انھم فتیۃ اٰمنوا بربھم وزدناھم ھدیً وہ صرف ایک ہی پروردگارِ عالم پر ایمان رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارا سر اس کے آگے جھک چکا ہے۔ اب اور تو کسی ہستی کے آگے نہیں جھک سکتا۔ فقالوا ربنا رب السموات و الارض لن ندعو امن دونہ الٰھا لقد قلنا اذا شططا۔ لیکن یہ حق پرستی ان کے حکمرانِ ملک کے قانون میں سب سے بڑا انسانی جرم ٹھہری۔ اور جب کہ ان کی آبادیوں میں ظلم کے لئے عیش و آزادی تھی، کفر کے لئے عافیت تھی، گمراہی کے لئے امن تھا۔ تو ان عشاقِ حق کے

اس طرح پہنچائے گئے ہیں کہ ان کے جسم پر قیدیوں کا کمل پڑا ہوا تھا اور ہاتھ ہتھکڑیوں میں بندھے ہوئے تھے۔

وحدثتنی یا سعد عنہا فزدتنی جنوناً، فزدنی من حدیثک یا سعد

حضرات اگر اللہ کی محبوبیت، خدمتِ ملت کی لازوال عزت، دعوت و شہادتِ حق کا شرفِ بے مثال، صرف ان ہی زنجیروں اور ہتھکڑیوں کے معاوضہ میں مل رہا ہے تو اس سے زیادہ ارزاں سودا اور کون ہو سکتا ہے۔ اور ہزار رشک و حسرت ان خوش نصیبوں پر جو اس دولتِ بیکراں اور سعادتِ بے ہمتا سے شاد کام ہوئے۔

تمنت سلیمی ان تموت بحبھا واھون شئ عندنا ما تمنت

حضرات! یقیناً یہ وہی وقت ہے جس کی صحاح کی حدیث میں خبر دی گئی الصبر فیھن کالقبض علی الجمر ان وقتوں میں ایمان و حق پر استقامت ایسی مشکل ہو جائے گی جیسے انگاروں کو مٹھی میں لینا۔ سو واقعی آج یہی حال ہو رہا ہے۔ آج ایمان پر قائم رہنا گویا آگ سے کھیلنا ہے اور جو شخص اس کے لئے طیار نہیں اسے چاہیئے کہ اس شعلہ زار حق پرستی سے ہٹ جائے۔ اور اسے جاں بازانِ ایمان کے لئے چھوڑ دے۔

حضرات! خدارا بتلایئے میں اپنے دل کے خونچکاں زخموں کا مرہم کہاں ڈھونڈوں کون ہے جو اس درد و غم کا لذت شناس ہو سکتا ہے جس کو برسوں سے اپنے سینہ مجروح میں چھپائے ہوئے ہوں؟ جب سوچتا ہوں کہ ہمرہانِ طریق آج قیدخانوں میں اسیر ہیں اور میں نامراد حلبوں کی صدارت کرتا پھرتا ہوں تو یقین کیجیے کہ مجھے اپنی اس زندگی اور نام نہاد آزادی سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ اور میں لفظوں میں اور صداؤں میں درد و غم کی کشمکش ظاہر نہیں کر سکتا۔ جس سے میرا سینہ شق ہونے لگتا ہے۔ اگر احادیث میں روکا نہ گیا ہوتا کہ مومن کو ابتلا کی تمنا نہیں کرنی چاہیئے تو یقین کیجیے کہ میں اس آزادی سے اس قدر اکتا گیا ہوں کہ قید و بند کی آرزو میں کرتا۔ اور اس کے لئے خدا سے دعا میں مانگتا۔ اس پر بھی آپ کو معلوم ہے کہ قطع نظر ایامِ گزشتہ کے پچھلے دو ماہ کے اندر میں اپنی جانب سے بار بار معاملہ کو انتہا تک پہنچا چکا ہوں مگر نہیں معلوم کیا بات ہے کہ

جو ہمیشہ قوموں اور ملکوں پر گزر چکے ہیں اور اب یا تو صرف ان کی داستانیں زبانوں پر باقی رہ گئی ہیں جعلناھم احادیث یا طلال و آثار ہیں۔ بہت سے مٹ چکے اور بہت سے ٹوٹی ہوئی دیواروں اور ویران کھنڈروں کی شکل میں عبرت سرائی کے لئے باقی ہیں۔ منھا قائم و حصید۔ پس اس آیت میں حوادث و ایام امم کو بھی زمین کی آیتوں اور نشانیوں سے تعبیر کیا گیا اور اسی طرح سورۂ یونس، اعراف، شعرا و غیرہا میں بیان واقعات کے بعد فرمایا فانظر کیف کان عاقبۃ المنظرین فانظر کیف کان عاقبۃ المجرمین۔ ان فی ذالک لایۃ و ماکان اکثرھم مومنین۔ سورۂ نور میں بالکل واضح کر دیا ولقد انزلنا الیکم ایات مبینات و مثلاً من الذین خلوا من قبلکم اور عام طور پر بھی ہر جگہ ایام گزشتہ سے نتائج و عبر اخذ کئے ہیں اور انسان کی غفلت و اعراض پر افسوس کیا ہے کہ وہ آنکھ رکھ کر بھی نہیں دیکھتا اور کان رکھ کر بھی نہیں سنتا۔ فکاین من قریۃ اھلکناھا وھی ظالمۃ فھی خاویۃ علی عروشھا وقصر مشید، افلم یسیروا فی الارض فتکون لھم قلوب یعقلون بھا او اٰذان یسمعون بھا فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔

غرض قرآن حکیم کا مقصد قصص و اخبار سے موعظۃ و تذکیر ہے۔ آجکل کی فلسفۂ تاریخ کے بعض جدید مذاہب نے تاریخ اقوام سے قوانین اجتماع اور طبیعت اقوام کے اصول اخذ کئے ہیں لیکن قرآن حکیم نے موعظۃ و تذکیر کے ایک لفظ میں بے شمار حقائق و معارف کے ساتھ اس حقیقت کو بھی آشکارا کر دیا ہے۔ قرآن کریم کا استدلال اس بارے میں یہ ہے کہ جس طرح عالم انسانی و مادی کے لئے ایک قانون طبیعت ہے اور اشیا کے خواص و آثار ہیں جو کبھی ان سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ پانی ڈبوتا ہے، آگ جلاتی ہے، زہر کی یہ خاصیت ہلاکت کا باعث ہوتی ہے، صالح غذا سے چشم نشو و نما پاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح عالم معنویات کے لئے بھی ایک قانون طبیعت ہے اور اشیا کی طرح عقائد و اعمال کے بھی خواص و نتائج ہیں جو کبھی ان سے الگ نہیں ہو سکتے۔ باطل کے لئے ہمیشہ مٹنا ہے اور حق کے لئے ہمیشہ قائم رہنا ہے۔ اصلاح کا نتیجہ ہمیشہ زندگی ہے۔ ظلم و جور ضرور ہے کہ جب کبھی ہو بالآخر شکست

لئے صرف جنگلوں کے بھٹ اور پہاڑوں کے غاروں ہی میں امن و نجات کا گوشہ باقی رہ گیا تھا۔ بالآخر وہ آبادی سے نکل کر ایک پہاڑ کے غار میں پوشیدہ ہو گئے۔ اور انسانی آبادی کا دروازہ جن مظلوموں پر بند ہو گیا تھا ان کے لئے خدا کے پہاڑ نے اپنا آغوش کھول دیا۔ فاووا الی الکہف ینشر لکم ربکم من رحمتہ ویہی لکم من امرکم مرفقا۔

حضرات! عہدِ قدیم کی یہ ایک داستانِ عبرت ہے جو کلام الٰہی نے ہمیں سنائی ہے اور اس بارے میں قرآن حکیم کا اسلوب بیان آپ کو معلوم ہے کہ وہ بحکم فیہ بناء ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم (رواہ الترمذی عن علی وصححہ وابو نعیم فی الحلیۃ عن عدۃ طرق) ہمیشہ ماضی کو مستقبل کے لئے اور رفتہ کو آئندہ کے لئے بیان کرتا ہے اور اعمالِ انسانی کے یکساں و یک رنگ حوادث و ایام کو بطور تاریخی استقراء کے مرتب کر کے دائمی نتائج و عواقب کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں بھی مسلسل یا متفرق قصص و ایام ماضیہ کا ذکر کیا ہے، صاف صاف واضح کر دیا ہے کہ مقصد جمع تاریخ اور نقل و حکایت نہیں ہے بلکہ وہ حقیقت ہے جس کے الگ کر دینے کے بعد تاریخ افسانہ بن کر رہ جاتی ہے اور اس کے وجود میں دینے کے لئے کوئی سود اور فائدہ باقی نہیں رہتا یعنی موعظۃ و تذکیر، انتباہ و اعتبار واقعات و حوادث کے تسلسل و یک رنگی سے قوانین عالم کا ادراک و انکشاف اور گزشتہ سے آئندہ کا استنباط۔ چنانچہ سورۂ ہود میں جس کا محورِ بیان یہی حقیقت ہے فرمایا۔ وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فؤادک وجاءک فی ہذہ الحق وموعظۃ وذکری للمومنین اور عہد نوحی سے لے کر عہد موسوی تک کے ایام کا ذکر کر کے نتیجہ نکالا وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القری وہی ظالمۃ۔ ان اخذہ الیم شدید۔ ان فی ذلک لآیۃ لمن خاف عذاب الآخرۃ۔ سورہ یوسف کے آخر میں فرمایا وکاین من آیۃ فی السموات والارض یمرون علیہا وہم عنہا معرضون یعنی کائنات ہستی کی آیتوں میں سے ایک آیت تو ملکوۃ السماوات کی ہے جس کا تفکر ما خلقت ہذا باطلا اور انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا کا باب عرفان و حقیقت کھولتا ہے اور دوسری قسم آیات ارضیہ کی ہے اور آیات ارضیہ میں سب سے زیادہ نمایاں آیت حوادث و ایام کی ہے

قرآن حکیم نے اس ضمن میں جماعت انسانی کے وحدت اعمال، وحدۃ خواص اور وحدۃ نتائج کو ایک عجیب معجزانہ استدلال فطری کے ساتھ پیش کیا ہے۔ البتہ اس کی فقہ و معرفت کا دروازہ صرف انہی قلوب صافیہ پر کھل سکتا ہے جن کو حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انوار کتاب و سنت کے اکتساب و استکار کے لئے مجلیٰ و مزکیٰ کر دیا ہو۔ اور جنہوں نے ظلمات قیل و قال و آراء رجال و صناعات مخترعۂ جدل و خلاف کو سبل متفرقۂ یونانیہ و کلامیہ کے طلسمات ظنون، اور کارخانہ جات اہواء سے نکل کر فضاء بے کنار حکمت قرآن و سنت کی سیر کی ہو۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

بہرحال قرآن حکیم نے حیات امم کے قانون الٰہی کا اعلان کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ ابتداء خلقت سے جس طرح حق و عدالت کا ظہور یکساں رہا ہے اسی طرح بطلان و فساد کا ظہور بھی ہمیشہ یکساں رہا ہے۔ جس طرح حق کی صدائیں ہمیشہ ایک ہی طرح اٹھتی رہیں اسی طرح ظلم و عدوان کے دعوے بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کے ہوئے ہیں۔ جس طرح حق و ہدایت کی شکل و صورت اور خصائص و اوصاف ہر عہد میں ایک ہی طرح کے رہے اسی طرح بطلان و فساد کا رنگ روپ بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کا رہا۔ چنانچہ وہ جابجا کہتا ہے بل قالوا مثل ما قال الاولون۔ پھر اس استقراء کے بعد وہ اس قدرتی یقین و اذعان کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ جس طرح حق و باطل کی یہ دو زبردست متقابل و متوازی ابتدا سے چلی آتی ہیں، ضرور ہے کہ آئندہ بھی جاری رہیں۔ تا آنکہ حق کی آخری فتحمندی کا وقت آجائے اور بطلان و فساد کی تمام سرکش قوتیں مٹ جائیں۔ لیظہرہ علی الدین کلہ۔ پس ماضی میں جو نتائج نکلے ہیں۔ ضرور ہے کہ مستقبل میں بھی نکلیں۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوگا کہ حق و باطل، نور و ظلمت، ظلم و مظلومی کا معرکہ آویزش و کشاکش گرم ہوگا۔ حق کا یہ خاصۂ طبیعت ہے کہ اس کی قوت ظلم اور استعداد فساد جس قدر بڑھتی جائے گی اتنا ہی وہ ہلاکت و خسران کے لئے زیادہ طیار ہوتا جائے گا۔ حق کی مظلومی میں بالطبع داعیۂ فتح ہے اور ظلم کی سرکشی میں بالطبع داعیۂ خسران، کچھ عرصہ تک کشمکش جاری رہے گی اور فساد کو تکمیل مادۂ خسران کے لئے ایک خاص زمانے تک مہلت دی جائے گی۔ اس

کھائے اور عدل و صداقت کے لئے ضروری ہے کہ جب کبھی ہو نسخ پائے۔ قرآن حکیم نے اسی قانونِ معنوی کو جا بجا سنت اللہ اور فطرۃ اللہ کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت یہی ناموس خلقت ہے، آئینِ طبیعت ہے۔ آگ کی حرارت اور پانی کی برودت سے بھی زیادہ محکم و غیر مبدل ہے اور صرف عالم حیوانات ہی میں نہیں بلکہ کارخانۂ ہستی کے ایک ایک وجود اور ایک ایک ذرہ تک میں جاری و ساری ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ دنیا میں ہمیشہ اسی قانون کے ماتحت قوموں کو زندگی ملی ہے اور اسی کے ماتحت وہ ہلاک ہوئی ہیں اور چونکہ قانون دائمی ہے اعمال یکساں ہیں، طبیعت غیر مبدل ہے، خواص لاینفک ہیں اور نتائج و ثمرات ناگزیر ہیں اس لئے آئندہ بھی ہمیشہ وہی ہوگا جو ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ اور وقت کا امتداد و تغیر اللہ کے قانونِ مکافات و مجازاۃ عمل کو متغیر نہیں کر دے گا۔ زہر کھانے سے اگر ایک ہزار برس پہلے آدمی مرجاتا تھا تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اب زہر کھانے سے زندگی ملے اور اگر آگ پانچ ہزار برس پہلے جلاتی تھی تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اب اس کے شعلوں میں انگلی ڈالو اور ٹھنڈک اور راحت ملے سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبلہم ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔

چنانچہ اسی بنا پر جا بجا گزشتہ حوادث و انقلابات کے نتائج کو سنۃ الاولین کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اور آخرین کے لئے اس کو بطور دلیل و برہان استعمال کیا۔ انفال میں کہا۔ وان یقودوا فقد مضت سنۃ الاولین اور فاطر میں کہا فہل ینظرون الا سنۃ الاولین فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا اور سورۂ نساء میں فرمایا سنن الذین من قبلکم!

پس سنۃ اللہ سے مقصود یہ قانون نتائج حق و باطل اور آئینِ فلاح و خسران امم ہے۔ نہ کہ مادی و جسمانی خواص کا قانون جیسا کہ معتزلۂ جدید اور مفتونینِ فتنۂ علوم جدیدہ نے استدلال کیا ہے۔ ایسا استدلال قطعاً تحریفِ معنوی ہے۔ اور نظم قرآن کو بالکل درہم برہم کر دینا ہے۔

حضرات! آپ حضرات کی نظرِ علم و بصیرت سے یہ حقیقت بھی مستور نہ ہوگی کہ

کا غرور و تمرد، اصحاب مدین کا انکار و اعراض، قوم عاد کا فسق و عدوان، یہ سب کچھ بہ یک ظرف وزمان جمع ہو گیا ہے۔ مصر و ایران، بابل و نینوا، یونان و روما اگرچہ اپنے اپنے وقتوں میں اللہ کی صداقت و عدالت کے مقابلہ کے لئے اٹھ چکے ہیں۔ لیکن اب ان کی سب کی جگہ اور ان سب سے بڑھ کر یورپ کی مدنیت ملعونہ ہے۔ جو پانچ سال تک آگ اور خون کے سیلابوں میں غرق رہ کر بھی بدستور من اشد منا قوۃ کا دعویٰ کر رہی ہے۔ اصحاب کہف کی جماعت چند انفاس پر مشتمل تھی۔ اس لئے پہاڑ کی غار میں انہیں پناہ مل گئی۔ لیکن آج اصحاب کہف کی سی مظلومی میں چند افراد ہی نہیں بلکہ آبادیوں کی آبادیاں اور اقلیموں کی اقلیمیں تباہ ہو گئی ہیں۔ اور لاکھوں کروڑوں بندگان الٰہی پر ان کی بستیوں اور شہروں میں امن و آزادی کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ اس لئے نہ تو صحراؤں کے اس قدر گوشے ہیں جہاں انہیں پناہ مل سکے اور نہ پہاڑوں کی اس قدر غاریں ہیں جو انہیں اپنی آغوش میں لے سکیں۔

حضرات! آیئے، قبل اس کے کہ ہم اس صف ماتم میں بیٹھیں ذرا اپنی ان بربادیوں پر بھی ایک نظر ڈالیں جن کے ماتم و فغاں سنجی کے لئے آج یہاں جمع ہوئے ہیں۔ تمام کرۂ ارضی کے مشارق و مغارب پر نظر ڈالئے اور ڈھونڈیئے کہ پرستاران حق و اسلام کے لئے کوئی ایک گوشۂ امن بھی آج باقی رہا ہے؟ سانپوں کے لئے بھٹ ہیں اور درندوں کے لئے غار ہیں۔ جہاں امن و بے فکری سے وہ اپنی رات بسر کر سکتے ہیں۔ مگر آہ! پیروان اسلام کے لئے آج تمام کرۂ ارضی میں چار بالشت زمین بھی امن و عافیت کی باقی نہیں رہی۔ گویا اسلام کی پوری تیرہ صدیوں کی تاریخ اب ایک محض افسانۂ ماضی اور حکایت رفتہ ہے۔ اوراق دفاتر میں پڑھ لی جا سکتی ہے مگر بلاد و اقالیم میں دیکھی نہیں جا سکتی۔

کان لم یکن بین الحجون الی الصفا انیس ولم یسمر بمکۃ سامر

حضرات! معلوم نہیں کہ آپ کے کانوں کا کیا حال ہے۔ مگر میں اپنے نامراد

اس مہلت کو قرآن حکیم نے جا بجا تمتع الی حین اور تربص و انتظار و اجل سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس خاص وقت کو جو قرآن الٰہی کے ماتحت ظہور نتائج کے لئے مطلوب ہوتا ہے، اجل مقدر اور اجل مسمیٰ کہا ہے۔ و یستعجلونک بالعذاب ولولا اجل مسمیٰ لجاءھم العذاب اور سورۂ یونس میں فرمایا۔ ویقولون متیٰ ھذا الوعد ان کنتم صادقین؟ قل لا املک لنفسی ضرًا ولا نفعًا الا ما شاء اللہ لکل امۃ اجل اذا جاء اجلھم فلا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون۔ پس جب وہ وقت آجائے گا اور مادۂ فساد تکمیل تک پہنچ کر انفجار کے لئے طیار ہو جائے گا تو پھر حق و باطل کا آخری فیصلہ ظہور میں آئے گا۔ حق کی مظلومی و درماندگی فتح پائے گی۔ باطل کی مغرور طاقت و سطوت کچھ کام نہ دے گی۔ قرآن حکیم کی اصطلاح میں اس آخری فیصلہ کا نام قضا بالحق ہے اور اب لوگوں نے اسے انتخاب اصلح اور بقائے اصلح کے نام سے بھی پکارنا شروع کیا ہے۔ فاذا جاء امر اللہ بالحق وخسر ھنالک المبطلون۔

حضرات! اصحاب کہف کو اگر اپنے عہد کے ضلالت و طغیان سے درماندہ و لاچار ہو کر پہاڑ کی غار میں پناہ لینی پڑی، تو گو وہ عہد جا چکا ہے لیکن اس عہد کی ضلالت و طغیان دنیا سے رخصت نہیں ہوئی ہے۔ آج بھی عشاق حق کے عزم و ثبات کے لئے ایک ویسی ہی آزمائش در پیش ہے۔ آج بھی ظلم کی حکومت ہے بطلان و فساد کی حکمرانی ہے۔ جور و طغیان کا دور دورہ ہے اور اصحاب کہف کی بستی کی طرح صرف ایک ہی قطعۂ ارضی نہیں بلکہ تمام کرۂ ارضی کی خشکی و تری حق و عدالت سے محروم ہو گئی ہے۔ اور خدا کی زمین پر اس کے مظلوم و درماندہ بندوں کے لئے کوئی گوشۂ امن و عافیت باقی نہیں رہا ہے۔ ظھر الفساد فی البر والبحر اما کسبت ایدی الناس گویا زمین کی تمام پچھلی نامرادیاں لوٹ آئی ہیں۔ اور تاریخ عالم کی ساری گزری ہوئی شقاوتیں ایک ایک کر کے پلٹ رہی ہیں۔ سر زمین اصحاب کہف کا جبر و طغیان، فراعنۂ مصر کا ظلم و استبداد، نمارذہ کلدان

بنائیں جب کہ صرف ایک ہی آبادی کے نہیں بلکہ تمام دنیا کے دروازے پیروانِ حق پر بند ہو گئے ہیں۔ اور ہر طرف ظلم و فساد کی حکومت پھیل گئی ہے اس دعا میں رحمت الٰہی کی طلب ہے اور ارشادِ امر کا سوال ہے۔ رحمت، اللہ کی وہ وصف کاملہ ہے جو ہر طرح کے فیضان و بخشائش کا دروازہ کائناتِ ہستی پر کھولتی ہے اور رشدِ امر سے مقصود ہر طرح کی ہدایت و رہنمائی ہے جو حصول و انجاح مقاصد کے لئے مطلوب ہو۔ پس گویا اعجازِ بلاغت قرآنی نے ان چند لفظوں کے اندر ان تمام برکات و مقاصد کو جمع کر دیا ہے جن کی نوعِ انسانی محتاج ہو سکتی ہے۔ اس کو رحمت کی ضرورت ہے اور جو اس کی درماندگیوں اور خطاؤں کو بخش دے اور ارشادِ امر کی ضرورت ہے تاکہ صحیح راہِ کامیابی پر چل کر کامران و فرخندہ ہو۔ ان ہی دو چیزوں کے ہم بھی آج محتاج و آرزو مند ہیں۔ ہم نے خطائیں کی ہیں پس اس کی رحمت مطلوب ہے جو بخشش دے۔ ہم نے راہِ عمل گم کر دی ہے اور رشد و ہدایت کے سائل ہیں تاکہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائیں۔ ربنا آتنا من لدنک رحمۃ وھیئ لنا من امرنا رشدا ط

حضرات! اب میں جمعیۃ العلماء کے وجود و مقاصد کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اس سلسلہ میں دو اہم مطالب سامنے آتے ہیں۔ ایک جمعیۃ العلماء کے مقاصد و وظائف کا مبحث ہے جو اس وقت تک مسائلِ وقت کے انہماک کی وجہ سے بحث و نظر میں نہ آسکا۔ دوسرا موضوع مسائلِ حاضرہ کا ہے میں کوشش کروں گا کہ آرائشِ بیان و تزئینِ عبارت سے بالکل قطع نظر کر کے نفسِ مطالب بطریقِ اشارات گوش گزار کر دوں۔

مسئلہ احیاء و تجدید ملت

حضرات! جمعیۃ العلماء کا قیام فی الحقیقت مسئلہ احیاء و تجدید ملت کی ایک فرع ہے۔ جو گزشتہ ایک صدی سے تمام عالم اسلامی میں دعاۃ اصلاح و ترقی کے لئے مبحث افکار و معرکۂ آراء و نظارہ رہ چکا ہے۔ مسئلہ احیاء ملت کا مقصود واضح ہے۔ یعنی مسلمانوں کو موجودہ پستی و ادبار سے نکالنے اور ان کے عزو اقبالِ رفتہ

سامعہ کو کیا کروں جس سے ہر لمحہ ہر آن واشر الغوابۃ ادنیا کی جگر دوز صدائیں ٹکرا رہی ہیں۔ اور میری مجروح آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ کفر و ظلم کے غلبہ و قہر سے ارض الہیٰ کا ایک ایک چپہ چپہ چیخ رہا ہے۔ پرستاران حق کی غربت و بے کسی ہر طرف سر پیٹ پیٹ کر ماتم کر رہی ہے اور فضا ر کائنات کا ایک ایک ذرہ قائم حق کو ڈھونڈ رہا ہے اور حامیان ملت کو پکار رہا ہے۔

یا ناعی الاسلام لتمرد ا دفلہ — فلذ زال عرف وبدا منکر

شیخ سعدی نے قتل بغداد کا مرثیہ لکھا اور ابو البقا نے تباہی اندلس پر ماتم کیا۔ وقت آگیا ہے کہ اس عہد کا ایک نیا ابو البقا اندلس و بغداد کا نہیں بلکہ تمام عالم اسلامی کا مرثیہ لکھے۔

اصابہا العین فی الاسلام نارتزات — حتیٰ خلت منہ اقطار و بلدان
تبکی الحنیفۃ البیضاء من اسف — کما بکی لفراق الالف ھیمان
علی دیار من الاسلام خالیۃ — قد اقفرت ولھا بالکفر عمران
حیث المساجد قد صارت کنائسما — فیھن الا نواقیس و صلبان
حتی المحاریب تبکی وھی جامدۃ — حتی المنابر ترثی وھی عیدان
یا غافلا ولہ فی الدھر موعظۃ — ان کنت فی سنۃ فالدھر یقظان
اعندکم نباء من اھل اندلس — فقد سری بحدیث القوم رکبان
کم یستغیث بنا المستضعفون وھم — فتلی و اسری فما یھتز انسان
الانفس ابیات لھا ھمم — اما علی الخیر انصار و اعوان
ماذا التقاطع فی الاسلام بینکم — و انتموا یا عباد اللہ اخوان

لمثل ھذا یذوب القلب من کمد
ان کان فی القلب ایمان و اسلام

حضرات! یہ دعا اصحاب کہف نے اس وقت مانگی تھی جب ان کی آبادی کے دروازے ان پر بند ہو گئے تھے۔ آئیے آج ہم اسی دعا کو وسیلۂ مقبولیت

اسی مسلک میں محسوب ہے۔

تیسرا مذہب اصلاح "اصلاحِ دینی و اسلامی" کا ہے اور اگرچہ اس مذہب کے دعاۃ بمقابلہ مذہب سابقہ قلیل رہے مگر فی الحقیقت مسئلہ اصلاح میں یہی گروہ اصحابِ رشد و ہدایت اور سالکین جادۂ اقتصاد و حق کا رہا ہے۔ بحکم حدیث غربتْ قلیل فی ناس سوء کثیر" گو ان کی نقداد قلیل اور ان کی صدائیں ضعیف رہیں لیکن زمانہ روز بروز ان کی دعوت سے قریب تر ہوتا گیا اور مذاہب سابقہ کی نامرادیوں نے بہت جلد اس مسلک کی صحت و حفاظت و نیائے اسلام پر آشکارا کر دی۔

اصلاحِ دینی کے مبادیات

اس آخری مسلکِ اصلاح کی بنیاد حسب ذیل مبادی و مقدمات پر تھی اور انہی کی دعوت و تبلیغ کے لئے ۱۹۱۲ء میں میں نے الہلال جاری کیا تھا۔

۱- اسلام کے نظمِ شریعت میں دین و دنیا کی تقسیم نہیں ہے۔ اسلام نے شریعتِ الٰہی کو نوعِ انسانی کی تمام سعادت و ہدایت کا کفیل و سرچشمہ قرار دیا ہے اور مسلمانوں کی سیاسی علمی۔ اخلاقی، قومی و مدنی زندگی کی بنیاد صرف ایک ہی حقیقتِ جامعہ پر ہے یعنی شریعت اسلامیہ اور کتاب و سنت پر۔

۲- مسلمانوں کی قومیت صادقہ کی بنیاد صرف شریعت کا علم و عمل ہے، شریعت نے انھیں بتلایا تھا کہ دنیا میں سب سے بڑی قوم وہی ہیں، وہی خیر الامم ہیں۔ وہی خیر البریہ ہیں، وہی شہداء علی الناس ہیں۔ وہی شہداء اللہ فی الارض ہیں۔ ان کے عروج و سعادت کی علت صرف یہ تھی کہ قرآن حکیم اور سنت رسول کو انہوں نے اپنا دستور العمل و حیات قرار دیا تھا۔ قرآن حکیم کی نسبت صاحبِ قرآن کا اعلان تھا ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما و یضع بہ آخرین (رواہ مسلم) اللہ تعالیٰ اس کتاب کی ہدایت سے قوموں کو اٹھائے گا اور یہی ہے جس کو ترک کر کے قومیں گریں گی اور ہلاک ہوں گی۔ اور روایت حضرت علی عند ترمذی و ابونعیم و الطبرانی فی الکبیر میں فرمایا۔ وھو الفصل لیس بالھزل من ترکہ من جبار قصمہ اللہ و من ابتغی الھدی

کو واپس لانے کے لئے کیا اسباب و وسائل اختیار کرنے چاہئیں اور راہِ عمل و فوز کیا ہو سکتی ہے؟ اس بارے میں ابتدا سے تین مختلف مذاہبِ اصلاح ہیں۔ جو ہندوستان مصر، ٹرکی، ایران، ٹیونس اور بلادِ ترکستان و قفقاز کے داعیان اصلاح نے اختیار کئے ہیں۔

پہلا مذہب وہ ہے جسے "اصلاح افرنجی" سے موسوم کرتا ہوں گزشتہ صدی یورپ کے تمدن و صنائع کے ظہور و اعلان کا عہد تھا۔ یورپ کی پستی نہایت تیزی کے ساتھ گورہی تھی۔ جب یورپ کے تمدن کا ہوشربا جلوہ اسلامی ممالک کے سامنے بے نقاب ہوا تو دو مختلف اثرات دو مختلف جماعتوں پر مرتب ہوئے۔ غالب جماعت نے تو اپنی غفلت و جمود کی وجہ سے اس انقلاب و تغیر کی طرف نظر ہی نہ اٹھائی۔ لیکن ایک جماعت اربابِ بینش و خبر کی بھی تھی جس نے فوراً تغیرِ احوال محسوس کیا۔ لیکن جیسا کہ طبیعت بشری کا خاصہ ہے اپنی پستی و کمزوری اور جلوہ کی نظر فریبی و ہوشربائی کی وجہ سے بہ اول نظر مرعوب و مسحور ہو گئی۔ اور مقابلہ و مقاومت کی جگہ تقلید و اطاعت کے جذبات اس میں پیدا ہو گئے۔ ہندوستان میں سرسید احمد خاں مرحوم اور ان کے متبعین و مقلدین۔ ٹرکی میں سلطان محمود خاں اور اس کے عہد کے وزراء مثلاً فواد پاشا۔ مصر میں محمد علی پاشا۔ ٹیونس میں خیر الدین صاحب "اقوام المسالک" اور بیرم تونسی صاحب "صوۃ اخبا" وغیرہم اسی گروہ میں محسوب ہیں۔ انہوں نے اصلاح و تغیر کے لئے صرف یورپ کی تقلید علوم حدیثہ کی ترویج، عادات و خصائل فرنگ کے تخلق و تشبہ اور ان کے ذہنی و عملی تقلید و اطاعت کو اساسِ کار و اعتقاد اصلاح قرار دیا۔

دوسرا مذہب "اصلاح سیاسی" کا مذہب ہے، یہ وہ جماعت ہے جس کو اسلامی ممالک پولیٹیکل زوال اور سیاسی اختلال کا حد درجہ استعراف ہوا۔ اس لئے اس کی نظر اس طرف گئی کہ سب سے مقدم سیاسی اصلاح ہے۔ جب تک یہ ظہور پذیر نہ ہو۔ کوئی سعی سود مند نہیں ہو سکتی۔ ممالک اسلامیہ میں اس مذہبِ اصلاح کے سب سے بڑے داعی مرحوم سید جمال الدین اسد آبادی تھے اور ٹرکی میں مدحت پاشا ابوالاحرار کی دعوت بھی

حبِ جاہ و ریاست کا استیلاء، فریضۂ دعوت الی الخیر و امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے تغافل۔ امراء سلاطین و امراء کا اتباع، اجتہاد و فکر و نظر کا فقدان، غرضکہ منصبِ نیابتِ نبوت کا ضیاع اور احبار و رہبان اہلِ کتاب کے متذکرۂ قرآن مفاسد کا بحکم یاتی علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل اوکما قال۔ ظہور و احاطہ۔ خود طبقۂ علماء میں بدرجۂ کمال پہنچ گیا تو اس کا لازمی نتیجہ امت کی ہلاکت تھا اور وہ ظہور میں آیا وکان وعدا مفعولا۔

پس اب اگر اصلاح حال کی کوئی راہ صحیح ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ علماء امت کے طبقہ میں احساسِ حال کی تبدیلی پیدا ہو اور وہ اپنے منصبِ عظیم کو از سرِ نو سنبھال لینے کے لئے آمادہ ہو جائیں اور اس طرح علم و عملِ شریعت کا احیاء صورت پذیر ہو۔

ترکستان و بلادِ روسیہ میں شیخ صدر الدین، مصر میں شیخ محمد عبدہ، شام میں شیخ عبد الرحمٰن کواکبی اور شیخ کمال الدین قاسمی وغیرہم، اسی مسلکِ اصلاح کے داعی تھے۔ مگر سلطان عبد الحمید مرحوم کے استبداد نے مہلتِ عمل نہ دی اور ان کے افکار نفاذ و عمل تک نہ پہنچ سکے۔

ایک چوتھا ذہب۔

ان تین جماعتوں کے علاوہ ایک چوتھی جماعت بھی ہمیشہ رہی ہے اور اب بھی موجود ہے۔ لیکن اس جماعت کا کوئی ایجابی مسلک نہیں ہے۔ محض سلبی وجود ہے۔ یعنی ارباب جمود و غفلت کا طبقہ۔ اس جماعت کو اصلاح سے انکار ہے اور ضرورت سعی و انقلاب سے گریز۔ اور پھر انہی میں وہ دعاۃ فتن، علماء سوء و مشائخ دنیا و وجاہۃ فساد بھی ہیں جو ہر صدائے حق کے جمود اور ہر سعی اصلاح و عمل کے انکار و مقاومت کو اپنا فریضۂ علم و عمل سمجھتے ہیں۔ میں نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ الحمد للہ ان کی کوئی مقاومت ہستی باقی نہیں رہی ہے۔ استحوذ علیہم الشیطان الا ان حزب الشیطان ہم الخاسرون۔

اصلاح دینی کے گزشتہ ایام

حضرات! اس مسلکِ اصلاح کے مطابق اگرچہ ممالک اسلامیہ میں متعدد کوششیں

فی غیرہ اضلہ اللہ الیٰ ان قال ومن قال بہ صدق ومن عمل بہ اجر، ومن حکم بہ عدل، ومن دعا الیہ ھدیٰ الیٰ صراط المستقیم۔ پس جب مسلمانوں نے قرآن وسنت کا علم وعمل ترک کردیا۔ تو اقبال وعروج نے بھی ان سے کنارہ کشی کرلی۔ یہ مسلم اور حقائق تاریخی میں سے ہے کہ مسلمانوں کے عروج واقبال کا سب سے بہتر وارفع زمانہ وہی تھا جب بجز کتاب وسنت کے علم وعمل کے اور کوئی تعلیم ان کی رہنما نہ تھی۔ یعنی عہد صحابہ کرام وخلفائے راشدین اولئک اصحاب محمد ابرھذہ الامۃ قلوبا واعمقھا علما واقلھا تکلفا، قوم اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ واقامۃ دینہ فاعرفوا لھم حقھم تمسکوا بھدیھم، فانھم کانوا علی الھدیٰ المستقیم" (قالہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ) اور تنزل وفساد کا عہد اسی وقت سے شروع ہوا جب کہ اقوام ماضیہ منضوبہ کے علوم واعمال بشکل علوم دخیلہ واعمال بدعیہ ان میں رائج ہوئے۔ ایک ہی علت کے دو مختلف نتائج نہیں نکل سکتے۔ پس اگر اب بھی مسلمان اگر اپنے عروج رفتہ کو دوبارہ حاصل کرسکتے ہیں تو اس کی صرف ایک ہی راہ ہے۔ اس کے علاوہ اور جس قدر راہیں بھی کھلی ہوں گی گمراہی وفساد کی ہوں گی۔ یعنی علم وعمل شریعت کا احیاء وترک وہجر شریعت کا انسداد۔

۳۔ اس مسلک کی بنیاد اس ایمانی اور اعتقادی حقیقت پر بھی تھی کہ شریعت اسلامیہ آخری واکمل شریعت ہے اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی اور اس کا وعدہ ہے لیظھرہ علی الدین کلہ یقیناً اس وعدہ کا ابھی ظہور نہیں ہوا۔ پس ضرور ہے کہ وعدۂ الٰہی ظاہر ہو اور اس لئے مستقبل کے لئے اگر کوئی راہ فوز وفتح ہوسکتی ہے تو وہ صرف دعوت شریعت اور احیاء عمل بالقرآن ہی ہے۔

۴۔ مسلمانوں سے اجتہاد واتباع شریعت مہجور نہیں ہوا۔ مگر علماء اسلام کی غفلت واعراض سے۔ شریعت کے علم وعمل کے وہی حامل ومبلغ تھے۔ اور امت کی حیات شرعیہ کا تمام دارومدار ان کی حیات علمی وعملی پر تھا۔ جب کتاب وسنت کا ترک وہجر تفرقہ وتشتت، وحدت اور سبل متفرقہ کا شیوع، اختلاف وتحزب کی عصبیت، علوم محدثہ کا استغراق

ان میں سے ہر سعی کا یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ دعوت اصلاح دینی اور حرکت و نہضت علماء ملت کے لئے وقت کی استعداد روز بروز بڑھتی گئی۔

دعوت الہلال

حضرات! مجھے امید ہے کہ آپ مجھے خود ستائی اور خود فروشی کا الزام نہ دیں گے اگر میں بطور تحدیث نعمت اس موقع پر دعوت الہلال کا بھی ذکر کروں۔ عالم اسلامی کے ماضی قریب میں اصلاح دینی اور انتباہ و ایقاظ علماء ملت اور احیاء و تجدید امت کی جو دعوت ان تمام پچھلی دعوتوں کے طریقوں اور اسلوبوں سے بالکل مختلف اسلوب پر بلند ہوئی ہے۔ وہ دعوت الہلال ہے۔

آج آپ کی یہ مقدس و مبارک جمعیۃ العلماء جس مقصد کی جستجو میں منعقد ہوئی ہے میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ یہ وہی یوسف مقصود ہے جس کے فراق میں ۱۹۱۱ء سے متصل "واسفا علی یوسف" کی نقار سنجی کر رہا ہوں اور جس کے لئے میں نے الہلال مرحوم کے صفحوں کو کبھی اپنے چشم خونیں کے آنسوؤں سے رنگا ہے اور کبھی اس کے سواد و حروف کے اور اپنے دل و جگر کے ٹکڑے بچھا دیئے ہیں۔ ۱۹۱۱ء سے لے کر آج تک یہ مقصد میرے دل کی تمناؤں اور آرزوؤں کا مطلوب اور میری روح کی عشق و شیفتگی کا محبوب رہا ہے، خدا کی کوئی صبح مجھ پر ایسی طلوع نہیں ہوئی جب اس مقصد کی طلب سے میرا دل خالی ہوا ہو اور کوئی شام مجھ پر ایسی نہیں گزری جب میں نے اس کی تمنا میں اپنے بستر غم و اندوہ پر بے قراری کی کروٹیں نہ بدلی ہوں۔ میں نے اپنی آزادی کی تمام فرصت اسی کے عشق میں بسر کی اور نظر بندی و قید کے چار سال بھی اسی کے فراق میں کاٹے۔

یذکرنی طلوع الشمس صخرا ۔۔۔ واذکرہ بکل غروب شمس

پس اے بزرگان ملت اگر آج علماء امت کی یہ نہضتہ مبارکہ جمعیۃ العلماء کی شکل میں اطلاع و نظر افروز ہوئی ہے تو مجھے کہنے دیجئے کہ یہ میرے دس سالہ سوالوں کا جواب ہے۔ میری تمناؤں اور آرزوؤں کا ظہور ہے، میری فریادوں اور التجاؤں کی قبولیت ہے میرے لئے ماتشتہیہ الانفس وتلذ الاعین ہے۔ اور

علماء کے اجتماع و نہضت کے لئے کی گئیں۔ شیخ محمد عبدہ نے اپنے تمام آخری ایام حیات علماء ازہر کے انتباہ و بیداری میں صرف کر دیئے۔ شیخ محمد جزائری نے علماء جامعہ زیتونیہ تیونس کی ایک جمعیۃ اصلاح قائم کرنے کے لئے مدت العمر آہ و فغاں کیا۔ شیخ عبدالرحمٰن کواکبی نے بعنوان جمعیۃ ام القریٰ لکھ کر علماء اسلام کی ایک بین الملی جمعیۃ کی تحریک کی ہندوستان میں پہلے ندوۃ العلماء اور پھر جمعیۃ الانصار دیوبند قائم ہوئی۔ لیکن افسوس ہے کہ اس وقت تک کوئی سعی و تدبیر بھی سود مند و کامیاب نہ ہوئی۔ اس ناکامیابی کے بھی واضح و مبین اسباب ہیں لیکن میں بخیال اختصار ان کی تشریح نہیں کروں گا بعض مساعی کے لئے استبدادِ حکومت مانع ہوا، بعض مساعی باہمی اختلافات و تزاعات کی وجہ سے ناکام رہیں، بعض تدابیر میں علماء سوء کی مقاومت نے خلل ڈالا۔ اور اکثر کا یہ حال رہا کہ خود نفسِ دعوت و تدبیر کے اندرونی نقائص کامیابی میں حائل ہو گئے۔ ازانجملہ سب سے بڑا نقص ان تمام دعوتوں میں یہ رہا کہ گو اصلاً اصلاح دینی کی قسم میں داخل تھیں لیکن بمصداق خلطوا عملاً صالحاً و آخر سیئاً۔ جو طریق عمل اختیار کیا گیا تھا وہ ٹھیک ٹھیک نہج قویم و مستقیم پر نہ تھا، یعنی منہاج و اسوۂ نبوت کے علوم و اعمال کو ان میں غلبہ و احاطہ حاصل نہ تھا اور کتاب و سنت کی دعوتِ خالص و بے آمیزش کی جگہ موجودہ عہد کے طرقِ محدثہ نے ان میں راہ پائی تھی اور ازانجملہ ایک بڑا سبب ان کی ناکامی کا یہ بھی ہوا کہ اصول کی جگہ فروع کا استغراق داعیوں پر چھا گیا۔ اور یہ حقیقت ان پر منکشف نہ ہوئی کہ راہ کی ہدایت و نہایت کا تعین کیونکر کرنا چاہیئے۔ پس ایسا ہوا کہ جو طاقت اصل پر خرچ کرنی تھی وہ بعض شاخوں پر صرف ہو گئی۔ مثلاً مسئلہ اصلاح نصاب تعلیم وغیرہ۔ اور اس طرح تمام کارخانۂ دعوت درہم برہم ہو گیا۔ معہذا اس کارخانۂ حیات اور کارگاہ مکافات و مجازات کا کوئی عمل بھی بکلی ضائع نہیں جاتا۔ جس کی بنیاد اعتقاد صحیح پر ہو۔ یہ کوششیں اگرچہ خود راہ نہ پا سکیں۔ لیکن انہوں نے آنے والے عہد کے لئے بہت کچھ راہ صاف کر دی اور کم از کم

کہا جا سکتا ہے کہ مسلک اصلاح دینی کی بنا پر عالم اسلامی کا یہ سب سے پہلا اجتماع علما ہے۔ جو اس وسعت و اتحاد اور جمعیتہ اقوام کے ساتھ مجتمع ہوا ہے جو کام اس وقت تک تمام بلاد اسلامیہ کی طلب و سعی سے بروئے کار نہ آسکا اور جس کی توفیق موجودہ عہد کی اسلامی حکومتوں کو بھی نہ ملی اور تمام مصلحین عہد اس کی تمنائیں اپنے ساتھ لے گئے آج وہ آپ کی سعی و ہمت سے فعل و وجود تک پہنچ چکا ہے اور عمل و اقدام کی شاہراہ آپ کے آگے باز ہے الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ

وظیفۂ علماء اور شہادۃ اولوا العلم

حضرات! اس اصل کی تقریر کے بعد ضرورت تھی کہ جماعت علماء کے منصب و وظائف کی بھی پورے شرح و بسط کے ساتھ تفصیل کر دی جاتی اور یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی کہ طلب صلاح اور ادائے فرض کے سلسلے میں آج جو مقصد اصلی و قدیمی ہے جو روز اول سے وحی الٰہی نے جماعت علماء کے لئے قرار دیا ہے۔

اس مقام پر سب سے پہلے زیادہ اہم مشہد علم حق کی شہادت و دعوت کا تھا جہاں پہنچ کر ہم معلوم کرتے کہ حکمت الٰہی نے کائنات ہستی اور نوع انسانی کے قیام و سعادت کے لئے کونسا نظام ہدایت مقرر کیا ہے اور قرآن حکیم کے بیانات اس بارے میں کیا ہیں

قرآن حکیم نے بتلایا ہے کہ دنیا کی قوام سعادت کی بنیاد تین حقیقتوں پر ہے جن کو اصطلاح قرآنی میں شہادت سے تعبیر کیا ہے شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملائکۃ واولوا العلم قائما بالقسط لا الہ الا ھو العزیز الحکیم۔ (آل عمران) اس آیہ کریمہ میں بالترتیب تین شہادتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ کی شہادت، ملائکہ کی شہادت اولوا العلم یعنی علم والوں کی شہادت۔

قرآن حکیم جب کبھی لفظ شہادت کو اس سیاق و سباق کے ساتھ استعمال کرتا ہے جیسا کہ یہاں ہے تو شہادت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اللہ کے کلمۂ حق کی اس کی زمین پر گواہی دینا۔ یعنی اس کا اعلان و اظہار کرنا، ہدایت الٰہی کی دعوت کو قائم کر دینا۔ اور حق و صداقت کی تعلیم و بیان سے دنیا کی غفلت و ضلالت کا استیصال کرنا پس وہ تمام امور

یقیناً میری امیدوں کے قدیم خواب کی تعبیر ہے ھذا تاویل رؤیای من قبل قد جعلھا ربی حقا۔

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقان مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

جمعیۃ العلماء کا قاعدۂ اساسی

حضرات! جمعیۃ العلماء کا قیام در اصل اسی آخری مذہب اصلاح و احیاء کا ظہور ہے۔ اور اس کی تاسیس حضرت امام مالک کے اس اعتقادی قاعدہ پر ہوئی ہے کہ لا یصلح اخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا۔ اس امت کے آخری دور کی اصلاح بھی اسی چیز سے ہو گی جس سے ابتدائی عہد کی ہوئی تھی۔ اور یہ قاعدہ ٹھیک ٹھیک حضرت صادق مصدوق کی اس خبر کے مطابق ہے جو مشہور حدیث غربۃ میں دی گئی بدء الاسلام غریبا وسیعود کما بدأ (رواہ مسلم) کہ اسلام کے لئے دو عہد غربت ہیں۔ ایک غربت اولی اور ایک ثانیہ۔ پس ضرور ہے کہ جو کچھ غربۃ اولیٰ میں ہوا، غربۃ ثانیہ میں بھی ہو۔ اور جس چیز نے غربۃ اولیٰ کو فتح و اقبال اول سے بدل دیا، وہی چیز اس غربۃ ثانیہ کو بھی اقبال ثانی سے بدل دے۔ اور وہ نہیں ہے مگر دعوت صادقہ و صالحہ کتاب و سنت اور احیاء علم و عمل شریعت عضوا علیھا بالنواجذ اور لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنۃ رسولہ۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار بگزارند و خم طرۂ یارے گیرند

چنانچہ اسی حدیث غربت میں بھی اس کی تصریح موجود ہے فطوبی للغرباء و ھم الذین یصلحون ما افسد الناس من سنتی (رواہ ترمذی) سبحان اللہ عرباء دور آخر کی خوش نصیبی اور مصلحین غربت ثانیہ کی بلند طالعی! کہ زبان حق ترجمان نبوت سے ان کے لئے مبارکی نکلی۔

گدایاں را ازیں معنی خبر نیست کہ سلطان جہاں باماست امروز

حضرات! یقیناً میں نے یہ عرض کرنے میں آپ تمام مجمع علم و بصیرت کے آراء و معتقدات کی ترجمانی کی ہے کہ جمعیۃ علماء کے اعمال دعوت کے لئے قاعدۂ اساسی یہی مسلک ہے۔ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر وہ موجودہ عہد غربت اسلام میں منصب نیابت و شہادت حق کے فرائض انجام دینے کے لئے مستعد کار ہوتی ہے اور بلا خوف رد

کی غفلتوں اور ضلالتوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور خدا کی زمین کو اس کے کلمۂ صدق و حق کی شہادت سے خالی نہیں ہونے دیتے۔

چنانچہ شاہدین حق کی یہ جماعت ابتدا ظہور ہدایت سے برابر رہی اور جب تکمیل شریعت کا وقت آگیا اور اتمام نعمت کی وجہ سے حضرت خاتم الادیان و مکمل الشرائع و متمم النعم کا ظہور ہوا تو اس شہادتِ الٰہی کا منصب بھی قیامت تک کے لئے انہی کے سپرد ہوا۔ اور علماء اسلام ان کے وارث اور نائب ٹھہرے۔ وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیداً۔ نیز فرمایا۔ انا ارسلناک شاہدا ومبشراً ونذیراً وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجاً منیراً۔ یعنی حق و ہدایت کی جو شہادت اس شاہدِ صادق نے امت مرحومہ کو پہنچائی ہے۔ امت مرحومہ تمام نوع انسانی اور کرۂ ارضی میں اس کے اعلان و قیام کی ذمہ دار ٹھہری تاکہ جو روشنی اس سراج منیر سے حاصل کی ہے اس سے تمام ارض الٰہی روشن کردے۔

علماء اسلام اور فرض شہادت

پھر اس کے بعد واضح کرنا تھا کہ علماء اسلام نے گزشتہ تیرہ صدیوں کے اندر کس طرح اس فرض شہادت کو انجام دیا ہے۔ اور دعوت و اعلانِ حق کی راہ میں کیسی کیسی قربانیاں اور سرفروشیاں کی ہیں؟ دنیا کی کسی قوم کی تاریخ حق پرستی کی ایسی مثال نہیں دکھا سکتی جن سے علماء اسلام کی تاریخ کا ہر باب و صفحہ روشن ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت و ہیبت اور انسانی تاج و تخت کی کوئی ہیبت و سطوت بھی علماء اسلام کے جذبۂ اعلانِ حق پر غالب نہ آسکی اور دنیاوی خوف و طمع کا کوئی مظہر بھی انھیں اس راہ سے باز نہ رکھ سکا۔ دنیا میں راہِ حق سے روکنے والی صرف دو چیزیں ہیں اور ساری آزمائشیں انہی میں مضمر ہیں۔ ایک خوف ہے۔ ایک طمع۔ لیکن ان کے دلوں میں خوف تھا تو صرف اللہ کے جبروت و جلال کا اور طمع تھی تو صرف اسی کی رضا و رحمت کی۔ یدعون ربھم خوفاً وطمعاً۔ پس نہ تو خوف کا حربہ ڈرا سکتا تھا۔ اور نہ طمع کی دلفریبی ان کے دل کو لبھا سکتی تھی۔

جو بیان، اظہار، اعلان، تعلیم، دعوت اور قیام و قوام دعوت سے تعلق رکھتے ہیں سب کے سب لفظ شہادت کے مفہوم میں داخل ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کنت علیہم شہیدا ما دمت فیہم معلما وداعیا الی الحق۔
سورہ نساء میں ہے فکیف اذا جئنا بک علیٰ ھؤلاء شہیدا۔ بالاتفاق اس آیت میں شہید سے مراد انبیاء کرام ہیں جو حق کے معلم و ہادی اور اس کی دعوت بلند کرنے والے ہیں اور دعوت حق کا اصلی سرچشمہ انہی کا وجود ہے۔
پس آیہ آل عمران میں شہادت سے مقصود شہادت حق و توحید ہے خواہ زبان قال سے ہو خواہ حال سے۔ اللہ کی شہادت سے مقصد عداؤں میں اس کی وحی ہے۔ اور مشاہدہ و احوال میں کائنات ہستی کا نظام و جمال ہے۔ یہ آخری شہادت دنیا کے گوشے گوشے، چپے چپے، ذرے ذرے سے ہر آن و ہر لحظہ بلند ہو رہی ہے، ہر سامعہ معرفت سنتا ہے اور ہر چشم عرفاں اس کا مشاہدہ کرتی ہے۔
سنریھم اٰیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتیٰ یتبین لھم انہ الحق۔
ملائکہ کی شہادت اس اعتبار سے بھی ہے کہ وہ وحی الٰہی کے سفیر و وسیط ہیں۔ اور اس اعتبار سے بھی ہے کہ کارگاہ ہستی کے تمام تغیرات و شئون کی اصلی علت انہی کے اعمال زیر رہ ہیں، اگرچہ ہمارا علم محدود محسوس نہ کر سکے۔ یہ ملائکہ سماویہ ارضیہ کی شہادت ہے جو تمام تغیرات کونیہ کے اندر سے فاطر السموات والارض کی قدرت و حکمت کا اعلان کر رہی ہے۔ ولکن لا یعقلہا الا العالمون۔
تیسری شہادت اولوا العلم یعنی علم والوں کی ہے، جو شہادت الٰہی کی ابدی و سرمدی ندا اور ملک السموات والارض کی عظمت تسکن صداؤں سے غافل انسان اپنے کان بند کر لیتا ہے تو پھر ایک تیسری شہادت کی ضرورت ہوتی ہے جو خود انسانوں ہی کے اندر سے اٹھے۔ وہ شہادت الٰہی کی حامل و مبلغ ہو۔ اور شہادت ملائکہ کے ادراک و معرفت کی راہیں کھولنے والی ہو، تیسری شہادت اصحاب علم و معرفت کی شہادت ہے۔ اصل اور اساسی طبقہ اس جماعت کا انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور پھر ضمناً ان کے متبعین صادقین یعنی علماء عرفاء حق ہیں۔ جو ہمیشہ نوع انسانی

آپ حضرت امامنا الاعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھتے کہ قید خانۂ بغداد میں اسیر ہیں لیکن اس پر بھی منصور عباسی جیسے قاہر و سفاح بادشاہ کے حکم کے سامنے ان کا سر نہیں جھکتا۔

آپ کو امام شافعی اس حالت میں نظر آتے ہیں کہ یمن سے بغداد تک قید و اسر کی حالت میں بھیجے جا رہے ہیں اور ان کا جرم صرف یہ ہے کہ حق کے داعی ہیں اور صدق و ہدایت پر قائم ہیں۔

آپ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ کو دیکھتے کہ تین تین مرتبہ مصر کے قید خانے میں اسیر کئے گئے اور بالآخر قید خانہ ہی میں وفات پائی۔ مگر اظہارِ حق سے منہ نہ موڑا۔ اور حکومت وقت کے آگے سرِ اطاعت خم نہ کیا۔

آپ خود اسی ہندوستان میں حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کو دیکھتے کہ قلعہ گوالیار میں قید ہیں۔ مگر جہانگیر کے آگے اس سر کو جھکانے کے لئے تیار نہیں جس کو اللہ نے صرف اپنے ہی آگے جھکنے کے لئے بنایا ہے۔

آج ہندوستان میں صرف قید و بند ہی کی منزل ہمارے سامنے آئی ہے اس لئے صرف انہی کا ذکر کر رہا ہوں جنہوں نے راہِ دعوتِ حق میں اس منزل کو مردانہ وار طے کیا۔ ورنہ علماء حق اور ادائے فرض نیابتِ نبوت کا سب سے بڑا مشہد و منظر تو میدانِ شہادت ہے۔ جہاں انہوں نے صرف اپنی زبان ہی سے نہیں بلکہ اپنے خونِ شہادت کی سرخی سے حق و صداقت کے نقوش ہمیشہ کے لئے صفحۂ عالم پر ثبت کر دیئے ہیں۔

سد باب شہادت اور تنزل علم علماء

پھر اس کے بعد مجھے بالتفصیل عرض کرنا تھا کہ وہ کیا اسباب و بواعث ہیں جن کی وجہ سے اس شہادت کے قیام و اجراء میں خلل پڑا؟ یعنی مسلمانوں کے تنزلِ علم و عمل کے مبادی و اساسات کیا کیا ہیں؟ کیونکہ جب تک امراض کی صحیح تشخیص نہ ہوگی علاج صحیح کی راہ نہیں کھل سکتی۔

تزول الجبال الراسیات و قلبھم علی العھد لایلوی ولایتغیر

حضرات! وقت تھا کہ اسی سلسلہ میں آپ کو علمائے اسلام کے ادائے فرض کے چند مناظر دکھاتا۔

آپ حضرات سید التابعین سعید بن المسیب کو دیکھتے کہ حکام کے جور کے حکم سے ان کی پیٹھ پر دُرّے لگائے جارہے ہیں مگر ان کی زبان صدق زبان اعلان حق میں پہلے سے بھی زیادہ سرگرم عمل ہو گئی ہے۔

آپ مدینہ کی گلیوں میں امام دار الہجرت حضرت مالک بن انس کو دیکھتے۔ ان کی مشکیں اس زور سے کس دی گئی ہیں کہ دونوں بازو اکھڑ گئے ہیں اور اوپر سے پیہم تازیانے کی ضربیں پڑ رہی ہیں۔ اس عالم میں بھی جب زبان کھلتی ہے تو اسی مسئلہ کا اعلان کرتے ہیں جس کو وہ حق پر سمجھتے تھے۔ لیکن وقت کی حکومت اس کے اعلان کو اپنے جبر و طاقت سے روکنا چاہتی تھی۔ یعنی مسئلہ طلاق مکرہ کو۔ جب گورنر مدینہ نے تشہیر و تذلیل کے لئے اونٹ کی برہنہ پیٹھ پر سوار کرا کے گشت کرایا تو ان کا یہ حال تھا کہ جب کبھی کوئی بازار یا مجمع سامنے آجاتا تو عین ضرب تازیانہ کی حالت میں کھڑے ہو جاتے اور پکار کر کہتے۔ من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا مالک بن انس اقول ان الطلاق المکرہ لیس بشیئ (حکاہ ابن خلکان)

آپ امام اہل سنت حضرت امام احمد بن حنبل کو دیکھتے کہ معتصم باللہ جیسا قاہر و باجبروت فرماں روا ان کے سامنے کھڑا ہے۔ نو جلاد یکے بعد دیگرے تازیانے لگا رہے ہیں پیٹھ زخموں سے چور چور ہو گئی ہے، تمام جسم خون سے رنگین ہو چکا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ جس مسئلہ کو وہ کتاب و سنت کے خلاف سمجھتے ہیں اس کا ایک مرتبہ اقرار کر لیں۔ لیکن اس پیکر حق اس مجسمۂ سنت اس صابر اعظم کما صبر اولوا العزم من الرسل کی زبان صدق ترجمان سے یہی صدا نکل رہی ہے۔ اعطونی شیئا من کتاب اللہ وسنۃ رسولہ حتی اقول۔

ماقصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

گئی تھی کہ لم یزل امر بنی اسرائیل معتدلاً حتیٰ نشاء فیہم المولدون۔
اور از انجملہ فتنۂ تولید دھن اور ترک جہاد فی سبیل اللہ ہے اور دھن کے معنی بتلا دیئے تھے کہ حب الدنیا وکراھۃ الموت (رواہ ابوداؤد)۔

فروع مفاسد

پھر ان مفاسد اصلیہ کے فروع اور برگ وبار ہیں، ضرور تھا کہ ان کی بھی تشریح کی جاتی۔
مثلاً نظام وقوام خلافت کی برہمی، تفرقۂ قومی ومناصب، حکومت شوریٰ کی جگہ حکومت شخصیہ ومستبدہ کا قیام۔
وحدت کلمۂ اسلام کی جگہ تفرقۂ مذاہب واحزاب کہ فی الحقیقت رأس الفتن اور علۃ العلل انقراض ملت بھی ہے۔
اسی طرح ترک اہتداء بہ کتاب وسنت اور علوم اصلیہ کتاب وسنت کی جگہ علوم محدثہ ودخیلہ کا استغراق اور شیوع، فتنۂ یونانیہ وعجمیہ کا ظہور کہ فتنۂ شبہات اور فتنۂ مولدین میں انہی دو سبب سے بڑے فتنوں کی خبر دی گئی تھی۔
اور از انجملہ علماء میں اصحاب مناصب ورياست کی کثرت کہ بقول امام غزالی سب سے بڑا سبب علماء دنیا کی کثرت اور علماء آخرت کی قلت کا یہی ہوا۔ قالہ فی الاحیاء۔
اور از انجملہ خلافت عربیہ کا انقراض، عجمی حکومتوں کا قیام اور مرکزیہ ووحدت خلافت کا فقدان۔ بالآخر تمام اسلامی حکومتوں کا زوال، علماء کا محکومیت وغلامی پر اقتناع، فریضۂ جہاد ودفاع فی سبیل اللہ سے اعراض۔ ادائے فرائض ووظائف شرعیہ میں طرح طرح کے حیل واحتیال اور اسی طرح کے بے شمار فروعی مفاسد تھے جن کا افسانہ درد آپ کے آگے دہرانا تھا۔
اور از انجملہ اقوام سفلہ ومسفلہ کی موالات کا شیوع واستیلاء جس سے کتاب وسنت میں بار بار روکا گیا تھا۔ اور صحابۂ کرام اس فتنہ سے تعوذ کیا کرتے تھے۔

اصول مفاسد

اس سلسلہ میں مفاسد و مہالک کے اصول تھے اور فروع تھے۔ مبانی و مبادیات تھے اور ان کا شیوع و انشعاب تھا۔ مجھے ایک ایک کرکے سب کو شمار کرنا تھا۔

اصل اس بارے میں وہ مفاسد و فتن ہیں جو ہمیشہ اقوام و شرائع کی ضلالت و فساد کا باعث رہ چکے ہیں۔ اور اس لئے قرآن و سنت نے اول ہی دن ان سب کی توضیح و تشریح کردی تھی۔

ازاں جملہ وہ مفاسد ہیں جن کا حال امم سابقہ علی الخصوص اہل کتاب کے اسباب ضلالت کی حکایت کرتے ہوئے قرآن حکیم نے جا بجا بیان کیا ہے اور مقصود ان سے امت مرحومہ کا تنبیہ و اعتبار ہے۔ چنانچہ حدیث ابوسعید عند بخاری و مسلم میں فرمایا لتتبعن سنن من کان قبلکم حذو القذۃ "و فی لفظ حذو النعل بالنعل۔

اور ازا بجملہ فتنۂ شبہات و شہوات ہے جس کی خبر حدیث عائشہ عند صحیحین و غیرہما میں دی گئی "شبہات" میں تمام ذہنی و اعتقادی مفاسد آگئے۔ اور "شہوات" میں تمام عملی مفاسد۔

اور ازا بجملہ فتنہ، تفرقہ و اختلاف ہے جس کے اخبار سے دواوین سنت مملو ہیں۔

اور ازا بجملہ فتنۂ تاویل الجاہلین و تحریف الغالین و انتحال المبطلین ہے جس کی خبر حدیث ابراہیم بن العذری عند بیہقی میں دی گئی تھی اور جس کے تین جملوں میں سارے فتنے گن دیئے۔

اور ازا بجملہ فتنۂ جدل، و فتنۂ تعمق و تنطع اور فتنۂ اہوا رہے جن کے اخبار کو حضرت امام بخاری نے باب اعتصام بالسنہ میں ایک عجیب و دقیق ترتیب حکیمانہ و استنباط فقیہانہ کے ساتھ جمع کیا ہے۔

اور ازا بجملہ فتنۂ مولدین و دخلاء ہے۔ جس کی خبر حدیث ابن ماجہ میں ہے

جس کو اپنے بقاو ترقی کے لئے کسی نئی بات کی احتیاج نہیں مگر طرح طرح کی خرابیاں عارض ہوگئی ہیں۔ اور بہت سی نئی باتیں بڑھا دی گئی ہیں پس ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ خرابیاں دور کر دی جائیں، کھوئی ہوئی چیزیں واپس لی جائیں اور اس کو ویسا ہی بنا دیا جائے جیسا کہ اصل میں وہ تھا

تاسیس کے معنی تو یہ ہوئے کہ آپ نے ایک نئی عمارت تعمیر کی، تجدید یہ ہوئی کہ مکان پہلے سے موجود ہے، صرف شکست و ریخت کی درستگی مطلوب تھی۔ پس اپنے نقائص دور کر کے درست کر دیا۔ ہم کو غور کر لینا چاہیئے کہ بنائے ملت کی درستگی کے لئے تعمیرات اساسیہ مطلوب ہیں یا صرف اصلاحات تجدیدیہ؟

اگر تاسیس مطلوب ہے تو بلاشبہ ہمارا پہلا کام یہ ہوگا کہ نئے نئے ڈھنگ اختیار کریں لیکن اگر تجدید کی ضرورت ہے تو ہمیں نئی نئی چیزوں کی ضرورت نہ ہوگی۔ صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ پہلے سے جو چیزیں موجود ہیں ان کا کیا حال ہے؟ اور ان میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں وہ کیونکر دور کی جائیں۔

حضرات! دین کامل ہو چکا اور اتمام نعمت کا اعلان کر دیا گیا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی اور مجھے یقین ہے کہ ہم میں ایک فرد واحد بھی ایسا نہ ہوگا جو یہ کہے کہ اصلاح ملت اسلامیہ کے لئے قرآن و شریعت کی تعلیمات و نظامات کافی نہیں ہیں اور ہمیں غیروں کی تقلید اور دریوزہ گری کی ضرورت ہے۔ پس یہ اصل تو متفق و مسلم ہے کہ راہ اصلاح میں ضرورت صرف تجدید کی ہے تاسیس کی نہیں ہے۔ خود شارع علیہ السلام نے بھی ہمیں تجدید ہی کی خبر دی نہ کہ تاسیس کی ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ رواہ ابو داؤد عن ابی ھریرۃ لیکن میں عرض کروں گا اگر یہ صحیح ہے تو عملاً نتیجہ اس اعتقاد کا یہ ہونا چاہیئے کہ ہمارا اقدام طلب اصلاح میں تاسیس کی طرف نہ جائے۔ اور وقت کے نظر فریب اسلوب کار علی الخصوص یورپ کے مجلسی و اجتماعی طریقے ہمیں نظم شرعی سے روگرداں نہ کر دیں۔ افسوس ہے اس وقت تک تمام داعیان اصلاح کا طرز عمل اس کے مخالف رہا ہے اور یقین کیجئے کہ یہی علت ہے کہ اس وقت تک ہماری کوئی سعی اصلاح و ترقی فوز و فلاح نہ پا سکی۔

اسلام اگر ایک دین کامل ہے تو ضرور ہے کہ اس نے اپنے پیروؤں کی تمام انفرادی و اجتماعی

طرقِ اصلاح

ان تمام تفصیلات کے بعد ان طرقِ اصلاح پر نظر ڈالنی تھی۔ جو گزشتہ صدی میں عالمِ اسلامی کے تمام داعیانِ اصلاح نے اختیار کی ہیں اور پھر خاص ہندوستان کی سابق اور موجودہ حالت اور اس کی مقتضیات و داعیات پر بحث کرنی تھی۔ اس طرح واضح ہوتا کہ ہمارے لئے آئندہ مسلک عمل کیا ہونا چاہیئے۔ اور اس کے ارکان و طرق حسب ہدایت کتاب و سنت کیا کیا ہیں؛ لیکن مسائلِ حاضرہ کے استغراق اور وقت کی قلت کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام مباحث کو اس خطبہ کے مطبوعہ نسخہ کے لئے اٹھا رکھوں اور یہاں صرف یہ عرض کر دوں کہ آئندہ کے لئے سب سے زیادہ مقدم اور بنیادی معاملہ کیا ہے۔

طرقِ تاسیس و تجدید

حضرات! اس موقع پر میں آپ کی توجہ اس خطبہ کے ابتدائی حصہ کی طرف مبذول کراؤں گا۔ میں نے ابھی ابھی عرض کیا ہے کہ اس راہ میں شرطِ کامیابی یہ ہے کہ ہمارا عمل خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ اور نیز طریق صواب پر ہو۔ اور طریقِ صواب نہیں ہے مگر طریق سنت و منہاج نبوت۔

اس کے لئے میں دو لفظ بولوں گا۔ ایک لفظ "تاسیس" اور ایک "تجدید" ان کے معانی آپ پر روشن ہیں۔ تاسیس اساس سے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ از سرِ نو کسی چیز کو بنانا۔ تجدید جدت سے ہے۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی پیشتر کی بنی ہوئی چیز کو تازہ کر دینا۔ اور اس طرح سنوار دینا گویا وہ بالکل نئی ہو گئی۔ آج ہمارے قومی کاموں کی ہر شاخ میں ایک بنیادی غلطی یہی ہے کہ ہم نے اصولی طور پر طریق اصلاح کا فیصلہ نہیں کیا۔ مسلمانوں کی اصلاحِ حال کے لئے ضرورت طریق تاسیس کی ہے یا تجدید کی؛ یعنی اس کی ضرورت ہے کہ از سرِ نو نئی باتیں، نئے طریقے۔ نئے ڈھنگ، نئے نظام اور نئی نئی چالیں اختیار کی جائیں؛ یا صورت حال یہ ہے کہ پہلے سے ایک مکمل کارخانۂ ملت موجود ہے۔

نئی نئی تدبیریں کرنے لگتے ہیں مگر کبھی یہ حقیقت ہمارے دلوں کو بے قرار نہیں کرتی کہ عین اسی مقصد سے شریعت نے خطبۂ جمعہ کا حکم دیا۔ کیونکہ اس سے برکتوں کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلیا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی قومی و اجتماعی کام انجام نہیں پاسکتا جب تک اس میں نظم و انضباط نہ ہو۔ اور یہ ہو نہیں سکتا کہ جب تک اس کا کوئی رئیس و قائد مقرر نہ کیا جائے۔ پس ہم طیار ہوجاتے ہیں کہ جلسوں کے لئے صدر تلاش کریں۔ لیکن اگر یہی حقیقت شریعت کی ایک اصطلاح امامت کے لفظ میں ہمارے سامنے آتی ہے تو ہمیں تعجب و حیرانی ہوتی ہے اور اس کے لئے ہم طیار نہیں ہوتے۔

حضرات! میں مثالوں میں آپ کا زیادہ وقت نہ لوں گا۔ مقصود یہ ہے کہ ہمارے لئے راہِ عمل، تجدید و احیاء ہے نہ کہ تاسیس و اختراع۔ پس کسی طرح بھی یہ طریق صواب نہ ہوگا کہ علماء امت کی جمعیت بھی اپنے نظام و قوام کے لئے محض آجکل کی مجلسوں کے قاعدوں اور طریقوں کو نقل و محاکات پر اکتفا کرلے۔ حاملین شریعت کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ وہ اپنے عمل کے لئے ان مجلسوں کے ڈھنگوں اور طریقوں کے محتاج نہ ہوں۔ ان کی راہِ اتباع شریعت اور اہتداء بہ مشکوٰۃ نبوت کی ہے۔ اور اسوۂ حسنۂ نبوت اور حکمت رسالت نے انہیں تمام انسانی طریقوں سے مستغنی و بے نیاز کردیا ہے۔ ہمارا طریق عمل یہ ہونا چاہیئے کہ ہم ہر طرف سے آنکھیں بند کرکے حکمت اجتماعیہ نبویہ کو اپنا دستور العمل بنالیں۔ شریعت کے کھوئے ہوئے نظام کو از سرِ نو قائم و استوار کردیں۔ اور اس طرح اسلام کی مٹی ہوئی سنتیں زندہ ہوجائیں۔ محض مجلس آرائی و ہنگامہ سازی ہمارے لئے کچھ سودمند نہیں ہوسکتی۔

مسئلہ نظم جماعت

حضرات! اب آپ مجھے اجازت دیں کہ میں مختصراً اس مسئلہ کی نسبت بھی کچھ عرض کردوں جس کو میں علیٰ وجہ البصیرت آج تمام اعمالِ اصلاحیہ کے لئے بمنزلہ اصل و اساس کے یقین کرتا ہوں اور کامل بارہ سال کے متصل غور و فکر کے بعد اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ بغیر

اور مدنی ضروریات کے لئے کامل و اتم تعلیم دے دی ہو اور اگر وہ دین آخری ہے تو ضروری ہے کہ اس کی تعلیم اور شارع کی عملی سنت ہر عہد، ہر زمانے، ہر حالت اور ہر مشکل و ضیق کے لئے رہنما و کفیل ہو، ہمارا ایمان ہے کہ حقیقت ایسی ہی ہے اور اسلام نے ہمارے تمام اجتماعی و قومی برکات کا سامان کر دیا ہے۔ لیکن پھر یہ کیا مصیبت ہے کہ ہم ان کھوئی ہوئی برکتوں کو واپس لینا نہیں چاہتے۔ مگر نئی نئی راہوں کی جستجو میں حیران و سرگرداں ہیں۔ مثلاً چند امور عرض کروں گا۔

قوم افراد سے مرکب ہے اور افراد کی قومی ہستی کے قیام و ظہور کے لئے ضروری ہے کہ ایک جماعتی سلک میں تمام افراد منسلک ہو جائیں۔ اور تفرقہ و تشتت کی جگہ وحدت و اتحاد پر افراد قوم کی شیرازہ بندی کی جائے، ہم اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور یورپ کے اجتماعی طریقوں کی نقالی کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ آخر اسلام نے بھی حیات اجتماعی کے لئے کوئی نظم نہیں دیا تھا یا نہیں؟ اگر دیا تھا اور ہم نے ضائع کر دیا ہے تو یورپ کی دریوزہ گری سے پہلے خود اپنی کھوئی ہوئی چیز کیوں نہ واپس لے لیں؟ اور سب سے پہلے اسلام کا قرار دادہ جماعتی نظام کیوں نہ قائم کریں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک مجالس نہ ہوں۔ اجتماعیات نہ ہوں۔ انجمنیں نہ ہوں، کانفرنسیں نہ ہوں کوئی قومی عمل انجام نہیں پا سکتا۔ نہ اتحاد و تعاون کی برکت حاصل ہو سکتی ہے۔ پس ہم آجکل کے مجلسی طریقوں کے مطابق انجمنیں بناتے ہیں۔ کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں۔ مگر ہم میں سے کسی کو بھی اس کا خیال نہیں آتا کہ اسی مقصدِ اجتماع و تعاون کے لئے اسلام نے پانچ وقت کی نماز باجماعت، جمعہ و عیدین۔ اجتماع حج کا حکم دیا ہے۔ اور اس کا نظام و قوام درہم برہم ہو گیا ہے۔ سب سے پہلے اسے کیوں نہ درست کر لیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک کوئی قومی فنڈ نہ ہو اس وقت تک قومی اعمال انجام نہیں پا سکتے۔ پس ہم نئے نئے فنڈ قائم کرتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے مگر کاش کوئی یہ بھی سوچے کہ خود شریعت نے اسی ضرورت کو رفع کرنے کے لئے زکوٰۃ و صدقات کا حکم دیا ہے۔ اس کا نظم ٹھیک قائم ہے یا نہیں؟ اگر وہ قائم ہو جائے تو پھر بھی کبھی کسی چندہ یا فنڈ کی ضرورت نہ ہوگی

ہم دیکھتے ہیں کہ قوم کی تعلیم عام کے لئے مجامع و محافل کی ضرورت ہے۔ ہم اس کے لئے

اس بارے میں بیشمار اور حد احصاء و استقصاء سے باہر ہیں۔ رسالہ خلافت میں اس پر بحث کر چکا ہوں اور زیادہ شرح و تفصیل تفسیر القرآن میں ملے گی۔

میں اس بارے میں کچھ عرض نہیں کروں گا۔ کیونکہ گزشتہ آخری صدیوں میں مسلمانوں کا شیرازۂ اجتماع پراگندہ ہوا اور تقریباً پانچویں صدی ہجری کے بعد سے اس پراگندگی کے اسباب یکے بعد دیگرے ظہور میں آتے رہے مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ان ہمہ تفریق و پراگندگی ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم تھی اور جب تک وہ قائم رہی نظام جماعت بھی قائم رہا۔ لیکن اسلامی حکومت کے انقراض کے بعد مسلمانانِ ہند کا نظمِ جماعت بالکل درہم برہم ہو گیا۔ اور سرتاسر جاہلیت کی سی بے نظمی و بے قیدی ہم پر چھا گئی۔ بلاشبہ مرکزی خلافت آل عثمان کی موجود تھی اور مسلمانانِ ہند کے لئے بھی تمام مسلمانانِ عالم کی طرح وہی خلیفہ و مطاع تھے لیکن مسلمانانِ ہند کا فرض تھا کہ بانوا اپنے علاقہ فعلاً و عملاً پائگاہِ خلافت سے قائم کرتے اور اس کے ایک موجود و عامل نائب کی نیابت حاصل کر کے اپنا فرضِ اسلامی انجام دیتے اور اگر ایسا ہونا دشوار تھا اور واقعی بات یہی ہے کہ دشوار تھا۔ اعادۂ حال اور تہیۂ کار اور ادائے فرض اسلامیہ میں کوشاں ہوتے۔ لیکن بدبختانہ ایسا نہیں ہوا۔ جہاں غیر مسلم غلبہ و استیلاء پر محکومانہ قناعت کر لی گئی۔ وہاں اس اولین فریضہ ملت کی طرف سے بھی ہمتوں کے قصور اور عزائم کے فقدان نے کوتاہی کی۔ بہرحال ایک زمانہ دراز اس پر گزر گیا۔ اور اب حالت یہ ہے کہ دس کروڑ مسلمان جو تمام کرۂ ارض میں سب سے بڑی یک جا اسلامی جماعت ہے۔ ہندوستان میں اس طرح زندگی بسر کر رہی ہے کہ نہ تو ان میں کوئی رشتۂ انسلاک ہے، نہ وحدت ملت کا کوئی رابطہ نہ کوئی قائد و امیر ہے اور نہ کوئی امر و ناقذِ شرع، محض ایک بھیڑ ہے، ایک انبوہ ہے۔ ایک ملبہ ہے جو ہندوستان کی آبادیوں میں بکھرا ہوا ہے۔ اور یقیناً ایک حیات غیر شرعی و جاہلی ہے جس میں یہ پوری اقلیم مبتلا ہو گئی ہے۔

اس حالت کے مفاسد و شرور میں سے ایک بہت بڑا مفسدہ یہ بھی ہے کہ برسوں سے ہندوستان میں شریعت کا باب قضاء گویا بالکل معدوم ہو گیا ہے۔ کیونکہ قضاء کا وجود

اس کے کبھی عقدہ کا حل نہیں ہوسکتا۔ میرا اشارہ مسئلہ نظامِ جماعت اور قیامِ امارت شرعیہ کی جانب ہے۔

مسئلہ نظامِ جماعت سے مقصود یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اصلاحِ حال اور ادائے فرض شرعیہ کی استطاعت کبھی ظہور پذیر نہیں ہوسکتی جب تک وہ اپنی موجودہ حیاتِ انفرادی کو ترک کرکے حیاتِ اجتماعی و شرعی اختیار نہ کریں یعنی احکام نظام شرع کے مطابق سب ایک امیر و قائد شرع کی اطاعت پر مجتمع نہ ہو جائیں۔ اور بکھرے ہوئے متفرق قومی مرکزوں کی جگہ ایک ہی مرکزِ قومی پیدا نہ ہو جائے۔ یہی اصل اساس کار ہے اور تمام مقاصد اصلاح اور مصالح انقلاب کا انتفاء ظہور اسی کے قیام و وجود پر موقوف ہے۔

حضرات! اسلام کے نظامِ اجتماعی کی نسبت کسی شرح و تفصیل کی ضرورت نہیں علی الخصوص ایک ایسے مجمع میں جیسا کہ فضل و توفیق الٰہی سے اس وقت میرے گرد و پیش موجود ہے، اسلام نے مسلمانوں کے تمام اعمالِ حیات کے لئے بنیادی حقیقت یہ قرار دی ہے کہ کسی حال میں بھی فرادیٰ، متفرق، الگ الگ اور متشتت نہ ہوں، ہمیشہ مجتمع، مؤتلف، متحد اور نفسِ واحدہ ہوکر رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت میں جا بجا اجتماع و وحدت پر زور دیا گیا اور کفر و شرک کے بعد کسی بدعملی سے بھی اس قدر اصرار و تاکید کے ساتھ نہیں روکا جیسا کہ تفرقہ و تشتت سے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کے تمام احکام و اعمال میں یہ حقیقتِ اجتماعیہ بمنزلہ محور و مرکز کے قرار پائی۔ اور تمام دائرۂ عمل اسی کے گرد قائم کیا گیا۔ عقیدۂ توحید سے لے کر تمام عبادات و اعمال تک یہی حقیقت مرکزِ جلوہ طرازی کر رہی ہے اور اسی بنا پر بار بار نظمِ جماعت پر زور دیا گیا۔ علیکم بالجماعۃ والسمع والطاعۃ۔ رواہ الترمذی اور علیکم بالجماعۃ فان الشیطان مع الفذ وھو من الاثنین ابعد۔ رواہ البیہقی اور اذا کان ثلاثۃ فی سفر فلیؤم واحدکم۔ رواہ اصحاب السنن اور اسی لئے نظم و قوامِ ملت کے لئے منصبِ خلافت کو اطاعت قرار دیا گیا کہ تمام متفرق کڑیاں ایک زنجیر میں منسلک ہو جائیں۔ شرح اس مقام کی بہت طولانی ہے اور معارفِ کتاب و سنت

آزادی ہندوستان کی راہ میں اپنا اولین فرض اسلام انجام دیں۔ خدارا بتلایئے اس صورت حال میں بھی طریق کار کیا ہونا چاہیئے۔ اور ایسے وقتوں کے لیئے آخر اسلام نے بھی کوئی نظام کار بتلایا ہے یا نہیں؟ یا وہ باوجود دعوۂ تکمیل شرع اس قدر ناکارہ ہوگیا ہے کہ آج اس کے پاس وقت کی مشکل و مصیبت کا کوئی حل نہیں؟ اگر بتلایا ہے تو وہ کیا ہے؟ یا محض انجمن سازی اور ہنگامۂ مجالس آرائی؟ کیا محض اتباع آراء رجال اور تقلید ارباب فن و تخمین؟ میں اعلان کرتا ہوں کہ اس بارے میں راہِ شرعی صرف وہی ایک ہے اور جب تک وہ ظہور میں نہ آئے گی ہماری کوئی سعی مشکور نہیں ہو سکتی۔

جو فتنہ آج یورپ سے اٹھا ہے چھٹی ہجری میں بھی اس کے سیلاب بلا و تاتار وچین سے اٹھے تھے اور تاتاریوں کے استیلا سے تمام عالم اسلامی تہ و بالا ہوگیا تھا۔ اس وقت بھی تمام بلاد شرقیہ اسلامیہ کا یہی حال تھا جو آج نظر آرہا ہے۔ لیکن اس عہد کے علماء نے پہلا کام یہ کیا کہ جن بلاد پر تاتاریوں کا قبضہ و استیلا ہوگیا تھا وہاں تنظیم جماعت اور قیام شرع کے لیئے دلاۃ مسلمین کے نصب و تقرر کا حکم دیا۔ اسی بنا پر فقہاء متاخرین کے یہاں اس کی تصریح پاتے ہیں کہ بلاد محکومہ کفار میں طلب والی مسلم امارت واجب ہے۔ شیخ اسلام احمد ابن تیمیہ نے انہی بلاد محکومۂ تاتار کے لیئے فتویٰ دیا تھا کہ وہاں کے مسلمانوں کو ابداً اس امیر پر قانع نہیں ہونا چاہیئے۔ اور ایک لمحہ بھی بغیر کسی امام کے بسر نہیں کرنا چاہیئے۔ یا تو وہاں سے ہجرت کر جائیں اور یا ایک امیر نصب کر کے اپنے فرائض شرعیہ انجام دیں۔

فی الحقیقت احکام شرع کی رو سے مسلمانانِ ہند کے لیئے صرف دو ہی راہیں تھیں اور اب بھی دو ہی راہیں ہیں۔ یا تو ہجرت کر جائیں یا نظام جماعت قائم کر کے ادائے فرض ملت میں کوشاں ہوں۔

حضرات! بعض اصحاب نے اس واضح و بیّن مسئلہ کی نسبت بھی شکوک و شبہات ظاہر کیئے ہیں لیکن وہ سب کے سب اہل نظر و بصیرت کے نزدیک مالا یعنیہ میں داخل ہیں اور اس لیئے ان کے رد و نقد میں آپ کا وقت ضائع نہ کروں گا۔ بعض حضرات مسئلہ کی صحت و شرعیت تو تسلیم کرتے ہیں مگر اس لیئے آمادۂ عمل نہیں کہ اس کے نفاذ میں مشکلات اور

بلا قاضی کے ہو نہیں ہو سکتا اور قاضی کا وجود امارت و امامت کے قیام پر موقوف ہے
حضرات! ایک منصب قضاء ہے اور ایک منصب امارت ہے، دونوں میں عام و خاص کی نسبت ہے، قضاء امارت کے مقاصد میں داخل اور اس کے ماتحت ہے مگر مقاصد امارت قضاء سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ پس یہ مقاصد امارت کے فقدان کا ذکر کر رہا ہوں۔ صرف قضاء کا ذکر نہیں کرتا جس کے لئے محض نام نہاد قاضیوں کا تقرر یا فرضی عدالتوں کا اجراء کافی ہو۔

حضرات! اب سوال یہ ہے کہ کیا موجودہ حالت میں ہم کوئی قدم مقاصد اعمال ملیہ کا اٹھا سکتے ہیں۔ کیا احیاء و تجدید ملت اور قیام شرع و ادا فرائض اسلامیہ کی کوئی صحیح راہ پیدا ہو سکتی ہے؟ کیا محض ایک بھیڑ اور انبوہ لے کر ہم وہ فرائض انجام دے سکتے ہیں جن کے لئے اولین شرط عقلاً و شرعاً وجود جماعت منظمہ اور امارت صحیحہ شرعیہ ہے۔ چھوڑیئے مصطلحات شرعیہ کو۔ اگر ان سے ہمیں اس قدر بعد ہو گیا ہے کہ ساری باتیں کے لئے طیار ہیں مگر بحکم اشمأزت قلوب الذین لا یؤمنون بالاخرۃ طریق شرعی اور اس کے نظام و قوام کے الفاظ سن کر یکایک متوحش و مضطرب الحال ہو جاتے ہیں۔ صرف انہی قواعد و اصول کو سامنے لایئے جن پر آج تمام اقوام عالم عامل ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا بغیر ایک قائد اور لیڈر کے کوئی جماعت اپنی ہستی قائم رکھ سکتی ہے؟ پھر وہی حقیقت تو شریعت نے بھی لفظ امیر یا امام میں مضمر رکھی ہے۔ یہ کیا مصیبت ہے کہ اگر لیڈر کا لفظ کہا جاتا ہے تو آپ اس کا استقبال کریں اور امیر و امام کا لفظ آجائے تو نفرت و استکراہ سے بھر جائیں! کیا یہ وہی غلطی نہیں ہے جس کو راہ تاسیس اور راہ تجدید کی اصطلاح میں ابھی ابھی عرض کر چکا ہوں۔

اس کو بھی چھوڑیئے۔ آج وقت کی سب سے بڑی مہم اور ادا فرض اسلامی کی سب سے بڑی نازک اور فیصلہ کن گھڑی ہے جو آزادی ہند اور مسئلہ خلافت کی شکل میں ہمارے سامنے آگئی ہے۔ ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان ہیں جو اس وقت تک سرشار غفلت تھے اور اب آمادہ ہوئے ہیں کہ اطاعت و اعانت خلیفہ عہد، حفظ و حیاطت بلاد اسلامیہ اور

ملة السمحة الخليفية ليلها كنهارها۔ ا بستہ ساری دشواری خود ہمارے نفس و غفلت ہی کی پیدا کی ہوئی ہے اور بلاشبہ جب تک اس سے ہمارا چھٹکارا نہ ہوگا کوئی عمل حق ہم پر آسان نہیں ہو سکتا

فیادارھا بالخیف ان مزارھا قریب ولکن دون ذالک اھوال

حضرات! بعض حضرات کا بیان ہے کہ اس سے ممکن ہے کوئی نیا فساد اٹھ کھڑا ہو، میں عرض کروں گا کہ یہ طریقہ احکامِ شریعت سے ماخوذ ہے تو ہمارے لئے یقین و برہان آگیا۔ اب کیا آپ یقین کو شک کی خاطر چھوڑ دیں گے؟ آپ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کوئی فساد پیدا ہو جائے میں کہتا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ فوز و فلاح حاصل ہوگی۔ پھر کیا شک لے کر آپ یقین کے مقابلے کے لئے اٹھے ہیں؟ وان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔

حضرات! سچ یہ ہے کہ یہ تمام مظاہر اس حقیقت کے ہیں کہ مدتوں کی غفلت اور ترک و بعد کتاب و سنت کی وجہ سے ہمتیں مفقود ہو گئی ہیں، عزائم معدوم ہو گئے ہیں اور عزائم امور کی راہ سے ہم سب یکقلم نا آشنا ہو گئے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سنت الٰہی وقت کی مہم کو سر کرنے کے لئے اپنی عادات جاریہ کے مطابق سرگرم انبعاث و ظہور ہو اور توفیق الٰہی قیام حق اور مقام عزیمت دعوت کے لئے کسی مرد غیب کے قلب کا انشراح فرمادے۔ یہ راہ اصحاب عزم کی ہے اور فاتحین عہد کی۔ ضعفاء طریق اور درماندگانِ راہ کا یہاں گزارہ نہیں ہو سکتا آج ایک ایسے عازم امر کی ضرورت ہے جو وقت اور وقت کے سر و سامان کو نہ دیکھے بلکہ وقت اپنے سارے سامانوں کے ساتھ اس کی راہ تک رہا ہو۔ مشکلیں اس کی راہ میں غبارِ خاکستر بن کر اڑ جائیں اور دشواریاں اس کے جولانِ قدم کے نیچے خس و خاشاک بن کر پس جائیں وہ وقت کا مخلوق نہ ہو کہ وقت کے حکموں کی چاکری کرے۔ وہ وقت کا خالق و مالک ہو اور زمانہ اس کی جنبشِ لب پر حرکت کرے۔ اگر انسان اس کی طرف سے گردن موڑ لیں تو وہ خدا کے فرشتوں کو بلا لے۔ اگر دنیا اس کا ساتھ نہ دے تو وہ آسمان کو اپنی رفاقت کے لئے نیچے اتار لے اس کا علم مشکوٰۃِ نبوت سے ماخوذ ہو۔ اس کا قدم منہاج نبوت پر استوار ہو۔ اس کے قلب پر اللہ تعالیٰ حکمت و سالت کے تمام اسرار و غوامض اور معالجۂ اقوام اور طبابتِ عہد و ایام کے تمام سرائر و خفایا، اس طرح کھول دے کہ وہ صرف ایک صحیفۂ کتاب و سنت اپنے ہاتھوں

دشواریاں پیش آئیں گی میں عرض کروں گا کہ بلاشبہ دنیا کے ہر عمل عظیم کی طرح اس عمل کی راہ میں بھی مشکلات پیش آسکتی ہیں لیکن یہ آپ سے کس نے کہا ہے کہ آپ کی راہ عمل آسانیوں کا باغ اور راحتوں کا عیش کدہ ہے۔ آپ نے تو مشکلوں ہی کی طرف قدم اٹھایا ہے اور دشواریوں ہی کی طلب کی ہے۔ آپ قوموں کی قسمت پلٹنے کے لئے اٹھے ہیں اور تمام کرۂ ارضی کی ظلم و ضلالت سے آپ کو مقابلہ درپیش ہے۔ اگر آپ مشکلوں سے گھبراتے ہیں تو صرف اس مسئلہ پر کیا موقوف ہے۔ عمل و عزم ہی سے کنارہ کش ہو جایئے۔

ناز پرورد تنعم نہ برد راہ بہ دوست　　عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

آپ نے خلافت اسلامیہ و جزیرۃ العرب کی حفاظت و دفاع کا اعلان کیا ہے۔ آپ ہندوستان کی آزادی کے لئے بے قرار ہیں۔ یہ کونسی آسانیوں کی راہ ہے؟ کونسی پھولوں کی سیج یہاں آپ کے لئے تیار کی گئی ہے؟ آپ کرۂ ارضی کی سب سے بڑی قاہر و جابر طاقت کے دہن آز سے اس کا نگلا ہوا لقمہ واپس لینا چاہتے ہیں۔ یقیناً تنظیم جماعت کی راہ اس سے زیادہ دشوار نہیں ہے۔

حضرات! یاد رکھئے کہ آج آپ نے جس راہ میں قدم اٹھایا ہے وہ سرتاسر مشکلوں اور آزمائشوں ہی کی راہ ہے، وہ پھولوں کی روش نہیں ہے، کانٹوں کا دشت بے کنار ہے۔ اگر آپ کے تلوے لذت زخم سے آشنا نہیں ہیں تو مشکلات راہ کی شکایت نہ کیجئے بہتر یہ ہے کہ دیبا و مخمل کے فرش پر لوٹئے اور اس راہ کی زخم دکاوش انہی لوگوں کے لئے چھوڑ دیجئے جو اس ذوق کے لذت شناس ہیں۔

کسے کو تشنۂ وصل ست باکوثر نمی سازد　　بہ آب خضر اگر عاشق رود لب تر نمی سازد
رہ الفت خطرناک ست پنہانش نظر در کن　　دراں وادی کہ عشق اوست تن باسر نمی سازد

اور حضرات! حق تو یہ ہے کہ جس راہ کو آپ مشکل کہہ رہے ہیں ساری آسانیاں اسی میں پنہاں ہیں اور جس کو آپ نے سہل سمجھ رکھا ہے، مشکلوں اور دشواریوں کا وہی سرچشمہ ہے۔ مشکلیں انسان کے بنائے ہوئے طریقوں میں ہو سکتی ہیں مگر اللہ کی کھولی ہوئی فطری راہوں میں نہیں ہو سکتیں۔ نہ وہاں دشواری ہے نہ اعوجاج اور نہ کسی قسم کا ضیق و حرج۔

مجمع علماء نے بالاتفاق اپنا امیر شریعت منتخب کر لیا۔

اس کے بعد ارادہ تھا کہ فوراً دوسرے صوبوں میں بھی کام شروع کر دیا جائے لیکن یکایک بعض حضرات نے اس مسئلہ کی نسبت اخبارات میں قیل و قال شروع کر دی اور بلا ضرورت علماء ملت کا ایک عملی کام انتظار عوام میں بصورت اختلاف و جدل نمایاں کر دیا گیا۔ یہ چیز مجھ کو اس کام سے ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں روک سکتی تھی مگر جب میں نے دیکھا کہ اب یہ مسئلہ منظر عام پر آ چکا ہے اور جمعیۃ العلماء اس کا آخری اور قطعی فیصلہ کر سکتی ہے تو یہی مناسب معلوم ہوا کہ اسے جمعیۃ کے حوالے کر کے بالفعل سبکدوش ہو جاؤں۔ چنانچہ ارکان جمعیۃ کی ایک خاص مجلس شوریٰ منعقدہ دہلی میں یہ مسئلہ پیش ہو کر بالاتفاق منظور ہوا۔ اور اب اس کا آخری فیصلہ اس اجلاس کے ہاتھ میں ہے۔

حضرات! ارکان جمعیۃ و علمائے کرام آپ کی جمعیۃ کے لئے شریعت کا مقررہ نظام عمل یہ ہے اور صرف یہی ایک راہ فوز و فلاح کی ہے۔

میں لے کر دنیا کی ساری مشکلوں کا مقابلہ اور ارواح و قلوب کی ساری بیماریوں کی شفا کا اعلان کردے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

حضرات! ۱۹۱۴ء کے لیل و نہار زیب الاختتام تھے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ حقیقت اس عاجز پر منکشف کی اور مجھے یقین ہو گیا کہ جب تک یہ عقدہ حل نہ ہوگا ہماری کوئی سعی و جستجو بھی کامیاب نہ ہوگی۔ چنانچہ اسی وقت سے میں سرگرم سعی و تدبیر ہو گیا۔ حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے میری ملاقات بھی در اصل اسی طلب و سعی کا نتیجہ تھی۔ انہوں نے پہلی ہی صحبت میں کامل اتفاق ظاہر فرمایا تھا اور یہ معاملہ بالکل صاف ہو گیا تھا کہ وہ اس منصب کو قبول کر لیں گے۔ اور ہندوستان میں نظم جماعت کے قیام کا اعلان کر دیا جائے گا۔ مگر افسوس ہے کہ بعض زود رائے اشخاص کے مشورہ سے مولانا نے اچانک سفر حجاز کا ارادہ کر دیا۔ اور میری کوئی منت و سماجت بھی انہیں سفر سے باز نہ رکھ سکی۔ اس کے بعد میں نظر بند کر دیا گیا۔ لیکن ایام نظر بندی میں بھی اس کی فکر و تبلیغ سے غافل نہ تھا۔ چنانچہ صوبہ بہار کے بعض احباب و مخلصین کو اسی زمانے میں اس طرف توجہ دلائی گئی اور وہاں ابتدائی بنیاد اس کی ڈال دی گئی۔ اسی زمانے میں میرے عزیز و رفیق مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحب رانچی میں مجھ سے ملے تھے اور اسی وقت سعی و تدبیر میں مشغول ہو گئے تھے۔ جنوری ۱۹۲۰ء میں جب میں رہا ہوا اور موجودہ تحریک خلافت کی تنظیم شروع ہوئی تو اس وقت بھی میں نے بار بار کوششیں کیں اور تمام کارکن طبقہ کو اس طرف توجہ دلائی مگر حالات موافق و مساعد نہ ہوئے۔ اور مجھے مجبوراً انہی اصلاحات پر قناعت کر لینی پڑی جو اس تحریک کے اندر رہ کر انجام دے سکتا تھا۔

گزشتہ موسم گرما میں جب اس طرف سے مایوسی ہو گئی کہ تمام ملک کے لئے کوئی متفقہ و مختصر نظم قائم ہو تو پھر یہ ارادہ کیا کہ اولاً صوبہ وار تنظیم کا کام شروع کر دیا جائے۔ چونکہ صوبہ بہار میں تین چار سال سے ابتدائی بنیاد کام کر رہی تھی اس لئے سب سے پہلے اسی کی طرف توجہ کی گئی۔ اور میں نہیں جانتا کہ کن لفظوں میں حضرات علماء بہار کو مبارکباد دوں کہ انہوں نے سبقت بالخیرات کا مقام اعلیٰ حاصل کیا اور جمعیۃ العلماء بہار کے جلسہ میں تین سو

کے تاریخی خواص ان میں تلاش کیے جائیں۔

جدید ترکی کا ظہور اور نشو و نما، مصر کی سیاسی حرکت کا اتار چڑھاؤ، مشرق میں یورپ کے طامعانہ استعمار کا بیاوور، عراق، شام اور فلسطین کی انگریزی۔ فرانسیسی حکمبزاری عثمانی خلافت کا اختتام، خاندان عثمانی کا ترکی سے اخراج، شمالی افریقہ میں امیر محمد بن عبدالکریم کی پے در پے فتحمندیاں، حجاز کے تاگہانی اور فوری تغیرات، شریف حسین کی خود ساختہ امارت کا خاتمہ امیر ابن سعود کا داخلۂ حجاز، جزیرۃ العرب میں ایک نئی سیاسی صورت حال کی پیدائش، شام میں قومی حرکت کا طاقتور ظہور۔ خاندان قاچاریہ کا خاتمہ اور پہلوی شاہیت کا قیام، یہ اور اسی طرح کے کتنے ہی واقعات ہیں جو اس قلیل عرصہ کے اندر گزر چکے اور گو ان کی انقلابی اہمیت ہم نے اپنی روزانہ زندگی کی مشغولیت میں محسوس نہ کی ہو لیکن تاریخ ان کے اندر قرنوں اور صدیوں کے تغیرات کا سراغ لگائے گی۔

ملک کے داخلی تغیرات

یہ تو ہماری دلچسپی کا بیرونی منظر تھا۔ لیکن ہم کسی حال میں بھی یہ حقیقت فراموش نہیں کر سکتے کہ ہمارے لئے زندگی اور سرگرمی کی اصل جگہ خود اپنی سرزمین اور وطن ہی ہے غور کیجئے اس پانچ سال کے اندر یہاں کی دماغی و جماعتی حالت میں بھی کیسی کیسی تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ ہمارے ملک کے مستقبل میں ان کے اثرات کیا کیا اور کس کس طرح کام دیں گے۔ خلافت کی حرکت کے ساتھ ہی ملک کی آزادی و استقلال کی جو متحدہ حرکت شروع ہوئی تھی اور جس کی خصوصیتوں نے بہت جلد دنیا کی توجہ اور دلچسپی حاصل کر لی تھی۔ ایک خاص منزل تک پہنچ کر رک گئی۔ اور اس کے بعد اس کے ردِ فعل (ری ایکشن) کے اثرات نہایت تیزی کے ساتھ ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ اب سرگرمی کی جگہ افسردگی ہے بیداری کی جگہ غفلت ہے، اتحاد کی جگہ انتشار ہے۔ ملک و قوم کی جگہ فرقہ اور جماعت کی صدائیں ہیں اور کام کی رہی سہی قوتوں کے لئے نئے نئے گمراہ کرنے والے فتنے پیدا ہو رہے ہیں۔ ہندوستان کے موجودہ منظر کا سب سے زیادہ اور دردانگیز پہلو اس وقت نمایاں ہوتا ہے جب مشرقی ممالک کے موجودہ تغیرات کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جائے جبکہ مشرق کی تبدیلیاں آزادی اور

خطبۂ صدارت کانپور

آل انڈیا خلافت کانفرنس

۲۹ر دسمبر ۱۹۲۵ء -

حضرات! یہ دوسرا موقع ہے کہ آپ نے خلافت کانفرنس کی صدارت کے لیے مجھے منتخب فرمایا ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۹۲۱ء میں جب اس کا اجلاس ناگپور میں ہوا تھا۔ آپ نے یہی خدمت میرے سپرد کی تھی۔ اب پانچ سال کے بعد دوبارہ مجھے موقع دیا ہے کہ آپ کے اعتماد اور محبت کا شکریہ ادا کروں۔

پنج سالہ گردشِ حوادث

پانچ سال کی یہ مدت انسانی عمر کی کوئی بڑی مدت نہیں۔ زمانہ کی عمر معلوم مگر طویل و عظیم عمر کا تصور کیجئے تو یہ پانچ برس اس کے ناپیدا کنار سمندر میں ایک قطرہ سے زیادہ ہستی نہیں رکھتے۔ تاہم غور کیجئے تو نظامِ شمسی کی انہی پانچ گردشوں کے اندر انقلاب و تغیر کی کتنی گردشیں دنیا پر گزر چکی ہیں! انقلاب کا ایک کامل دور ہے جو ذہن اور جسم کے ہر گوشہ میں طاری ہے۔ جنگِ عظیم گویا اس انقلاب کی پکار تھی۔ اب خود انقلاب تیزی کے ساتھ قدم بڑھا رہا ہے۔ ماضی کے نتائج ایک نئے مستقبل کے لیے ڈھل رہے ہیں اور مستقبل جلد جلد اپنے آثار و علائم بھیج رہا ہے

عالمِ اسلامی کے تغیرات

آج اس محل میں ہماری بحث و نظر کا دائرہ ہندوستان اور عالمِ اسلامی کے اندر محدود ہے لیکن جغرافیۂ عالم کے ان گوشوں کے حوادث بھی اس کے لیے کافی ہیں کہ ایک انقلاب انگیز عہد

اب نظم و انضباط کی جگہ ہر جگہ پراگندگی ہے، افکار پریشان ہیں طبیعتیں غیر مطمئن ہیں۔ یقین اور اعتقاد ہل گیا ہے اور لوگ محسوس کر رہے ہیں کہ کوئی راستہ ان کے سامنے موجود نہیں۔ عام طور پر ملک میں غفلت و گمرہی کی جو آب و ہوا پیدا ہو گئی ہے وہ خود بھی اسی میں بہہ رہے ہیں اور حالات کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ اس سے الگ ہو کر اپنے فکر و دماغ کی درستی کی انہیں مہلت نہیں ملتی۔ اگر فکر و اعتقاد کی کوئی قوی اور بالاتر روشنی موجود نہ ہو تو اس کی تاریکی کا لازمی نتیجہ سرگردانی اور حیرانی ہے۔ چنانچہ یہ سرگردانی ہر طرف دکھائی دے رہی ہے۔ بہت سے لوگ کسی غیر معلوم اور غیر معین راہ کی جستجو میں ہیں وہ کہتے ہیں، کوئی نیا قدم اٹھانا چاہیئے۔ لیکن کس طرف اور کس طرح؟ اس کا جواب خود انہیں معلوم نہیں۔ جب کہ عام حالت ایسی ہو رہی ہے تو کچھ تعجب انگیز نہیں۔ اگر جا بجا جہل و فساد کے بہت سے سوئے ہوئے فتنے بیدار ہو گئے ہیں۔

موجودہ حالت قدرتی ہے

حضرات! یہ تمام صورت حال کیسی ہی افسوسناک کیوں نہ ہو لیکن یقین کیجیے یہ قدرتی قوانین کے ماتحت کچھ بھی تعجب انگیز نہیں ہے جو افراد کی طرح قوموں اور جماعتوں کے لئے بھی اس دنیا میں نافذ ہیں۔ یہ علم و حقیقت کا صریح انکار ہوگا اگر ہم مرعوب ہو کر سراسیمہ ہو جائیں۔ جس طرح ایک فرد پر اس کے جسم و دماغ کی مختلف حالتیں طاری ہوتی ہیں اور وہ حالتیں اس درجہ عام اور یکساں ہیں کہ ان کا علم و احساس کم و بیش ہر انسان میں موجود ہے۔ جسم کی صحت اور بیماریاں، دماغ کا نظم اور اختلال۔ جذبات کا سکون اور ہیجان، ہمارے لئے زندگی کے عام اور قدرتی حالات ہیں۔ ٹھیک یہی حال قوموں اور جماعتوں کا بھی ہے۔ ان کا بھی ایک مجموعی اور نوعی دماغ ہے اور اس کے لئے بھی نظم و اختلال اور سکون و ہیجان کی مختلف حالتیں ہیں۔ البتہ فرد کی زندگی شب و روز ہم پر گزر رہی ہے اور ہمارے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ اس لئے ہم اس کے اندر قوانین زندگی کی کارفرمائی محسوس کر رہے ہیں۔ مگر قوموں اور جماعتوں کی نوعی زندگی کے تغیرات کی رفتار بہت ہی سست ہے۔ گھنٹے کی سوئی کی طرح وہ بھی متحرک ہے

ترقی کی طرف جارہی ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا ملک قدم اٹھا کر صرف تھک ہی نہیں گیا ہے بلکہ واپسی کے لئے پیچھے دیکھ رہا ہے۔ افریقہ کے مٹھی بھر قبائل جس آزادی کی حفاظت کی راہ میں فرانس اور اسپین کی متحدہ طاقت کو پے در پے شکستیں دے سکتے ہیں، اس کے لئے ہندوستان اپنی اتنی وسیع آبادی کے ساتھ جو موجودہ نسل انسانی کا پانچواں حصہ ہے اپنی جہالت و غفلت کو بھی شکست نہیں دے سکتا۔ ہندوستان کی طرح شام بھی مختلف مذاہب اور نسل کی مشترک آبادی ہے، وہاں کے دروزی قبائل، عام مسلمان اور مسیحی جماعتیں صدیوں سے باہم گرفتار و غارت میں سرگرم رہی ہیں۔ مسلمانوں اور مسیحیوں کے مذہبی اختلافات کے لئے صرف صلیبی لڑائیوں ہی کا افسانہ کافی ہے۔ جس کے آٹھ خونی سیلاب اسی سرزمین میں بہہ بہہ کر خشک ہو چکے ہیں۔ تاہم آج اپنے ملک کی آزادی کے لئے ان سب کا متحد نعرہ یہ ہے "الدین للہ والوطن للجمیع" وطن سب کے لئے ہے اور ہر شخص کا دین اس کے لئے۔ لیکن ہندوستان کا حال کیا ہے یہ ہے کہ اس کی بہترین تعلیمی اور سیاسی پیداوار بھی آج اس حد تک جانے کے لئے طیار نہیں۔ مذہبی منافرت، جماعتی تعصب فرقہ وارانہ تنگ دلی اور محکومانہ ذہنیت کے تمام مفاسد ہماری راہ بدستور روکے کھڑے ہیں۔

مسلمانانِ ہند

جہاں تک مسلمانان ہند کی جماعتی زندگی کا تعلق ہے سنہ ۱۹۲۰ء کی ابتدا سے سنہ ۱۹۲۵ء کا خاتمہ ہر اعتبار سے مختلف ہے۔ اگر انہیں دو مخالف سمتوں سے تعبیر کیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ گزشتہ حرکت کا سب سے نمایاں اور مؤثر پہلو یہ تھا کہ مسلمانوں میں متحدہ مقصد کے لئے متحدہ جد و جہد کی سرگرمی پیدا ہوئی۔ ان کی پراگندگی، نظم و انضباط سے آشنا ہوئی۔ انہوں نے ہندوستان کے موجودہ دور میں پہلی مرتبہ مقصد، قوم، فرض اور ایثار کی راہ میں قدم اٹھایا۔ مختلف اسباب سے جن کی تشریح کا یہ موقع نہیں ملک کی سرگرمی میں برادرانِ وطن سے بہت پیچھے تھے۔ اس حرکت نے مسلمانوں کے قدم بھی میدانِ جنگ کی طرف اٹھا دیئے۔ لیکن موجودہ حالت بالکل اس کے متضاد ہے۔ گزشتہ حرکت جو پوری تیزی کے ساتھ جاری تھی، اچانک رک گئی۔ اور اس کے صدمے سے ان کی عصبیت بھی بکھر گئی۔

مسئلہ ہند کے اصول وعقائد

حضرات! یقیناً ملک کی موجودہ صورت حال ہر محب وطن کے لئے انتہائی غمگینی کا سامان ہے لیکن میں پوری سنجیدگی کے ساتھ اس پر اپنی حیرت ظاہر کروں گا کہ مایوسی یا انقلاب عقائد کا سامان کیوں ہو؟ کیا ہم نے ملک اور قوم کی نجات و ترقی کی راہ میں قدم نہیں اٹھایا ہے؟ کیا کروڑوں انسانوں کے ذہن وعمل کے انقلاب کا عظیم و گرانبار کام سامنے درپیش نہیں؟ کیا مذہب، تاریخ، زبان، رسم و رواج، تہذیب اور معاشرت کے گہرے اختلافات اور جہل و غفلت کی بے شمار خرابیاں ہماری راہ میں حائل نہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ مرض صدیوں سے موجود ہے اور علاج کی عمر چند برسوں سے زائد نہیں؟ یہ چند برس بھی قوموں کی زندگی کے لئے زیادہ سے زیادہ چند ایام ہیں؟ اگر ان صاف اور سادہ سوالات کا جواب اثبات میں ہے تو ضروری ہے کہ ہمارے سامنے اعتقاد، یقین اور علم کی روشنی موجود ہو، ہم نے ایک بے خبر اور ناآشنا آدمی کی طرح قدم نہ اٹھایا ہو جسے راہ کی ہر مشکل متحیر کر دیتی ہے اور ہر رکاوٹ پر وہ ہمت ہار کر بیٹھ رہتا ہے، حالات کی تبدیلی، کوششوں کی ناکامی، مشکلوں اور رکاوٹوں کی کثرت ہے، ہماری کوششوں کی صورت اور مقداریں تبدیلی ہونی چاہیئے۔ لیکن ہمارے عقائد اور اصول کیوں بدلیں؟ اگر ہندوستان کی نجات کی راہ میں غفلت و فساد نے نئی نئی رکاوٹیں پیدا کر دی ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ ہم اعتراف کر لیں کہ اب منزل زیادہ دور ہو گئی اور کام اس سے کہیں زیادہ ہے جس قدر ہم نے سمجھ رکھا تھا لیکن یہ نتیجہ تو نہیں ہونا چاہیئے کہ آزادی ہمارے لئے غیر ضروری ہو جائے! غلامی کی زندگی پر ہم قانع ہو جائیں اور اس کی پہلی شرط یعنی باہمی جنگ و پیکار کا فیصلہ کر لیں! علم اور روشنی کے ہر کام کی طرح ضروری ہے کہ اس راہ میں ہمارے سامنے کچھ بنیادی اصول ہوں۔ اگر وہ موجود ہیں تو اصول میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

درمیانی وقفہ اور دعوت عمل

حضرات! حقیقت حال یہ ہے کہ ہماری سرگرمی کا ایک دور ختم ہو چکا ہے مگر دوسرا دور ابھی شروع نہیں ہوا اس لئے درمیانی وقفہ کی اداسی اور پریشان خالی ہر طرف پھیلی ہوئی ہے

تغیر کے ایک نقطہ سے لے کر دوسرے نقطہ تک پہنچنے کے لئے بسا اوقات انہیں قرنوں اور صدیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ہمارا محدود و ناقص علم اس گوشہ کا بھی احاطہ کر سکتا تو ہم قوموں اور جماعتوں کے تمام احوال کو اسی نظر سے دیکھتے جس نظر سے ایک طبیب بیمار کا جسم اور ایک حکیم انسان کے دماغی خواص دیکھتا ہے۔

مایوسی کی کوئی وجہ نہیں

ہندوستان کے اس پورے آباد رقبہ کو ایک فرد کی طرح تصور کیجئے اور مجھے جواب دیجئے کہ کائناتِ ہستی کے اس وجود کو بھی وہ سب کچھ کیوں نہ پیش آئے جو ہمیشہ ان حالات اور ظروف میں پیش آتا رہا ہے اور جب تک خالقِ کائنات کی مرضی ہوگی پیش آتا رہے گا۔ یہ وجود بیمار ہے اور تندرستی حاصل کرنی ہے۔ بیماری کے اسباب ایک نہیں بے شمار ہیں، نئے نہیں پرانے ہیں۔ صرف بیرونی نہیں اندرونی بھی ہیں ضروری ہے کہ ان سب کے نتائج ظاہر ہوں اور ناگزیر ہے کہ بار بار اتار چڑھاؤ پیش آئے۔ بیماری اگر پرانی اور تمام اعضا میں پھیلی ہوئی ہے تو علاج کی کوششوں کو بھی اسی مناسبت سے اپنے اندر صبر اور برداشت پیدا کرنی چاہیئے۔ کیوں ہم علاج کی کسی ایک کوشش کی ناکامی یا بیماری کا کوئی ایک سخت ظہور دیکھ کر گھبرا جائیں؟ اگر علاج منظور ہے تو ہمیں ایک طبیب کے علم اور تیمار دار کی برداشت کے ساتھ اس وقت تک کام جاری رکھنا پڑے گا جو حکمت الٰہی نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ ہم ایک فرد کی معمولی سی بیماری کے لئے بھی یہ حکم نہیں لگا سکتے کہ وہ کب تندرست ہو جائے گا۔ باوجودیکہ جسمانی صحت کے قوانین ہم نے منضبط کر لئے ہیں۔ پھر ہم ایک پوری قوم کے علاج میں کسی ایسے معجزانہ نتیجے کے کیوں منتظر ہوں؟ اور ایک ابتدائی کوشش کی ناکامی یا نتیجہ کی تاخیر کیوں ہمیں سراسیمہ کر دے؟ ہم مرض کی گہنگی اور شدت پر غمگین ہوں گے۔ لیکن صحت کی طلب میں ہمارے جو عقائد اور یقین ہیں ان سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔

بیٹھ جائیں۔ ہماری یہ چند برسوں کی حرکت قوموں کے سفر کے لئے بمشکل چند قدم تھی۔ اگر ہمیں موت سے زندگی، پستی سے بلندی اور ذلت سے شرف و عظمت کی طرف پلٹنا ہے تو ہمیں نہیں معلوم ایسے کتنے ہی سفر پیش آئیں گے اور ہر مرتبہ ہمیں نئے عزم اور تازہ ہمت کے ساتھ اٹھنا اور بڑھنا پڑے گا۔ اگر ہم مقصود سے غافل نہ ہوں اور صرف سفر ہی جاری رکھیں تو یقین کیجئے اس راہ میں چلتے رہنا ہی بجائے خود مقصود ہے ؎

رہروان را خستگی راہ نیست　　عشق ہم راہ ست و ہم خود منزل ست

ربنا آتنا من لدنک رحمۃ وھی لنا من امرنا رشدا۔

وقت کے مباحث

حضرات! اس قدر تمہیدی کلمات ناگزیر تھے۔ اب آپ اجازت دیں کہ پیش نظر مسائل کی طرف متوجہ ہوں۔ مجھے جو کچھ عرض کرنا ہے وہ نہایت مختصر ہے۔ میں چاہتا ہوں جہاں تک ممکن ہو آپ رسم و نمائش کی جگہ حقیقت اور عمل کی طرف متوجہ ہوں۔ میری جانب سے اس راہ میں پہلا قدم یہ ہے کہ خطبۂ صدارت کے روایتی امتیاز و نمائش سے اپنی دست برداری کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ سالانہ تصنیف و انشا پردازی کی پُرتکلف نمائش ممکن ہے ملک کے ادبی ذخیرہ میں کچھ اضافہ کا موجب ہوتی ہو۔ لیکن اپنے محل اور وقت کے لئے تو قطعاً غیر ضروری ہے۔ اس کا غیر ضروری ہونا ہی اس کی ناموزونیت کے لئے کافی تھا لیکن اس کے سننے کا بوجھ حاضرین کے لئے کس درجہ ناقابل برداشت ہو جاتا ہے جبکہ وہ غیر دلچسپ بھی ہوتا ہے۔ ایک تحریر جو لکھی ہوئی اور چھپی ہوئی موجود ہوتی ہے اور جسے ہر شخص اپنی فرصت کے اوقات میں پڑھ سکتا ہے۔ صرف اس لئے تین تین اور چار چار گھنٹہ تک پڑھی جاتی ہے تاکہ کسی نہ کسی طرح ایک رسم پوری کر دی جائے۔ میں نے قومی مجالس کی اس وقت کی تلخی ہمیشہ محسوس کی ہے اور میں اسے گوارا نہیں کروں گا کہ خود بھی آپ کے لئے اس تلخی کا موجب بنوں بلاشبہ میں محسوس کرتا ہوں کہ وقت کے متعدد مسائل بحث بیان کے مستحق ہیں لیکن میں کوئی وجہ نہیں پاتا کہ اس قومی مجلس کا وقت جو نظر و بحث کے لئے نہیں بلکہ عملی تدابیر کے لئے ہے۔ ان مباحث کے لئے کیوں حاصل کروں۔ اخبار و رسائل کے ذریعہ تحریر و اشاعت کا

ضروری ہے کہ جلد سے جلد ایک بنیاد شروع ہو اور ہم از سرِ نو اپنی تمام بکھری ہوئی قوتیں کسی ایک مرکز پر جمع کر لیں۔ ہمیں چاہیئے کہ نہ تو گزشتہ پر ماتم کریں، نہ حال کے ہمت شکن نظاروں سے افسردہ ہوں بلکہ قدم اٹھائیں اور امید کے ایک نئے آغاز پر دستک دے دیں ؎

تفاوت ست میانِ شنیدنِ من و تو　　تو بستنِ در و من فتحِ باب می شنوم

حضرات! ایک ایسے وقت میں آپ نے مجھے دوبارہ صدا دی ہے۔ آپ میں سے اکثر احباب اس بات سے بے خبر نہ ہوں گے کہ میں کئی سال سے اس کوشش میں ہوں کہ صرف اپنی قلمی مشغولیت ہی کے لئے وقف ہو جاؤں۔ میری طبیعت کا یہ میلان محض میرے ذوقِ طلب ہی کا تقاضا نہیں بلکہ میرا یقین ہے کہ میرے لئے وقت کی تمام قومی خدمات میں یہی خدمت سب سے زیادہ ضروری اور اہم ہے۔ گزشتہ پانچ سال کے اندر میں نے بار بار کوشش کی کہ قومی مجالس کی سرگرمیوں کے ساتھ یہ کام بھی جاری رکھوں لیکن تجربہ سے معلوم ہو گیا کہ بہ یکسوئی کے ممکن نہیں بالآخر مجبور ہو کر فیصلہ کرنا پڑا کہ ان سرگرمیوں سے بالفعل کنارہ کش ہو جانا چاہیئے۔ اور اگر ان میں حصہ بھی لینا چاہیئے تو صرف اسی حد تک جہاں تک میری قلمی مشغولیت کا ضروری انہماک اجازت دے اس حالت کا یہ قدرتی نتیجہ تھا کہ مجھے اس نئی ذمہ داری کی قبولیت میں تامل ہوتا مجھے تامل ہوا۔ لیکن بالآخر جب میں نے گرد و پیش پر نظر ڈالی تو اس کے سوا چارہ نظر نہ آیا کہ اپنے فیصلہ پر وقت کے تقاضے کو ترجیح دوں اور تسلیم کر لوں کہ ہم خدمت گزارانِ قوم کے لئے اصلی فیصلہ وہی ہے جو وقت کا فیصلہ ہو، ہمیں پسند اور اختیار کی بہت سی چیزوں کی طرح اپنے فیصلہ کے حق ترجیح سے بھی دست بردار ہو جانا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے آپ کی دعوت منظور کر لی اور اس وقت آپ کے سامنے موجود ہوں۔ آیئے اپنی طلب و سعی کا سفر از سرِ نو شروع کر دیں، ہمارا سفر قوموں اور ملکوں کا سفر ہے۔ ہمیں انسانی اولوالعزمی اور فیروز مندی کی طرف جانا ہے۔ ہمیں اپنی گم گشتہ سعادت کا سراغ لگانا ہے۔ ہمیں اپنی راہ سے بے شمار رکاوٹیں دور کرنی ہیں۔ ہمیں خطروں اور مصیبتوں کے بیابان طے کرنے ہیں۔ خدارا مجھے جواب دیجئے کیا ایسے عظیم و گرانبار مقصد کے لئے راہ کی درازی اور سفر کی تھکن محسوس کی جا سکتی ہے؟ ہم ابھی چلے ہی کتنے ہیں کہ ستانے کے لئے

ہم ان کی جد و جہد میں اپنی تمام ممکن قوتوں کے ساتھ شریک ہیں۔

حضرات! ہندوستان سے باہر کے بعض حوادث بھی نہ صرف سال رواں میں بلکہ اس پورے دور میں اپنے آثار و نتائج کے اعتبار سے یادگار رہیں گے۔ عنقریب تاریخ مختلف عنوانوں سے ان کی داستانیں مرتب کرے گی۔

بالآخر مصل کے قضیہ کا نام نہاد مجلسِ اقوام نے فیصلہ کر دیا۔ یہ مجلس برطانیہ اور فرانس کی وزارتوں کا جنیوا میں ایک نیا دفتر ہے۔ اس لئے اس کا فیصلہ انصاف کے کتنے ہی خلاف ہو۔ لیکن توقع کے خلاف نہیں ہے۔ امید نہیں ترکی حکومت اس صریح جبر و ناانصافی کو جو اس کی ترکی آبادی و رقبہ کا ایک اہم ٹکڑا اس سے الگ کر دینے کے منظور کر لے۔ اگر ترک جنگ پر مجبور ہوئے تو جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے۔ ایک بات بالکل صاف ہے۔ ہندوستان اپنی تمام موجودہ کمزوریوں اور غفلتوں کے ساتھ بھی اس غلطی کا دوبارہ مرتکب نہیں ہو سکتا جس میں وہ ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک مبتلا رہ چکا ہے۔ وہ یقیناً اس سے انکار کر دے گا کہ اس کی مادی اور اخلاقی قوتیں آئندہ کسی ایسی جنگ کے لئے استعمال کی جائیں جس کا مقصد محض برطانوی شہنشاہیت کے جابرانہ اغراض ہیں۔ یقیناً ہندوستان کے بدقسمت مسلمان اس کے لئے تیار نہ ہوں گے کہ برطانوی شہنشاہیت کے لئے ان ترکوں کے سینوں پر گولیاں چلائیں جو اپنے قومی و وطنی حق کی حفاظت کے لئے دفاع پر مجبور ہوئے ہیں۔

سرزمین شام کی وحشیانہ بربادی خصوصاً دمشق اور اس کے بے گناہ باشندوں کا ہولناک قتل عام شاید نوعِ انسانی کے لئے موجودہ عہد کا سب سے زیادہ ماتم انگیز واقعہ ہے۔ عظیم و جمیل دمشق جو دنیا کی تاریخی آبادیوں میں سے ایک ہے جس کا چپہ چپہ تاریخ مشرق کے بیش قیمت آثار کا دفینہ ہے، جو ایک صدی تک اسلام کے شاندار عہدِ عروج و تمدن کا مرکز رہ چکا ہے۔ جس کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے ایک زمانے میں حافظ ابن عساکر کو اسی ضخیم جلدیں لکھنی پڑی تھیں۔ اب ایک منہدم کھنڈر ہے اور مسلسل بہتر گھنٹہ کی گولہ باری نے جو کسی میدان جنگ کے لئے بھی ایک ہولناک ہلاکی تھی۔ انسانی قتل و غارت

موقع ہمیشہ حاصل ہے۔ پس یہاں مجھے آپ سے جو کچھ کہنا ہے وہ صرف یہ ہے کہ آئندہ بارہ مہینے کے لئے ہماری جد و جہد کا پروگرام کیا ہونا چاہیئے۔

سالِ رواں کے بعض حوادث

لیکن حضرات! خواہ ہم وقت کے احتساب میں کتنی ہی سختی کریں تاہم سالِ رواں کے بعض اہم حوادث ایسے ہیں جن کی یاد سے اپنے دلوں کو اس وقت نہیں روک سکیں گے دیش بندھو چترن داس کی وفات ہمارے ملک کا ایک نقصانِ عظیم ہے۔ وہ ملک کے ان سیاسی رہنماؤں میں سے ایک تھے جن کی ذات ہر ملک و قوم کے لئے موجب فخر ہو سکتی ہے ان کی رہنمائی سے ملک ایسے وقت میں محروم ہوا جب کہ ان کے تدبر، حب الوطنی اور متحدہ قومیت کے سچے اور مضبوط اعتقاد کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ سریندر ونا تھ بینر جی کے انتقال سے بھی ہندوستان کی سیاسی شخصیتوں میں سے ایک دوسری شخصیت کی جگہ خالی ہو گئی۔ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں کیسا ہی مسلک اختیار کیا ہو تاہم ملک کی سیاسی زندگی کی پیدائش میں ان کی طویل خدمات تاریخ ہند میں اپنی جگہ حاصل کر چکی ہیں۔ سالِ رواں میں ملک کا موجودہ نظامِ حکومت بدستور اپنے جابرانہ خواص کی نمائش میں سرگرم رہا۔ اور ہندوستان اپنی غلامانہ زندگی کی بے بسی برابر محسوس کرتا رہا۔ جنوبی افریقہ میں ایشیاٹک بل کا معاملہ اس حقیقت کا ایک تازہ ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ ہندوستان کی غلامانہ زندگی نے اس کے فرزندوں کی ذلت و مصیبت آخری درجہ تک پہنچا دی ہے اور یورپ کا نسلی تعصب نوعِ انسانی کے تمدنی حقوق کے خلاف دنیا کی ایک عالمگیر مصیبت ہے۔ ایسی حالت میں ہندوستان کا ایک دن کے لئے بھی اپنی غلامی پر قانع رہنا فی الحقیقت کسی قوم کی غلامانہ برداشت کی انتہا ہے۔ افسوس کہ ہمیں معلوم نہیں ہماری بدبختی کی یہ برداشت کب تک جاری رہے گی۔ میں امید کرتا ہوں۔ اس وقت ہم میں ہمارے جنوبی افریقہ کے بھائیوں کا وفد موجود ہے۔ میں آپ کی جانب سے انہیں یقین دلاؤں گا کہ ہم اگرچہ اپنی بدقسمتی کی وجہ سے آج بے دست و پا ہیں۔ تاہم ہم میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جو اپنے سمندر پار بھائیوں کی اس مصیبت کے احساس سے خالی ہو

باشندگان حجاز کے مصائب کا تصور بھی کچھ کم الم ناک نہیں۔ شریفی حکومت جس کا وجود اسلام اور عرب کے لئے موجودہ عہد کے لئے سب سے بڑی مصیبت تھی اپنا آخری لمحۂ حیات بھی ظلم و استبداد کے بغیر بسر نہ کر سکی۔ مدینہ منورہ کے ہزاروں باشندے فقر و فاقہ سے مجبور ہو کر شہر سے نکل گئے۔ اور اس وقت حجاز کے ساحلی مقامات میں خانہ ویرانی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ہمارے وفد حجاز نے ان مصائب کا دردانگیز پیام مسلمانانِ ہند کے نام بھیجا ہے۔ میں آپ کو خصوصیت کے ساتھ توجہ دلاؤں گا کہ تمام خلافت کمیٹیوں کے ذریعہ کوشش کی جائے کہ آئندہ حج کے لئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں حجاج روانہ ہوں۔ اہل حجاز کی معیشت کا دارومدار زیادہ تر موسم حج کی رونق و کثرت پر ہے جس قدر زیادہ حاجی جائیں گے اسی مناسبت سے ان کی اقتصادی حالت سال بھر تک بہتر رہے گی۔

طلوعِ امید

لیکن حضرات! ان المناک حالات کی تاریکی میں امید اور مراد کی روشنی بھی کیسی تابندہ و نمایاں ہے! کون کہہ سکتا ہے کہ یہ آثار اپنے پیچھے کیسا روشن طلوع رکھتے ہیں۔

شمالی افریقہ میں امیر محمد بن عبدالکریم کی فتحمندیاں حق و آزادی کے معجزات باہرہ میں سے ایک نیا معجزہ ہیں۔ اسپین کی تنہا فوجی طاقت جب بار بار ٹکرا کر رہ گئی تو فرانس اور اسپین نے اپنی متحدہ قوت کا اسے نشانہ بنایا۔ مٹھی بھر بے سروسامان قبائل اور موجودہ عہد کی دو متمدن اور خونریز طاقتوں کا مقابلہ دنیا کے لئے ایک عجیب نظارہ تھا۔ تاہم جو نتائج نکلے وہ ہمارے سامنے ہیں۔ اس وقت تک ایک بالشت بھر زمین بھی ریفی علاقہ کی مسخر نہیں کی جا سکی اور عجب نہیں بہت جلد حق و باطل کا آخری فیصلہ ہو جائے۔ اسی طرح شام میں شجاع اور جانفروش دروزیوں کی قومی حرکت کیسی شاندار اور امید افزا ہے، بہادر دروزیوں کی حرکت پہلے صرف جبل حوران کے قبائل ہی میں محدود تھی۔ لیکن دمشق کی ہولناک بربادی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب تمام آبادی ان کے ساتھ شامل ہو گئی ہے اور غوطہ کے مرغزاروں سے لے کر جبل حوران کی سنگلاخ گھاٹیوں

کا ایک وسیع مدفن بنا دیا ہے۔ نسلِ انسانی کی یہ تازہ ترین ہلاکت کن ہاتھوں سے انجام پائی ہے۔ فرانس کے ہاتھوں سے۔ اس فرانس کے ہاتھوں سے جس نے اپنے انقلاب کی زبانی نوعِ انسانی کو حقوق، مساوات اور آزادی کا پیغام دیا تھا۔ اور جس کے روسو۔ وآلٹیر۔ میرآبو اور لامینٹ، وکٹر ہیوگو کے لفظوں میں "نسلِ انسانی کے نجات دہندہ" تھے۔

حضرات! تاریخ عالم کے موجودہ عہد کی اس ہولناک بربریت کے ذکر کے بعد جو نوعِ انسانی کی اس نجات دہندہ قوم کے ہاتھوں انجام پائی ہے۔ آپ قدرتی طور پر منتظر ہوں گے کہ اب میں فوراً دنیا کی اخلاقی زبان کے وہ تمام الفاظ بول جاؤں جو ہمیشہ ایسے موقعوں پر بولے جاتے ہیں۔ میں انسانیت کا ذکر کروں۔ تہذیب کا حوالہ دوں۔ انسانی حقوق اور انصاف کی پامالی پر ماتم کروں۔ اور کم از کم آپ کو یاد دلاؤں کہ نام نہاد لیگ آف نیشنز اور یورپ کی فیاضانہ اور مربیانہ حکمرانی کے نتائج یہ ہیں جو بدقسمت مشرقی اقوام کے حصہ میں آئے ہیں۔ لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ یہ قطعاً بے سود ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ایک معلوم و محسوس حقیقت سے انکار کرنا ہے۔ میں انسانی ظلم و حرص کی اس ہولناکی کا تو ذکر کر سکتا ہوں جو موجود ہے لیکن انسانی تہذیب و انصاف کی ان امیدوں کا کیوں کر ذکر کروں جن کا کہ فی الحقیقت کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

انسانی ظلم و ناانصافی ہمیشہ کی طرح آج بھی موجود ہے۔ اس لئے ہم اس کے نتائج دیکھ رہے ہیں لیکن انسانیت اور انصاف کہاں ہے جس کی پامالی پر متعجب ہوں۔ طاقت نے کمزوری اور غفلت کے ساتھ کب انصاف کیا ہے کہ آج کرے گی؟ ہر انصاف جس کا مطالبہ کمزوری کرے۔ رحم ہے اور اس دنیا میں قومیں رحم نہیں کیا کرتیں۔ یہاں صرف طاقت اور ضرورت کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ اور اسی کا نام انصاف ہے ہمیں چاہیئے کہ حقیقت کے خلاف ہر فریب خیال سے انکار کر دیں۔

سرزمین حجاز کے حوادث میں جہاں ایسے نتائج موجود ہیں جو عجب نہیں تاریخ اسلام کے لئے ایک نئے دورِ اصلاح و ترقی کا دروازہ کھولیں۔ وہاں ہمارے لئے

اس سے کہیں زیادہ اہم واقعہ ترتیب دے رہا تھا۔ جس قدر دنیا کی نگاہوں نے تصور کیا تھا۔ اب نہ صرف سرزمین حجاز بلکہ جزیرۃ العرب کے لئے بالکل ایک نئی صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ موجودہ عرب کا سب سے بڑا انسان ہمارے سامنے نمودار ہو گیا ہے اور ایک عظیم مستقبل اس کے عقب میں ہے۔ اب صدیوں کے بعد مسلمانان عالم کو موقع ملا ہے کہ سرزمین حجاز کی تجدید و اصلاح کے خواب کی تعبیر میں ڈھونڈیں۔ اگر مسلمانان عالم کی رائے عامہ نے اس انقلاب حال کی قدر و قیمت محسوس نہ کی تو عجب نہیں وہ تاریخ کی نظروں میں ایک بہت بڑی فرصت عمل ضائع کر دینے کے مجرم ثابت ہوں۔

مرکزی خلافت کمیٹی اور اس کا نظام

حضرات! قبل اس کے کہ میں آپ کو وقت کے اہم کاموں کی طرف توجہ دلاؤں چند الفاظ اس بارے میں بھی کہنا چاہتا ہوں کہ بحالت موجودہ ہماری ملکی سرگرمیوں میں خلافت کمیٹی کی نوعیت کیا ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس بارے میں صاف اور واضح خیالات کی ضرورت ہے۔ خلافت کمیٹی جس وقت قائم ہوئی تھی تو دو مقصد اس کے پیش نظر تھے۔ مسئلہ خلافت کے لئے ملک میں عام جد و جہد جاری رکھنا اور مسلمانوں میں خصوصیت کے ساتھ ملکی آزادی کے لئے سرگرمی پیدا کرنا۔ اس آخری مقصد کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ اس راہ میں مسلمانوں کے قدم بہت پیچھے تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ خصوصیت کے ساتھ ایک جماعت ان میں سرگرمی پیدا کرتی رہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ جہاں تک مسئلہ خلافت کا تعلق ہے کوئی ایسی جد و جہد موجود نہیں ہے جس کے لئے تمام ملک میں ایک مستقل نظام کی ضرورت ہو اور جو مسائل درپیش ہیں ان کے لئے صرف مرکزی کمیٹی کافی ہے۔ باقی رہا دوسرا مقصد تو کہا جا سکتا ہے کہ اس کے لئے بھی اب ضروری نہیں کہ خلافت کمیٹی کے نام سے تمام صوبوں اور ضلعوں میں کوئی نظام قائم رکھا جائے۔ مسلمانوں میں جو لوگ ملک کی موجودہ افسردگی اور ہندو مسلم نااتفاقیوں سے پریشان خاطر ہو چکے ہیں

تک استقلال یا موت کا نعرہ بلند ہے۔ نہیں کہا جا سکتا آئندہ حالات کیا صورت اختیار کریں تاہم یہ تو واضح ہے کہ شام نے اپنے مقصد کی طرف عزم و ہمت کا قدم اٹھا دیا ہے ضروری نہیں کہ یہ سفر جلد طے ہو اور اب یا کسی قریبی مستقبل میں منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ ہندوستان بھی اسی منزل کا ایک پاشکستہ رہرو ہے۔ اس کے دل کی آرزو مندیاں اور روح کی بے چینیاں اپنے برادرانِ شام کی کامیابیوں کی راہ تک رہی ہیں۔

ایران کے نئے انقلاب میں خاندان قاچاریہ کی شاہیت کا خاتمہ یقیناً ایک ایسا واقعہ ہے جس کا تمام مشرق خیر مقدم کرے گا۔ یہ سلسلہ حکومت ایران کے عہدِ تنزل کی پیداوار تھا۔ اس لئے شخصی حکومت کے بدترین مفاسد اس کے عنصر میں داخل تھے۔ اس کی پوری تاریخ اس عظیم سرزمین کے مصائب کی ایک مسلسل داستان ہے۔ یہ داستان جس قدر جلد ختم ہو جاتی بہتر تھا۔ لیکن دنیا کو عرصہ تک انتظار کرنا پڑا۔ البتہ یہ انقلاب کیسا شاندار اور مکمل ہوتا۔ اگر ایک نئی شاہیت کے آغاز کی جگہ ہم ایران کی جمہوریت کا اعلان سنتے۔

خاندان قاچاریہ کے عزل کے بعد دنیا کو قدرتی طور پر اسی کا انتظار تھا مگر اسے مایوسی ہوئی۔ تاریخ نے تعجب انگیز صورت میں اپنا ایک مشہور باب دہرا دیا اور ایران کے جمہوری مواد سے اچانک ایک نیا تاج و تختِ شاہی آراستہ ہو گیا۔ بہرحال یہ ایران کے لئے ترقی کا ایک قدم ضرور ہے۔ آج اس کا تاجِ شاہی اس کے طاقتور اور صاحب عزم رہنما کے سر پر ہے اور تاریخ منتظر ہے کہ اس واقعہ کے نتائج کا فیصلہ کرے

حضرات! آیئے اب وقت کے سب سے آخری مگر سب سے اہم واقعہ کی طرف متوجہ ہوں۔ یہ سرزمین حجاز کے عظیم الشان انقلاب کی تکمیل ہے۔ مدینہ منورہ میں نجدی فوجیں امن و امان کے ساتھ داخل ہو چکی ہیں۔ اور جدہ کی تسخیر کی بھی تصدیق ہو گئی ہے۔ اب شریف حسین کے فتنہ سے یہ سرزمین مقدس پاک ہو گئی اور اس طرح وہ عظیم الشان اسلامی خدمت مکمل ہو گئی جس کا شرف قدرت الٰہی نے امام عبدالعزیز آلِ سعود کے نام لکھ دیا تھا۔ فی الحقیقت نجدی افواج کا حجاز میں داخلہ

دماغی تغیرات کا قدرتی نتیجہ تھی۔ اگر یہ کڑی نکال دی جائے تو مسلمانوں کی سیاسی وعملی سرگرمی کی رفتارِ ترقی میں سے ایک منزل گم ہوجائے گی جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے۔ اس حلقہ کی بڑی خصوصیات جو اسے دوسرے حلقوں سے ممتاز کرتی ہیں یہ ہیں کہ یہ ہندوستان کی آزادی و نجات پر جو متحدہ قومیت کے ذریعہ حاصل ہوگی یقین رکھتا ہے۔ موجودہ صورت حال کی بدقسمتی اس کام میں کتنی ہی دشواریاں پیدا کردے لیکن وہ طیار نہیں کہ اس نصب العین سے دست بردار ہوجائے۔ وہ مسلمانوں کے جماعتی حقوق و فوائد کا تحفظ ضروری سمجھتا ہے۔ لیکن اس طریق عمل سے انکار کرتا ہے کہ مسلمان ہندوؤں کے طرزِ عمل سے روٹھ کر اجنبی حکومت کی آڑ پکڑ لیں اور ان کی ہستی ہمیشہ ملک کی فسمت کے لیے ایک دھمکی کی طرح استعمال کی جائے۔ اگر ہندوؤں سے انھیں منصفانہ طرزِ عمل کا مطالبہ کرنا ہے تو پوری قوت سے کرنا چاہیئے۔ لیکن ساتھ ہی ضروری ہے کہ ہماری باہمی آویزش ملکی جنگ کے میدان سے ہمیشہ الگ رہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ عمل اور سرگرمی کے ان ابتدائی اور بے سود طریقوں پر وہ قطعاً اعتقاد نہیں رکھتا۔ جنہیں ۱۹۲۰ء کی تبدیلی کا دروازہ بند کرچکا ہے۔ کوئی میدان ہو وہ یقین کرتا ہے کہ جد و جہد کی اصلی روح قربانی و ایثار اور عملی اقدام ہے۔ گزشتہ تحریک ملک کی قوتِ عمل کے لیے ایک پورا امتحان تھی۔ جن جن قدموں میں چلنے کی سکت تھی وہ چل اٹھے جو چل نہ سکے انہوں نے ثابت کردیا کہ اسباب کچھ ہوں لیکن ان کے لیے چلنا مشکل ہے۔ اب جو حلقہ مسلمانوں میں ہر جگہ خلافت کمیٹی کا سمجھا جاتا ہے۔ یہ گویا مسلمانوں کی موجودہ قوتِ عمل کا خلاصہ ہے اگر موجودہ دور میں کسی طرح کی بھی عملی سرگرمی جاری رکھنی ہو تو یہ ناگزیر ہے کہ اسی مواد سے کام لیا جائے۔ اس سے باہر کوئی ایسا مواد موجود نہیں جو کسی طرح کی عملی سرگرمی شروع کرسکے۔

میں اس وقت دلائل اور تفصیل سے کام نہیں لوں گا کیونکہ میں سمجھتا ہوں میرا مدعا ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ کیا آپ اس کی ضرورت نہیں محسوس کرتے کہ

وہ تو آگے کی طرف دیکھنے کے لئے کوئی نگاہ نہیں رکھتے اور جب پیچھے دیکھتے ہیں تو انہیں خیال ہوتا ہے کہ خلافت کمیٹی کی جگہ سے ہٹ کر کیوں نہ کوئی نیا نظام قائم کرلیا جائے۔ یا کم از کم کوئی پچھلا نظام ہی کیوں نہ از سرِ نو زندہ کرلیا جائے۔ جن لوگوں کی پریشان خاطری اس حد تک نہیں پہنچی ہے کہ اپنے گزشتہ اصول و عقائد سے دست بردار ہو جائیں، وہ اگرچہ دوسرے مقصد سے انکار نہیں کرتے تاہم وہ بھی محسوس کرنے لگے ہیں کہ اگر خلافت کمیٹیوں کے لئے ملک کے اندر کوئی معین اور جاری کام نہیں ہے تو پھر یہ پورا کارخانہ کیونکر قائم رکھا جا سکتا ہے اور اگر نہیں رکھا جا سکتا تو کیوں قائم رکھا جائے۔

حضرات! مجھے آخری خیال کے وزن سے انکار نہیں مگر میں پہلے سے بھی متفق نہیں ہو سکتا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ جہاں تک باہر کے اسلامی مسائل کا تعلق ہے معاملات نے ایسی صورت اختیار کر لی ہے کہ ان کے لئے صرف مرکزی خلافت کمیٹی بھی کافی ہو سکتی ہے۔ لیکن مجھے اس سے انکار ہے کہ ہندوستان کی سیاست و عمل کی زندگی میں مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا چاہیئے۔ اور میں محسوس کرتا ہوں کہ بحالت موجودہ اگر وہ کارکن حلقہ باقی نہ رہا جو خلافت کمیٹی کے نام سے پہچانا جاتا ہے تو لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ مسلمانوں کی جماعتی سرگرمیوں کو آگے بڑھنے کی جگہ پیچھے ہٹنے کے لئے چھوڑ دیا جائے اور گزشتہ تحریک نے اعتقاد و عمل کی جو ایک خاص آب و ہوا پیدا کر دی ہے وہ ایک عرصہ تک کے لئے معدوم ہو جائے۔ ذرا تفصیل کے ساتھ غور کیجئے کہ موجودہ صورت حال کیا ہے؟ خلافت کمیٹی کو صرف اس کے نام میں نہیں دیکھنا چاہیئے۔ نام تو صرف اس تختی کا سوال ہے جو اس کے دروازے پر لٹکا دی جاتی ہے۔ دراصل خلافت کمیٹی مسلمانوں کے اس کارکن حلقہ کی نمائندگی کرتی ہے جس کے عقائد و اعمال کی پسند خاص خاص خصوصیتیں ہیں اور انہی خصوصیتوں کی بنا پر اس کا ایک خاص حلقہ ملک میں قائم ہو گیا ہے۔ یہ حلقہ مسلمانانِ ہند کی جماعتی زندگی میں ۱۹۲۰ء کی ایک نئی کڑی پیدا کرتا ہے۔ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک کے

کرسکتے تو کم از کم آئندہ چند سالوں میں وہی کام انجام دے لیں جو گزشتہ چند سالوں کے اندر نہیں کیا گیا۔ اگر ہم اس کام میں تھوڑی سی بھی کامیابی حاصل کرسکتے تو یہ مسلمانوں کے لئے بہ حیثیت ایک جماعت کے اور ملک کے لئے بہ حیثیت مجموعی ایک عظیم الشان خدمت ہوگی۔ میرا خیال تھا کہ اس کام کا ایک بڑا ٹکڑا جو بغیر کسی جماعتی خصوصیت کے کیا جاسکتا ہے آل انڈیا کانگرس اپنے ہاتھ میں لے لے۔ لیکن اگر کانگرس سردست کوئی ایسا کام شروع نہیں کرسکتی تو ملک کی تمام جماعتوں کو چاہیئے کہ اپنے اپنے حلقوں میں شروع کردیں۔ اگر خلافت کمیٹیوں کا نظام کسی ایسے کام میں مشغول ہوجائے تو پھر میں یقین کے ساتھ کہوں گا کہ ان کے غیر ضروری ہونے کا کوئی سوال درپیش نہیں ہے۔

یہ صحیح ہے کہ آپ نے گزشتہ سال ایک پروگرام منظور کیا تھا جو آپ کے ریکارڈ میں موجود ہے۔ اس میں کام کی متعدد دفعات جمع کی گئی ہیں لیکن میں نہیں سمجھتا کہ وہ اپنی موجودہ شکل میں آپ کے لئے مفید عمل ہوسکتا ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ آپ سب سے پہلے اس پہلو پر غور کریں کہ مسلمانوں کی جماعتی اصلاح و ترقی کے لئے بنیادی سطح کونسی ہے اور پھر کوئی ایک معین اور واضح اور سہل العمل قدم اس طرف اٹھایئے۔

۱۹۲۶ء اور تعمیری پروگرام

تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے لئے ہر حال میں مقدم کام عوام کی تعلیم ہے۔ یہی کام سب سے زیادہ ضروری ہے اور اسی کی طرف سے ہمیشہ اغماض کیا گیا ہے۔ تعلیم کے لفظ کو یہاں اس سے زیادہ وسیع معنوں میں لیجیئے۔ تعلیم سے مقصود وہ تعلیم ہی نہیں ہے جو قواعد اور منضبط اصول کے ذریعہ مکتبوں اور مدرسوں میں دی جاتی ہے۔ یہ تو دراصل آنے والے عہد کے لئے ہے جنہیں آج پڑھایا جارہا ہے وہ کل کام کریں گے لیکن قوم کو اس کی موجودہ حالت میں بلند کرنے کے لئے ضروری ہے کہ موجودہ نسل کی دماغی حالت اور عملی استعداد درست کی جائے۔ وقت کی تمام مشکلات کا یہی علاج ہے۔

ہم عوام میں باہمی اتحاد پیدا نہیں کرسکتے۔ عملی سرگرمی ابھار نہیں سکتے۔ معیشت

مسلمانوں میں اعتقاد اور فکر کا یہ مذہب (اسکول) قائم رکھنا چاہیئے؟ میں تو محسوس کرتا ہوں کہ اس کی ضرورت ہے اور اگر یہ حلقہ سرِدست اپنی جگہ خالی کر دے تو صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ خالی رہے گی۔ بلکہ ایسی جماعتیں آگے بڑھ آئیں گی جن سے نہ تو کسی طرح کی صحیح عملی سرگرمی کی امید کی جا سکتی ہے۔ نہ وہ آگے کی طرف کوئی نگاہ رکھتی ہیں۔ اگر مسلمان موجودہ انتشار اور افسردگی کے وقفہ میں اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم انہیں پیچھے تو نہیں دیکھنا چاہیئے۔

البتہ ایک مسئلہ کا فیصلہ ناگزیر ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ آپ اس کا فیصلہ کر لیں کہ آپ کے لئے اہم ترین کام خود ہندوستان کے اندر کی زندگی اور اس کی ضروریات ہیں یا نہیں؟ اگر آپ کا جواب اثبات میں ہے تو آپ کو غور کرنا چاہیئے کہ اس راہ میں کوئی معین اور عملی قدم اٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟ آپ نے پانچ سال تک ہندوستان کے باہر کے اسلامی اور مشرقی مسائل کے لئے جدوجہد کی اور جس قدر نتائج اس سے نکل سکتے تھے حاصل ہوئے۔ لیکن موجودہ صورت حال کیا ہے؟ یہ ہے کہ آپ اپنے ملک کے اندر بدستور فیتہ و ہند کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ آپ کی حالت صرف آپ کی نجات کی راہ ہی نہیں بلکہ تمام ایشیا اور مشرق کی راہ میں روک ہے۔ پس ضروری ہے کہ آپ کی قوتیں اب ملک کی اندرونی خدمات کے لئے وقف ہو جائیں۔ بہ حیثیت ملک کی ایک بڑی جماعت کے مسلمانوں کی تعلیمی، معاشرتی اور عام و مابعد اصلاح و ترقی کا کام ہر حال میں ایک مقدم اور ناگزیر امر ہے اگر ملک کے سامنے سیاسی حرکت کے لئے کوئی عملی پروگرام موجود نہیں اور بحالت موجودہ جس قدر بھی زیادہ سرگرمی جاری رکھی جا سکتی ہے۔ اس میں نیشنل کانگرس مشغول ہے تو چاہیئے کہ یہ موقع ہم کسی صحیح تعمیری کام میں صرف کر دیں۔ یہ واقعہ ہے کہ ہم نے سنہ ۱۹۲۰ء کی حرکت سے پہلے کوئی مہلت ایسی نہیں پائی کہ عوام کی اصلاح و ترقی کے لئے چار پانچ سال تک کوئی بھی سرگرمی جاری رہی ہوتی۔ اس کا افسوس ناک نتیجہ آج ہم اس ردِ فعل (ری ایکشن) میں دیکھ رہے ہیں۔ جس نے اچانک ملک کو انتشار اور افسردگی کے حوالے کر دیا ہے۔ اب اگر ہم اور کچھ نہیں

اور مفید تعلیم ہفتہ وار سامعین کو مل سکے۔

اس پروگرام کے نفاذ کے لئے لکچروں اور خطبوں کی ترتیب و اشاعت ضروری ہے اور اس کا خود مرکزی خلافت کمیٹی کو انتظام کرنا چاہیئے۔

روپیہ کی فراہمی

حضرات! روپیہ کی فراہمی کے لئے بھی اس وقت تک جو طرز عمل چلا آتا ہے میں سمجھتا ہوں اب اس میں تھوڑی سی تبدیلی کرنی چاہیئے۔ یہ ظاہر ہے کہ بغیر روپیہ کے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ حالت زیادہ عرصہ تک چل نہیں سکتی کہ عوام سے روپیہ کی مسلسل طلبی بھی جاری رہے۔ اور کام کا اعلان و وعدہ بھی ہوتا رہے ہمیں چاہیئے کہ اب ایسا طرز عمل اختیار کریں کہ لوگوں کو روپیہ دینے اور اس کے نتائج تولنے کا صحیح طور پر موقع مل سکے۔ اگر آپ اس سال عملی سرگرمی پیدا کرنا چاہتے ہیں تو چاہیئے کہ روپیہ کی مسلسل طلبی و وصولی کا طریقہ ملتوی کر دیجئے۔ آج یہاں طے کر لیجئے کہ ۱۹۲۶ء کے کاموں کے لئے خصوصاً اس تعلیمی پروگرام کے لئے آپ کو کم از کم کس قدر روپیہ چاہیئے۔ اس کے بعد سال کی پہلی سہ ماہی صرف اس رقم کی طلبی و وصولی کے لئے صرف کر دیجئے۔ خلافت کمیٹی کا تمام نظام تین ماہ تک صرف اسی کام میں مشغول رہے۔ اس عرصہ میں پبلک کا فرض ہے کہ وہ آپ کو روپیہ دے اور اس کا مطالبہ نہ کرے، کہ آپ کام کر رہے ہیں یا نہیں۔ اس کے بعد کے نو ماہ خالص عمل اور مشغولیت کے ہونے چاہئیں۔ ان نو مہینوں کے ہر دن کے لئے آپ پبلک کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ سال کے خاتمہ پر وہ فیصلہ کر سکے گی کہ کس قدر آپ کو روپیہ دیا گیا اور کس قدر آپ نے کام انجام دیا۔

مؤتمر حجاز

حضرات! ۱۹۲۶ء کا دوسرا اہم کام آپ کے لئے مجوزہ مؤتمر حجاز ہے جس کا پیام دعوت امیر عبدالعزیز آل سعود کی جانب سے تمام عالم اسلامی کو دیا جا چکا ہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ آپ کے نام بھی پہنچ چکا ہے۔

مؤتمر حجاز بجائے خود ایک ضروری کام ہے لیکن حجاز کے مسئلہ نے اس کی ضرورت

کی تکلیفیں دور نہیں کر سکتے۔ وقت کی ضروریات کا احساس پیدا نہیں کر سکتے۔ جب تک ان کے فہم و استعداد کے مطابق ان سے ہمارا ایک دائمی ذریعۂ خطاب و درس قائم نہ ہو جائے اس کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ موجودہ نسل میں جس کی ابتدائی تعلیم کا زمانہ گزر چکا ہے۔ نوشت خواند کی تعلیم عام کرنا اور باقاعدہ و مربّب تعلیمی اسباق کے ذریعہ جو مذہبی۔ اخلاقی اور معاشرتی تعلیمات پر مشتمل ہوں۔ عوام کی جماعتوں کو مسلسل تعلیم دینا۔

اگر ہم نے ان پڑھ عوام کی ایک بڑی تعداد میں اتنی استعداد پیدا کر دی کہ وہ اٹک اٹک کر اردو عبارت پڑھ لیں اور غلط سلط اردو لکھ لیں تو آپ یقین کیجئے کہ ہر طرح کی اصلاح و ترقی کے دروازے جو کسی حال میں بھی نہیں کھل سکتے تھے ہم نے بیک دفعہ ان پر کھول دیئے۔ اسی طرح اگر ہم نے ۱۹۲۶ء میں کم از کم اتنا بھی کر لیا کہ ہم ایک خاص مقدار کی مفید اور ضروری تعلیم لکچروں کے ذریعہ عوام کے مختلف حلقوں کو دیتے رہے اس کی مسلسل صدائیں ان کے دلوں تک اترتی رہیں اور اس طرح کارکن حلقہ میں اور عوام میں روزانہ خطاب اور مقابلہ کا تعلق قائم ہو گیا تو غور کیجئے کہ ۱۹۲۶ء کی جماعتی استعداد سے ۱۹۲۷ء کس قدر مختلف ہو گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو سردست صرف یہ تعلیمی پروگرام اختیار کرنا چاہیئے اور اس میں بھی صرف چار چیزوں پر قناعت کر لینی چاہیئے۔

۱۔ عوام کے موجودہ طبقہ میں نوشت و خواند کی اشاعت اور اس کے لئے نائٹ اسکولوں کا قیام اکثر صوبوں میں ان کے لئے مساجد کافی ہیں۔

۲۔ عوام کی مذہبی۔ اخلاقی اور معاشرتی اصلاح و ترقی کے لئے ایسی تعلیم گاہوں کا اجراء جہاں مربّب و مسلسل لکچروں کے ذریعہ اس طرح تعلیم دی جائے کہ ہر مہینے کا ایک معین کورس ہو اور اس میں ایک خاص مقدار کی مفید اور ضروری معلومات موجود ہوں اس کے لئے بھی اکثر حالتوں میں مسجد بہترین محل ہے۔

۳۔ جہاں تک ممکن ہو عوام کے لئے قرأت خانوں (ریڈنگ روم) کا قیام۔

۴۔ کوشش کی جائے کہ جمعہ کے خطبات کی اصلاح ہو اور ان کے ذریعہ ضروری

اور زیادہ اہم کر دی ہے۔ تاریخ اسلام کو صدیوں کے بعد موقع ملا ہے کہ سرزمین حجاز کو اصلاح وعمل کے لئے مستقر دیکھے۔ اس دور کے آغاز کے لئے سب سے پہلا کام موسم حج میں مؤتمر اسلام کا انعقاد ہے۔ ہمارا وفد اس وقت حجاز میں موجود ہے اور امید ہے کہ اس باب میں اس کے وزیدہ عنقریب مفصل اطلاعات موصول ہوں گی۔ بہت ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں بعض اہم خدمات کے انصرام میں مرکزی خلافت کمیٹیاں نمایاں حصہ لیں۔ امید ہے کہ مسلمانانِ ہند کی رائے عامہ ہمیشہ اس کی اعانت میں سرگرم رہے گی۔

خاتمہ!

حضرات! آخر میں میرے لئے صرف یہ رہ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے توفیق عمل کے لئے دست بدعا ہوں۔ اگر ہماری نیتیں اخلاص سے اور ہمارے قلوب عزم سے خالی نہیں ہیں تو ہمیں راہ کی مشکلات پر نہیں بلکہ رہنمائے حقیقی کی دستگیری پر نظر رکھنی چاہیئے۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ۔